We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

بانی: محمود ریاض
مدیر اعلیٰ ——— آسیہ ریاض
مدیرہ ——— رضیہ جمیل
مدیرہ خصوصی ——— امت الصبور
قانونی مشیر ——— نورالدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈووکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

پہلی شعاع، مدیرہ 6
حمد، شاہ عبداللطیف بھٹائی 7
نعت، واہی فدائی 7
نبی کی باتیں، ادارہ 8

انٹرویو

کاظم پاشا سے ملاقات، شاہین رشید 20
دستک، شاہین رشید 18
جب تجھ سے ناتا، ن-ف 15
جب تجھ سے ناتا، ز-ش 13

ناول

والعصر، امت العزیز شہزاد 32

مکمل ناول

شہر شام ہجر، فرح بخاری 160
ماء الملوک، نگہت سیما 130
مسافت، سمیعہ منیر 82

ناولٹ

مٹھی بھر محبت، حمیرا شیخ 62

افسانے

بابل کا آنگن، قرۃ العین خرم ہاشمی 54
دکھاوا، لبنیٰ آصف 60
چپ، ریحانہ وقاص 77
بند کواڑوں سے آگے، محجوبہ مریم 125
انس اوکے، صبوحی راؤ 157

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلے کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

صورت گر خوابوں کے، ماہ نور نعمان 183
قرینہ زندگی، شاہین قمر 190

غزل، اصغر علی 196
نظم، عینا عبدل 197
غزل، افتخار عارف 197
غزل، خمار بارہ بنکوی 196

مستقل سلسلے

خط آپ کے، ادارہ 24
بالوں سے خوشبو آئے، شگفتہ جاہ 200
کھلتا کسی پہ، حبیبہ خان 203
تاریخ کے جھروکے، امت الصبور 204
مسکراہٹیں، ادارہ 198
موسم کے پکوان، واصفہ سہیل 208
خوبصورت بننے، ادارہ 210

MEMBER APNS CPNE

دسمبر 2023
جلد 37 شمارہ 04
قیمت 150 روپے

واٹس اپ
03172266944

خط و کتابت کا پتہ
ماہنامہ شعاع
37-اردو بازار کراچی

زر سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ) ——— 1,800 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، یورپ ——— 25000 روپے
subscriptions@khawateendigest.com

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی۔

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872
Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

پہلی بات

دسمبر کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔
سال کے یہ آخری دن عجیب سی اُداسی لیے ہوتے ہیں۔ نہ جانے یہ وقت ہاتھ سے نکل جانے کا احساس ہوتا ہے یا موسم کا اثر۔ سرما کی خاموش طویل راتیں سوچوں کے در وا کرتی ہیں۔ بیتے دنوں کی یادیں دل پر دستک دیتی ہیں۔ وہ بچھڑے دوست، ان کی محفلیں یاد آتی ہیں جن کی معیت میں وقت پر لگا کر اُڑتا تھا۔
اب کسی کے پاس سرما کی پُرفسوں راتوں کا سحر محسوس کرنے کی فرصت ہے۔ نہ حالات۔ وقت کی ستم گری نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا ہے۔ ہیجانی کیفیت میں مبتلا ایک نافہم، نہ سمجھ میں آنے والے دور سے گزر رہے ہیں۔ کچھ بھی نیا نہیں ہو رہی پرانی کہانی جو بار بار دُہرائی جاتی رہی ہے۔ پھر بھی امید کی ایک مدھم سی کرن روشنی دکھاتی ہے۔ حوصلہ دیتی ہے۔
قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں ہم نے یہ وطن حاصل کیا تھا۔ دُنیا کی سب سے عظیم نعمت۔ آج فلسطینیوں کی حالت زار پر نظر ڈالیں، انڈیا کے مسلمانوں کی زبوں حالی دیکھیں تو احساس ہوتا ہے کہ پاکستان ہمارے لیے قدرت کا کتنا بڑا انعام ہے۔
25 دسمبر کو قائداعظم دُنیا سے رخصت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اس نعمت کی قدر کر سکیں۔

سال نو نمبر سروے،

جنوری کا شمارہ سال نو نمبر ہوگا۔ اس میں حسبِ روایت قارئین سے نئے سال کے حوالے سے سروے بھی شامل ہوگا۔ سروے کے سوالات یہ ہیں۔
1۔ گیا سال آپ کو کیا دے گیا؟ کون سی خوشیاں؟ کوئی دُکھ؟ کوئی پچھتاوا یا آگہی کا کوئی لمحہ؟
2۔ پچھلے سال کتنی تقریبات اٹینڈ کیں؟ کسی تقریب کا کوئی یادگار لمحہ یا واقعہ لکھیں؟
3۔ موسم سرما میں کھانے کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ وہ کھانے جو ہم گرمی کے موسم میں کھاتے ہوئے گھبراتے ہیں، موسم سرما میں شوق سے کھاتے ہیں۔ آپ کے گھر میں موسم سرما میں کون سی ڈشیں یا حلوہ جات خاص طور پر بنائے جاتے ہیں؟
ان سوالات کے جوابات اس طرح بھجوائیں کہ ہمیں 15 دسمبر تک موصول ہو جائیں۔

اس شمارے میں،

- مسافت۔ سمیرا حمید کا مکمل ناول، ماہ الملوک۔ نگہت سیما کا مکمل ناول،
- شام شہر ہجر۔ فرح بخاری کا مکمل ناول، حمیرا شفیع کا ناولٹ۔ مٹھی بھر محبت،
- ریحانہ وقاص، حمیریہ مریم، لبنیٰ آصف، قرۃ العین خرم ہاشمی، عروج راؤ، ہاجرہ ریحان اور شاہین قمر کے افسانے
- والعصر۔ امت العزیز شہزاد کا ناول، دستک۔ فرح نادرہ سے باتیں،
- پی ٹی وی کے پروڈیوسر کاظم پاشا سے ملاقات،
- پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

حمد

باری تعالیٰ

تیری ہی ذات اوّل و آخر
تُو ہی قائم اور تُو ہی قدیم

تجھ سے وابستہ ہر تمنا ہے
تیرا ہی آسرا ہے ربِّ کریم

کم ہے جتنی کریں تیری توصیف
تُو ہی اعلیٰ اور تُو ہی علیم

والیٔ شش جہات واحد ذات
رازقِ کائنات ربِّ رحیم

شاہ عبداللطیف بھٹائی

نعت

نعتِ مقبول

خلوتِ رب میں ستارہ دیکھا
قرب نے پھر نہ دوبارہ دیکھا

نور پر نور کا عقدہ کھل جائے
وقت نے کب یہ نظارہ دیکھا

قاریٔ دل نے 'الم نشرح' میں
حسنِ مطلق کا سپارہ دیکھا

کہکشاں ہوتی جہاں سے ہے طلوع
زائروں نے وہ منارہ دیکھا

ڈوبتی ناؤ نے آخر راہی
ان کے صدقے میں کنارہ دیکھا

راہی فدائی

UUNovels.com

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

ادارہ

بدلہ لینا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی چیز کو، عورت کو نہ خادم کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ ہاں، مگر آپ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے (جس میں آپ یقیناً دشمن کو مارتے) اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ کو کسی طرف سے کوئی تکلیف پہنچی اور آپ نے تکلیف پہنچانے والے سے بدلہ لیا ہو۔ ہاں، اگر اللہ کے محارم میں سے کسی چیز کی ہتک کی جاتی تو آپ یقیناً اللہ کے لیے انتقام لیتے (یعنی مرتکب حرام کو سزا دیتے۔ (مسلم)

حسن اخلاق

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا جا رہا تھا اور آپ کے اوپر ایک موٹے کنارے والی نجرانی چادر تھی۔ (راستے میں) ایک دیہاتی آپ کو ملا اور آپ کی چادر کو سختی کے ساتھ پکڑ کر کھینچا۔ چنانچہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے کی جانب دیکھا تو چادر کے کنارے سختی کے ساتھ کھینچنے کی وجہ سے اس پر نشان پڑ گئے تھے۔ پھر اس دیہاتی نے کہا۔

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمہارے پاس جو اللہ کا مال ہے۔ اس میں سے میرے لیے بھی حکم دو۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے اور مسکرائے، پھر آپ نے اسے دینے کا حکم فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن، خلق اور صبر و ضبط کا بیان ہے۔ آپ نے اس دیہاتی کی نازیبا حرکت کو ایک مسکراہٹ کے ساتھ نظر انداز فرما دیا اور اسے عطیہ دینے کا حکم فرمایا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

"میں (اب بھی) گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیا میں سے کسی نبی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

"اس نبی کو اس کی قوم نے مار مار کر لہولہان کر دیا تھا، وہ اپنے چہرے سے خون صاف کرتا تھا اور کہتا جاتا تھا۔ "اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے کیونکہ وہ بے علم ہے۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ: علما نے لکھا ہے کہ اس سے مراد خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی ہے اور یہ بھی آپ کا کمال اخلاق ہے کہ اپنے آپ پر بیتی ہوئی بپتا کو مبہم انداز میں بیان فرمایا اور اپنی قوم کی صراحت نہیں فرمائی۔

طاقت ور

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"طاقت ور وہ نہیں ہے جو پچھاڑ دے۔ اصل طاقت ور (پہلوان) تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ: لوگ جسمانی لحاظ سے تنومند اور طاقت ور شخص کو پہلوان سمجھتے ہیں لیکن اصل پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے جذبات پر قابو رکھے اور کوئی ایسا

کام نہ کرے جس پر اسے بعد میں پشیمانی ہو، جیسے عام لوگ غصے میں بہت سے ایسے کام کر لیتے ہیں اور بعد میں پھر ندامت کے آنسو بہاتے یا اس سے ہونے والی تباہی پر خون کے آنسو روتے ہیں۔

تکلیفیں برداشت کرنے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اور غصے کے پینے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو پسند فرماتا ہے۔" (آل عمران۔13)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "اور وہ شخص جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا، بے شک یہ ہمت کے کاموں سے ہے۔" (الشوریٰ۔43)

تعلق جوڑنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا۔

"یا رسول اللہ! میرے کچھ رشتہ دار ایسے ہیں کہ میں ان سے تعلق جوڑتا ہوں، وہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں۔ میں ان سے حسن سلوک کرتا ہوں، وہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں۔ میں ان سے بردباری سے پیش آتا ہوں۔ وہ مجھ سے نادانی سے پیش آتے ہیں۔"

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اگر تو ایسا ہی جیسا کہ تو نے بیان کیا ہے تو گویا تو ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہا ہے اور جب تک تو ایسا کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے ساتھ ایک مددگار رہے گا۔" (مسلم)

فائدہ: حدیث میں اس امر کی تاکید کی گئی ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں کو برداشت کیا جائے اور درگزر سے کام لیا جائے کیونکہ حسن اخلاق اور اسوہ حسنہ کی پیروی کا تقاضا یہی ہے۔

احکام شرعیہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اور جو اللہ کی محترم ٹھہرائی ہوئی چیزوں کی تعظیم کرے گا تو وہ اس کے لیے اس کے رب کے پاس بہتر ہے۔" (حرمات اللہ سے مراد دین کے احکام و شرائع ہیں جن کی تعظیم ضروری ہے۔) (الحج۔30) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اگر تم اللہ کی مدد کرو گے، اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو مضبوط کر دے گا۔" (محمد۔7)

فائدہ آیات: اللہ کی مدد کا مطلب ہے اس کے دین پر عمل کرنا اور کافروں سے اس کا دفاع کرنا۔

قدموں کو مضبوط کرنے سے مراد ہے۔ جہاد میں تمہیں ہمت و ثابت قدمی عطا کرے گا۔

لوگوں کا خیال رکھنا

حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

"فلاں آدمی کے ہمیں لمبی نماز پڑھانے کی وجہ سے میں صبح کی نماز میں پیچھے رہ جاتا ہوں۔"

پس میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی وعظ میں اتنا غضب ناک نہیں دیکھا جتنا اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے کا اظہار فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"لوگو! تم میں سے بعض لوگ نفرت دلانے والے ہیں۔ پس تم میں سے جو شخص لوگوں کی امامت کرائے اسے چاہیے کہ اختصار سے کام لے، اس لیے کہ اس کے پیچھے بوڑھے، بچے اور ضرورت مند لوگ بھی ہوتے ہیں۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ اس میں ایک تو ایسی بات کی شکایت کرنے کا جواز ہے جس سے لوگ تکلیف میں مبتلا ہوں دوسرے، دین کے معاملے میں غضب ناک ہونے کا جواز ہے۔ تیسرے، امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقتدیوں کا خیال رکھے اور زیادہ لمبی نماز نہ پڑھائے۔

2۔ مختصر قرات یا نماز کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

وہ طریقہ، نبوی اور تعدیل ارکان ہی کا خیال نہ رکھے اور کوے کی ٹھونگیں مارتے کی طرح نماز پڑھا دے جیسا کہ بدقسمتی سے عام مسجدوں کے اماموں کا حال ہے کہ ان میں نماز کا کوئی رکن بھی سنت نبوی کے مطابق ادا نہیں کیا جاتا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

3۔ عذر شرعی کی بنا پر جماعت سے پیچھے رہنا جائز ہے۔

4۔ امام کو ایسا وتیرہ اختیار نہیں کرنا چاہیے جس سے لوگ عبادت کی ادائیگی ہی سے متنفر ہو جائیں۔

انصاف

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

قریش کو اس مخزومی عورت کے معاملے نے، جس نے چوری کا ارتکاب کیا تھا پریشان کر دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے (آپس میں) کہا: اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون بات کرے گا؟ انہوں نے کہا۔

"یہ جرأت تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ہی کر سکتے ہیں۔"

چنانچہ حضرت اسامہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کیا تو اللہ کی حدوں میں سے ایک حد پر سفارش کرنے لگا ہے؟"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطاب فرمایا۔

"تم سے پہلے لوگوں کو بھی صرف اسی چیز نے ہلاک کیا کہ جب ان میں کوئی معزز آدمی چوری کر لیتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں سے کوئی ضعیف آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے (یاد رکھو!) اللہ کی قسم! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو یقیناً میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ اس سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ اللہ کی حد میں کسی کے لیے سفارش کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کوئی یہ جسارت کرے تو حاکم مجاز کے لیے اس کی بات ماننا جائز نہیں ہے۔

2۔ جرم کا تعلق اگر کسی اونچے خاندان سے ہو تو یہ خاندانی شرف و عزت اس کی سزا میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ ہر بڑے اور چھوٹے، امیر و غریب دونوں کے لیے قانون اور سزا یکساں ہے۔ سزا اور قانون میں ان کے درمیان محض امارت و غربت کی وجہ سے فرق و تمیز کرنا بڑا جرم ہے۔ ایسا کرنا بلاشبہ اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔

قبلہ کا احترام

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلے (کی جانب دیوار) میں تھوک (لگا ہوا) دیکھا، آپ کو یہ بات بہت گراں گزری، حتیٰ کہ اس کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر دیکھے گئے۔ آپ کھڑے ہوئے اور اسے اپنے ہاتھوں سے کھرچ دیا اور فرمایا۔

"جب تم میں سے کوئی آدمی اپنی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، اور اس کا رب اس کے اور اس کے قبلے کے درمیان ہے۔ چنانچہ تم میں سے کسی شخص کو قبلے کی طرف نہیں تھوکنا چاہیے بلکہ (اگر تھوکنے کی ضرورت ہو تو) اپنے بائیں جانب یا اپنے پیر کے نیچے (تھوک لے)۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کا ایک کنارہ پکڑا اور اس میں تھوکا، پھر اس کے ایک حصے کو دوسرے حصے سے مسل دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: "یا وہ اس طرح کر لے۔" (بخاری و مسلم)

امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اپنے بائیں جانب یا پیروں کے نیچے تھوکنے کا حکم اس صورت میں ہے جب وہ مسجد سے باہر ہو لیکن مسجد میں اپنے کپڑے میں تھوکنے کے علاوہ کہیں نہ تھوکے۔

فوائد و مسائل:

1۔ اس میں مسجد کا ایک نہایت اہم ادب بیان کیا گیا ہے کہ مسجد کے اندر قبلہ رخ نہ تھوکا جائے۔ حدیث میں اس کے لیے جو طریقہ بتلایا گیا ہے، عین نماز

کے دوران اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ تاہم اگر انسان نماز میں نہ ہو تو اب وضو خانوں میں واش بیسن کا اہتمام ہر مسجد میں ہوتا ہے، رومال یا چادر کا کونا استعمال کرنے کے بجائے صفائی کے لیے یہ وضو خانہ ہی سب سے بہتر جگہ ہے۔

2۔ مسجد میں گندگی نظر آئے تو اسے فوری طور پر صاف کر دیا جائے اور مسجد کو گندگی سے ملوث کرنے سے مکمل گریز کیا جائے۔

نرمی اور شفقت کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اپنے پروردگار مومنوں کے لیے اپنے بازو پست رکھ" (یعنی ان سے تواضع سے پیش آ۔) (الشعراء 215)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے، احسان کرنے اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور بے حیائی، منکرات اور ظلم و زیادتی کرنے سے منع فرماتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔" (النحل۔90)

ذمہ داری

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ۔

"تم سب ذمہ دار ہو اور تم سب سے اپنی رعیت (ماتحتوں) کے بارے میں پوچھا جائے گا: امام ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ آدمی اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت (اہل خانہ) کی بابت سوال ہوگا۔ عورت اپنے خاوند کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ خادم اپنے آقا کے مال کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ تم میں سے ہر ایک (اپنے اپنے معاملات کا) ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت (معاملے) کے بارے میں پوچھا جائے گا۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ: ارباب اختیار کی جو ذمہ داری ہے، اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو عنداللہ مجرم ہوں گے جس کی باز پرس روز قیامت ان سے ہوگی۔

دھوکا دینا

حضرت ابو یعلیٰ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"اللہ تعالیٰ کسی رعیت کی رکھوالی جس آدمی کے سپرد کر دے اور وہ انہیں دھوکا دیتے ہوئے مر جائے تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی۔" (بخاری و مسلم)

ایک اور روایت میں ہے کہ۔

"اس نے خیر خواہی کے ساتھ ان کے حقوق کی حفاظت نہیں کی وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔"

مسلم کی ایک اور روایت میں ہے: "جو حاکم بھی مسلمانوں کے معاملات کا ذمہ دار بنے۔ پھر وہ ان کے مسائل کے حل کے لیے بھرپور کوشش اور ان کی خیر خواہی نہ کرے تو وہ ان کے ساتھ جنت میں نہیں جائے گا۔"

فائدہ:

1۔ اس میں حکمرانوں کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ بہت ہی اہم منصب ہے۔ لاکھوں کروڑوں انسانوں کے مسائل و معاملات کے وہ ذمہ دار ہیں۔ اگر وہ پوری توجہ، ہمت اور خیر خواہی سے ان کے مسائل حل نہیں کریں گے تو اللہ کے ہاں وہ مجرم ہوں گے۔ ان کی رعایا تو اپنے ایمان و عمل کی بدولت جنت میں چلی جائے گی لیکن یہ اس سے محروم رہ جائیں گے۔

اس لیے حکمران اقتدار کے نشے میں بدمست اور عوام کے معاملات سے غافل نہ ہوں بلکہ عنداللہ جواب دہی کے احساس سے سرشار ہو کر انہیں عدل و انصاف اور امن و سکون مہیا کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔

نرمی کرنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس گھر میں فرماتے ہوئے سنا۔

"اے اللہ! جو شخص بھی میری امت کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنے، پھر وہ انہیں مشقت میں ڈالے تو تو بھی اس پر سختی فرما۔ اور جو شخص میری امت کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنے۔ پھر وہ ان کے ساتھ نرمی کرے تو تو بھی اس کے ساتھ نرمی فرما۔" (مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ کتنا خوش نصیب ہے وہ حکمران جو عوام کو عدل وانصاف مہیا کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے خاص کا مستحق بن جائے اور اسی حساب سے کتنا بدنصیب ہے وہ حکمران جو عوام کے ساتھ ناانصافی کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعاؤں کا مستحق بنالے۔

2۔ اس میں عدل وانصاف سے حکمرانی کرنے کی ترغیب اور عوام پر ظلم وزیادتی سے اجتناب کرنے کی تاکید ہے۔

3۔ اس میں حکمرانوں کے ماتحت افسر بھی آجاتے ہیں کہ ان سے بھی اس کی باز پرس ہوگی۔ نیز ہر ذمہ دار جس کے ماتحت افراد ہوں اسے ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا چاہیے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بنی اسرائیل کی سیاست ان کے پیغمبر کرتے تھے۔ جب ایک پیغمبر فوت ہو جاتا تو اس کا جانشین دوسرا پیغمبر بن جاتا۔ اور (یاد رکھو!) میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں، میرے بعد خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! پس آپ ہمیں کیا حکم ارشاد فرماتے ہیں؟"

آپ نے فرمایا: "جس سے پہلے بیعت کرو، اسے پورا کرو، پھر اس کے بعد والے سے بیعت کرو، پھر انہیں ان کا حق دو اور تمہارے اپنے جو حقوق ہیں، ان کا سوال اللہ سے کرو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بابت، جن کا انہیں والی بنائے گا، خود ہی ان سے پوچھ لے گا۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ سیاست بری چیز نہیں۔ اگر بری ہوتی تو انبیاء سیاست نہ کرتے۔ انبیا کے سیاست کرنے کا مطلب ہے: جہاں بانی اور حکومتی معاملات بھی ان ہی کے سپرد ہوتے تھے۔ یعنی دین اور دنیا، دونوں امور کے ذمہ دار انبیاء علیہ السلام ہوتے تھے۔ دین اور دنیا کے درمیان تفریق نہیں، یکجائی تھی۔ جیسے خلافت راشدہ اور اس کے کچھ عرصے بعد تک اسلام میں بھی یہ صورت رہی۔ اس لیے ایک نبی کی وفات کے بعد دوسرا نبی آجاتا اور اس کا جانشین بن جاتا، جیسے حکمرانی کے منصب میں ہوتا ہے۔ ایک کے بعد کوئی دوسرا حکمران بن جاتا ہے۔

2۔ اس میں ختم نبوت کا مسئلہ بھی واضح فرمادیا گیا ہے کہ اب میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ البتہ خلفاء ہوں گے اور دعویداران خلافت زیادہ ہوں تو اس کا حل بھی بیان فرمادیا کہ پہلے خلیفہ کی بیعت پوری کرو۔ اس کی موجودگی میں کسی دوسرے مدعی خلافت کی طرف توجہ مت دو۔

3۔ حکمرانوں کی کوتاہیوں کا حل بھی تجویز فرمادیا اور وہ ان کے خلاف بغاوت اور احتجاجی مظاہرے نہیں بلکہ انتظامی معاملات میں ان کی اطاعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اس کی بارگاہ میں دعا کرنا ہے۔

خیر گیری کرنے والا

"بیواؤں اور مسکین کی خبر گیری کرنے والا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔"

(راوی حدیث کہتے ہیں) میرا گمان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔

"وہ اس عبادت کرنے والے کی طرح ہے جو سست نہیں ہوتا اور اس روزے دار کی طرح ہے جو ناغہ نہیں کرتا۔" (بخاری و مسلم)

☆☆

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

زبش.....ساہیوال

1۔ شادی کب ہوئی؟

میری شادی اکتوبر 1989ء میں ہوئی۔ زندگی زیادہ مصروف ہوئی کیونکہ میں ٹیچر تھی۔ گھر اور اسکول کی ذمہ داریوں کے علاوہ یہ ذمہ داری اچھی لگی۔

2۔ شادی سے پہلے مشاغل و دلچسپیاں؟

میری شادی 26 سال کی عمر میں ہوئی۔ والد وفات پا چکے تھے والدہ اور ایک بھائی کل تین افراد تھے گھر میں، اسکول جانا وہاں سے واپس آکر ماں کے ساتھ گھر کے کاموں میں مدد کرنا اور کپڑے سلائی کرنا اور بھائی کے ساتھ ہنسی مذاق، یہ ہی زندگی تھی۔ جو بہت خوش گوار تھی۔ اسکول میں ٹیچرز کے ساتھ کافی دوستی تھی۔ جو سرمایہ حیات ہے۔

3۔ رشتے میں مرضی شامل تھی یا بڑوں کے فیصلے پر سر جھکا دیا؟

میری پھپھو یعنی بہن کی ساس میرا رشتہ مانگتی تھی اپنے پانچ کلاس پڑھے بیٹے کے لیے، امی نے جلدی سے غیروں میں میرا رشتہ کر دیا جو بھائی اور امی کی پسند کا تھا۔ میرے خاوند (ایئر فورس) میں تھے جو ان کی نظر میں بہت اعلیٰ رشتہ تھا۔ ہم نے ایک دوسرے کو نہیں دیکھا تھا بڑوں کے فیصلے پر سر جھکا دیا۔ تاکہ ماں کی ذمہ داریوں میں کمی آجائے۔

4۔ ذہن میں جیون ساتھی کا تصور تھا کیا؟

ذہن میں جیون ساتھی کا تصور تھا ہی نہیں کیونکہ میں چھوٹے بھائی کو انجینئر بنانا چاہتی تھی جاب کر کے اور خود شادی نہیں کرنا چاہتی تھی، بس منگنی کے بعد یہ ہی سوچا کہ وہ کوئی ذمہ دار بندہ ہو جو گھر کو پوری ذمہ داریوں کو نبھائے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے میاں نے ساری ذمہ داریاں اور سارے خواب پورے کیے۔

5۔ منگنی کتنا عرصہ رہی اور شادی سے پہلے ملاقات وغیرہ؟

منگنی ایک سال رہی پھر شادی ہو گئی خاص بھائی اور ماں کی پسند سے منگنی ہوئی ملاقات نہیں کی۔

6۔ شادی سے پہلے سسرال کے بارے میں خیال؟

میں یہ چاہتی تھی کہ سسرال میری قدر کرے میری شادی گاؤں میں ہوئی تھی۔ ساس سسر پہلے ہی وفات پا چکے تھے میرے شوہر کے چار بھائی اور تین بہنیں تھیں چھوٹی نند اور میرے شوہر کی اکٹھی شادی ہوئی، ماحول میں کافی فرق تھا لیکن ماں کی نصیحت کے مطابق ہر حال میں گزارا کرنا تھا۔ شکر اللہ تعالیٰ کا سسرال سے محبت اور پیار بہت ملا۔

7۔ شادی کے بعد تعلیم کی قربانی نہ بنی بڑی؟

جی نہیں تعلیم مکمل کر کے گورنمنٹ ٹیچر لگ گئی تھی۔

8۔ شادی بخیر وخوبی ہوئی یا کوئی بدمزگی؟

الحمدللہ سب کام باخوبی انجام پا گئے۔

9۔ شادی کے بعد شوہر نے دیکھ کر کیا کہا؟

بس تعریف ہی کی میں خوب صورت تھی اور بہن بھائیوں کی عزت کی نصیحت کی۔

10۔ کچھ تبدیلیاں؟

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

گاؤں اور شہر کی زندگی میں کافی فرق تھا۔ لیکن نوکری کی وجہ سے میں شہر میں والدہ کے پاس رہتی اور خاوند فوج میں تھے ہر دو ماہ کے بعد آتے اور سسرال جاتے مہمان بن کر، سب گھر والوں کی طرف سے بہت پیار ملا۔ خاص طور پر جب نندوں کے گھر جاتے تھے ان کی نظر میں ہماری شادی پر ساس سسر پیار نہ دے سکے اس لیے زیادہ پیار ملتا تھا۔

11۔ شادی کے کتنے عرصے بعد کام سنبھالا؟

تقریباً دو ماہ بعد۔

12۔ میکے اور سسرال کے کھانے اور ذائقے میں فرق محسوس ہوا؟

سسرال کے کھانے سادہ تھے جبکہ ہم لوگ کافی چٹ پٹا کھانے کے عادی تھے۔

13۔ سسرال سے وابستہ توقعات؟

توقعات کوئی بھی نہ تھیں۔ یہ ہی سوچا تھا کہ اپنے انداز سے کھانے پکا کر ان کا دل جیتنا ہے۔ میرا بھائی کہتا تھا کہ وہ لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں جن کی بیٹیاں گھر آ کر کہتی ہیں کہ میں سسرال میں خوش ہوں بس یہی سوچ کر گھر کی معمولی معمولی باتیں والدین کو نہ بتائیں۔ میں اپنی بیٹی کو بھی یہ ہی نصیحت کرتی ہوں اگر لڑکی پہلے دو سال منہ بند رکھے سسرال کی باتوں کا جواب غصے سے نہ دے تو

تمام عمر بہو کو سکون ملتا ہے۔

14۔ بچوں کی پیدائش؟

ایک سال بعد میری بیٹی ارم پیدا ہوئی 9 پونڈ کی سرخ وسفید بچی سارے خاندان کو بہت پیاری لگی۔ پہلی دفعہ لڑکی پیدا ہونے پر مٹھائی کے ڈبے ہر گھر میں دیے گئے پھر دو بیٹے ہوئے اویس اور عثمان، بڑا بیٹا اویس جو کہ بینک میں برانچ منیجر ہے اور اس سے چھوٹا عثمان انجینئر پوسٹ پر کام کر رہا ہے اور سب سے چھوٹی بیٹی مریم ہے جو کہ فرسٹ ایئر میں پڑھ رہی ہے۔ دو بیٹے دو بیٹیاں ہیں۔ ایک بیٹی جو کہ سب سے بڑی ہے اس کی شادی کر دی۔ اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے، ساری اولاد پڑھی لکھی ہے۔

15۔ جوائنٹ فیملی یا علیحدہ رہنا پسند ہے؟

اگر ساس سسر زندہ ہوں تو جوائنٹ فیملی میں ہی رہنا چاہیے، اسی میں برکت ہے، خاوند دور ہو تو گھر اور بچوں کو جاب کے ساتھ سنبھالنا مشکل ہے ظاہر ہے ایک نہ ایک دن الگ تو ہونا ہی پڑتا ہے۔

16۔ سسرال کے ماحول کو تبدیل کرنے کی کوشش کی؟

میں شہر سے بیاہ کر گئی تھی۔ آہستہ آہستہ میری اچھی عادتیں سسرال کو اچھی لگنے لگی اور ان کی اچھی عادتیں میں نے اپنالی۔ ہر ایک کی خامی کو نظر انداز کر کے پیار دیا اور پیار لیا۔ گھروں میں چھوٹے بڑے مسئلے تو ہوتے ہی رہتے ہیں خاص طور پر بڑی باجیوں اور بھائیوں میں۔ میرے خاوند نے ہمیشہ ساتھ دیا۔ آج ریٹائر ہونے کے بعد گھر بیٹھی عیش کر رہی ہوں، گھر گاڑی سب کچھ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے اور جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔ اللہ پاک سب کو خوش رکھے اور اپنے گھر کی خوشیاں نصیب کرے۔ عمرہ ادا کر چکی ہوں اب حج کی خواہش مند ہوں۔ اللہ پاک سب کو اپنے گھر کی زیارت نصیب فرمائے۔ (آمین)

☆☆

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

ف۔ن۔ مظفر گڑھ

س۔ شادی کب ہوئی، شادی سے پہلے کیا مشاغل تھے؟

ج۔ شادی 2006 میں ہوئی۔ سلائی، کڑھائی، پڑھائی، گھر کا کام کاج۔

س۔ اس شادی میں آپ کی مرضی شامل تھی؟

ج۔ مرضی تھی تو شادی ہوئی۔

س۔ ذہن میں جیون ساتھی کے متعلق کیا تصور تھا کیا خوبیاں دیکھنا چاہتی تھیں؟

ج۔ اچھا ہو، شریف ہو، خوش اخلاق ہو۔

س۔ منگنی کتنا عرصہ رہی شادی سے پہلے بات چیت یا ملاقات ہوئی؟

ج۔ منگنی نہیں ہوئی۔ نکاح شادی سے ایک ماہ پہلے ہوا، بات چیت ملاقات معیوب سمجھی جاتی تھی۔

س۔ شادی سے پہلے سسرال والوں کے بارے میں کیا خیالات تھے؟

ج۔ دیکھا بھالا گھرانہ تھا۔ میرے سسر میرے سگے کزن ہیں، ساس صاحبہ کو شادی سے پہلے بھابھی بلاتی تھی۔

س۔ شادی کے لیے کوئی قربانی دینا پڑی؟

ج۔ ماں باپ کا گھر چھوڑنا ہی قربانی ہوتی ہے ویسے میں اپنی امی کی سوکن یعنی بڑی امی کے پاس رہتی تھی جنہیں اکیلا چھوڑنا پڑا۔

س۔ شادی بخیر وخوبی انجام پائی یا رسموں کے دوران لین دین پر جھگڑا ہوا؟

ج۔ شادی بخیر خوبی انجام پائی۔ کوئی بدمزگی نہیں ہوئی۔

س۔ شادی کے بعد شوہر نے آپ کو دیکھ کر کیا کہا؟

ج۔ میرا ایک اور رشتہ بھی آیا ہوا تھا۔ شوہر نے کہا، شکر ہے مجھے مل گئی ہو، رقیب روسیاہ ناکام ہو گیا۔

س۔ شادی کے بعد زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں؟

ج۔ شوہر نے مزاحیہ انداز میں کہا۔ پہلے تم میری پھپھو تھیں۔ اب بیگم بن گئی ہو، دوسری تبدیلی یہ آئی میکے میں دو روٹیاں پکانی پڑتی تھیں۔ سسرال میں آ کر پورے ٹبر کی روٹی پکانی پڑی، پانچ دیور تھے دو نندیں تھیں۔ ساس سسر تھے اتنا شور ہوتا تھا سر میں درد ہو جاتا۔ دوپہر میں سونا خواب وخیال ہو گیا۔ گیارہ بارہ بندوں کا کھانا پکانا پڑتا چولہے کے پاس بیٹھے بیٹھے پاؤں سن ہو جاتے۔

س۔ شادی کے کتنے عرصے بعد کام کاج سنبھالا؟

ج۔ شادی کے دوسرے دن ہی سالن پکایا۔

س۔ میکے اور سسرال کے کھانوں اور ذائقے میں کیا فرق تھا؟

ج۔ کوئی خاص فرق نہیں تھا میکے میں گیس تھی سسرال میں آگ پر کھانا بنانا پڑتا تھا۔ ہر سالن میں چائے میں آگ اور دھوئیں کی اسمیل (بو) آتی تھی آنکھیں، آگ پھونک پھونک کر سرخ ہو جاتیں۔

س۔ میکے اور سسرال کے ماحول میں کیا فرق تھا؟

ج۔ میکے میں صرف میں اور امی ہوتی تھیں سکون ہوتا تھا، سسرال میں فیملی بڑی ہونے کی وجہ سے شور شرابہ ہوتا۔ دیور آپس میں دشمنوں کی طرح لڑتے تھے۔ خاوند بھی تند خو اور غصہ ور تھا سمجھ نہیں پائی تھی کہ کس بات پر موڈ بگڑ جائے۔

س۔ سسرال میں کن باتوں پر تعریف اور کن باتوں پر تنقید کا سامنا کرنا پڑا؟

ج۔ کھانا پکاؤ، سارا دن کام کرو تو تعریف ہوتی تھی۔ کسی دن طبیعت سست ہوتی۔ کھانا وقت پر نہ پک

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

سکتا تو سارے کیے کرائے پر پانی پھر جاتا۔ سخت تنقید ہوتی، سسرال والوں نے بہو نہیں ملازمہ سمجھ لیا تھا۔

س۔ سسرال سے وابستہ توقعات کس حد تک پوری ہوئیں؟

ج۔ سسرال سے توقعات رکھنی بھی نہیں چاہئیں۔

س۔ سسرال میں وہ مقام ملا جس کی توقع تھی؟

ج۔ پہلے تو نہیں ملا لیکن جب ساس صاحبہ اور بہوئیں بیاہ لائیں تب میری قدر ہوئی۔

س۔ میکے اور سسرال میں فرق؟

ج۔ میکے میں اپنی نیند سوتے ہیں جو دل چاہا پکالیا۔ یہاں ہر بات پر پوچھ پڑتال ہوتی ہے۔

س۔ پہلے بچے کی پیدائش؟

ج۔ آہ پہلا بچہ دنیا میں آنے سے پہلے ہی ختم ہوگیا۔

س۔ جوائنٹ فیملی سسٹم پسند ہے یا علیحدہ؟

ج۔ اگر پیار محبت ہو تو جوائنٹ فیملی سسٹم ٹھیک ہے میں نے دونوں تجربے کیے ہیں، میاں صاحب کئی دفعہ کام کاج چھوڑ کر گھر بیٹھ جاتے ہیں پھر روٹی کے بھی لالے پڑ جاتے ہیں پھر سسرال کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔ بچوں کو روٹی تو ملتی ہے لیکن تمام کام کا بوجھ میری کمر دکھ جاتی ہے۔

مسز دعا احمد

س۔ شادی کب ہوئی؟ شادی سے پہلے کیا مشاغل اور دلچسپیاں تھیں؟

ج۔ 4 ستمبر 2011 مشاغل ڈائریاں لکھنا اور میوزک سننا۔

س۔ شادی میں مرضی شامل تھی یا بڑوں کے فیصلے پر سر جھکایا؟

ج۔ میری رشتے میں مرضی بالکل تھی میں دل وجان سے راضی تھی اور ہماری شادی کو آپ لو نو پلس ارینج میرج کہہ لیں۔

س۔ جیون ساتھی کے حوالے سے کیا تصور تھا ذہن میں؟

ج۔ لونگ، کیئرنگ اور ہینڈسم ہو اور الحمدللہ یہ ان تمام خوبیوں سے مزین ہیں۔

س۔ منگنی کتنا عرصہ رہی؟ فون پر بات چیت یا شادی سے پہلے ملاقات وغیرہ۔

ج۔ تقریباً ساڑھے چار سال منگنی رہی۔

س۔ شادی کے لیے کس چیز کی قربانی دینا پڑی؟

ج۔ نہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کوئی قربانی نہیں دینی پڑی۔

س۔ رسموں کے لین دین پر جھگڑا؟

ج۔ کوئی خاص بات نہیں۔

س۔ شادی کے بعد شوہر نے دیکھ کر کیا کہا؟

ج۔ ما شاء اللہ بہت خوب صورت لگ رہی ہیں۔

س۔ شادی کے بعد زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں؟

ج۔ بہت تبدیلیاں آئیں۔ زندگی یکسر تبدیل ہوگئی اب سوچتی ہوں تو حیران رہ جاتی ہوں۔۔ رشتوں کا حوالہ بدلنے سے ان کے رویے بھی تبدیل ہو جاتے ہیں اور شاید یہی سسرال ہے۔

س۔ کتنے عرصے بعد کام کاج سنبھالا؟

ج۔ تقریباً دو ہفتوں بعد۔

س۔ میکے اور سسرال کے ذائقے مختلف محسوس ہوئے؟

ج۔ جی ہاں! شادی کے بعد بالکل مختلف لگے۔ شاید رشتے کا حوالہ بدلنے سے رشتوں میں سے مٹھاس بھی ختم ہوگئی تھی۔ اور ویسے بھی میرا سسرال گاؤں میں ہے اور گاؤں والے مرچیں کم کھاتے ہیں۔ جبکہ میں فاسٹ فوڈ کھانے کی شوقین تو رفتہ رفتہ ایڈجسٹ ہوتی گئی اپنے شوہر کی خاطر۔

س۔ سسرال میں کن باتوں پر تعریف یا تنقید ہوئی؟

ج۔ تعریف تو شاید خوابوں میں ہی ہوئی ہو البتہ تنقید ہر بات پر، میرے ہر عمل پر ردعمل۔ جیسے میں میکے سے کچھ سیکھ کر ہی نہیں گئی۔ چھوٹی سی بات کو اتنا طول دینا کہ بندہ حیران رہ جائے میں نے کیا کہہ دیا ہے۔

س۔ سسرال سے وابستہ توقعات کس حد تک پوری ہوئیں؟

ج۔ میں نے ان سے کوئی بھی توقع وابستہ نہیں کی تھی صرف شوہر سے امیدیں لگائی تھیں اور وہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے پوری بھی ہوئیں۔

س۔ پہلے بچے کی پیدائش؟

ج۔ میرا مس کیرج ہوگیا تھا اور تب مجھے لگتا تھا کہ سب ختم ہوگیا ہے لیکن میرے شوہر اللہ ان کو لمبی عمر دے میرا اتنا ساتھ دیا کہ میں سب کچھ بھول گئی۔ میرے شوہر بہت حوصلے والے ہیں۔ ہمیشہ میرے لیے اسٹینڈ لیا اور جہاں میری غلطی لگی مجھے ٹوکا۔ میں اپنے شوہر کی خوبیوں کی دل سے معترف ہوں۔

س۔ سسرال میں مقام؟

ج۔ وہی جو ایک ساس اور نندوں کے درمیان ہماری کنزرویٹو فیملیز میں ایک بہو کا ہوتا ہے۔

س۔ جوائنٹ فیملی پسند ہے یا علیحدہ؟

ج۔ میری نظر میں جوائنٹ فیملی ٹھیک ہے کیونکہ اس میں رشتوں کا احساس پیدا ہوتا ہے لیکن اس میں اگر انسان کو وہ مقام نہ ملے جس کا وہ اہل ہے تو میں الگ رہنے کو ترجیح دوں گی کیوں کہ ایک بہو کا گھر اس کا سسرال ہوتا ہے تو جس گھر میں وہ اپنی مرضی کا سانس بھی نہ لے سکے تو اسے الگ ہوجانا چاہیے۔

س۔ شوہر سے تعلقات؟

ج۔ الحمدللہ! خوب انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ ہم بن کہے ایک دوسرے کے دل کی بات کو جان لیتے ہیں۔ ایک پرفیکٹ اور آئیڈیل کپل۔ (اللہ نظر بد سے بچائے)

س۔ میکے اور سسرال میں فرق؟

ج۔ شروع شروع میں جب میرے ساتھ زیادتی ہوتی تھی تو میں نظر انداز کردیتی تھی کہ شاید میری ہی غلطی ہو۔ لیکن جب اپنے کانوں سے سنا اور اگلے ہی دن اس پر عمل درآمد بھی دیکھ لیا تو مجھے رونے سے زیادہ حیرانی ہوئی کہ کوئی کسی کی بیٹی کے ساتھ ایسے کیسے کرسکتا ہے؟ میرے میکے میں سب چھوٹے بڑے میری ذرا سی تکلیف پر پریشان ہوجاتے تھے اور اب بھی ایسا ہی ہے۔ اب سسرال میں مجھے کوئی دو بول تسلی کے بھی نہیں بولتا اور اپنی بیٹیوں کے لیے اتنی پریشانی تو میں بے اختیار ہی اپنی امی، ابو، بہن بھائیوں کو یاد کرتی ہوں۔ ایسے میں میرے شوہر میری ہمت بندھاتے ہیں۔

اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھے میرے شوہر کا ساتھ حاصل رہا ہے۔ وہ ایک اچھے بیٹے، بھائی اور اچھے شوہر ہیں۔ شوہر کا ساتھ ایک عورت کے لیے واقعی "آب حیات" کی مانند ہوتا ہے اور ان ساتھ کی بدولت وہ ہر مشکل کا مقابلہ کرسکتی ہے۔ آج الحمدللہ میں اپنے گھر میں خوش ہوں اور ان شاء اللہ رب العزت ہمارے آنگن کو بھی پھولوں سے مہکائے گا۔ اور مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں۔

☆☆

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

دستک، دستک، دستک

شاہین رشید

فرح نادر ٹی وی ڈراموں کی بہترین پرفارمر ہیں، زیادہ تر ماں، ساس کے رول کرتی ہیں نیگیٹو رول کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔

آج کل صاحب فراش ہیں آؤٹ آف فیلڈ ہیں اور کینسر جیسی بیماری سے نبرد آزما ہیں ...... ان کے چاہنے والوں کے لیے ایک خوش خبری ہے کہ الحمدللہ یہ اب بہت بہتر ہیں اور جلد ہی آپ انہیں دوبارہ ڈراموں میں دیکھ سکیں گے۔

"کیسے مزاج ہیں فرح صاحبہ؟"

"الحمدللہ ...... اب تو میں بہت بہتر ہوں۔"

"اللہ آپ کو ہمیشہ صحت کے ساتھ سلامت رکھے۔ کچھ بتائیں اپنی بیماری کے متعلق ...... کیا ہوا، کیا علامات آئیں کہ ٹیسٹ ہوئے ...... وغیرہ وغیرہ؟"

"ایسی کوئی خاص تبدیلی تو میرے اندر نہیں آ رہی تھی، البتہ تقریباً ایک سال سے میرا ویٹ کم ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی پرواہ اس لیے نہیں کی کہ میں ڈائیٹ بھی بہت کرتی تھی کیونکہ ہم اسکرین پہ ڈبل نظر آتے ہیں اپنی اصل جسامت سے ...... لیکن میری بیٹی ثنا نے کہا کہ ویٹ کافی کم ہو گیا ہے۔ آپ اپنا تھائی رائڈ چیک کرائیں اس سے بھی ویٹ کم ہوتا ہے اور ڈائٹنگ کرنا بھی چھوڑ دیں ...... کیونکہ آپ مجھے آج بہت کمزور نظر آ رہی ہیں۔

خیر اس کے کہنے پر تھائی رائڈ چیک کرایا تو رپورٹ نارمل آئی تھائی رائڈ کی بات آئی گئی ہو گئی۔

اور میں اپنے کام میں مصروف رہی، ان دنوں میرے پاس تین چار پروجیکٹ تھے میں مصروف بھی بہت تھی۔ کچھ عرصے کے بعد شام کے وقت مجھے بخار رہنے لگا جو سو ڈگری تک ہوتا تھا۔ بس بخار نہیں اترتا تھا اور کڈنی میں رائیٹ سائیڈ پہ درد ہوتا تھا جو کہ پہلے بھی ہوتا تھا اور مجھے لگتا تھا کہ جیسے میری پسلی میں درد ہو رہا ہے۔ بچوں سے تھوڑی خدمت کروائی تھی تو ٹھیک ہو جاتی تھی اور کام پر نکل جاتی تھی یا کبھی کبھار بروفین کی گولی کھا لیتی تھی اور ٹھیک ہو جاتی تھی۔ جب تقریباً ڈیڑھ ماہ بخار نہیں اترا تو سب کو تشویش ہوئی اور سب نے کہا کہ ڈاکٹر کو دکھائیں تو ضیاء الدین میں ایک ڈاکٹر ہیں انہوں نے مجھے اینٹی بائیوٹک پر ڈال دیا۔ روزانہ ڈرپس لگتی تھی اور پندرہ بیس دن کا کورس کرنے کے بعد بھی جب بخار نہیں اترا تو سب نے کہا کہ کسی دوسرے ڈاکٹر کو دکھا دیں وہ کیا کہتے ہیں ...... سیکنڈ اوپنین یہ ڈاکٹر میرے لیے فرشتہ ثابت ہوا۔ اس نے کڈنی کا الٹرا ساؤنڈ بھی کروایا اور کڈنی کے ہی دیگر ٹیسٹ بھی ... اور پھر انہوں نے مجھے دوسرے ڈاکٹر کے پاس بھیجا رپورٹس دیکھنے کے بعد ...... دوسرے ڈاکٹر نے سٹی اسکین کروایا تو اس میں کینسر کا انکشاف ہوا۔

پھر میں نے بچوں میں ہلچل دیکھی، چھوٹا بیٹا لاہور جا رہا تھا میچ کے لیے۔ باقی جو دو بچے یہاں تھے وہ میرے پاس آئے اور مجھے انہوں نے بتایا۔"

"آپ تو پریشان ہو گئی ہوں گی؟"

"یقین کرو مجھے کوئی جھٹکا نہیں لگا ...... خدا گواہ ہے کہ میں نہ خوف زدہ ہوئی نہ ہی روئی۔ بچے مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ میں ہنس رہی تھی بچوں کو دیکھ کر کہا کہ کوئی مسئلہ نہیں ...... اگر ایسا ہے تو مل کر فائیٹ کریں گے۔ میں نے انہیں گلے لگایا اور کہا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں اور ہم سب مل کر اس بیماری کو بھگائیں گے۔

یقین کرو کوئی خوف، کوئی صدمہ کچھ بھی نہیں تھا میرے اندر مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میرے اللہ نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔ کتنا بھی بہادر سے بہادر انسان ہو، وہ ایک سیکنڈ کے لیے ضرور لرز جاتا ہے۔ مگر میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوا۔ ہاں جب مجھے کرونا ہوا تھا تو میں ڈر گئی تھی۔ مگر اس بیماری کا سن کر مجھے کوئی خوف ہوا ہی نہیں۔ مجھ پر میرے اللہ کی شفقت کا ہاتھ تھا۔

فرز اسٹیج تھی کینسر کی۔ ڈاکٹر کے پاس گئے تو انہوں نے بتایا کہ سرجری ہوگی ...... رب کا احسان دیکھو کہ میرے کینسر کو کڈنی تک ہی محدود رکھا باڈی میں کسی بھی جگہ اس کی علامات نہیں آئیں۔

اس کے لیے میں جتنا بھی رب کا شکر ادا کروں کم ہے۔"

"اس انڈسٹری کے لوگوں نے آپ کی بیماری کا سن کر کتنا پوچھا آپ کو؟"

"یہ فیلڈ بہت ہی بے وفا لوگوں کی فیلڈ ہے اور اس سے اگر توقعات نہ ہی رکھیں تو بہتر ہے۔ کیونکہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں ...... آپ سیٹ پر ہیں تو بہت ہی اچھے ہیں ...... لیکن وہ محاورہ ہے نا کہ "آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل" سیریل ختم ہوا تو تم کون، میں کون۔ بس ایک آدھ بار کال کرلی جیسے فرض ادا ہو گیا ہو۔

ہمارے کچھ گروپ ہیں شوبز کے تو جب میرے بارے میں لوگوں کو پتا چلا تو کچھ نے ہیلو ہائے کی۔ کچھ نے کہا کہ ہم لے جاتے ہیں ڈاکٹر کے پاس، ہمیں بتاؤ کیا ہے۔ کچھ دنوں تک اس طرح لوگوں نے پوچھا ...... اور بس ......"

"کسی نے کہا کہ ہم مالی سپورٹ کرتے ہیں۔ کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ اگر آپ کسی کرائسس میں ہیں تب لوگ دور ہو جاتے ہیں۔"

"الحمدللہ میرے بچے میری فیملی نے بہت سپورٹ کیا مجھے اللہ کا شکر ہے کہ کوئی مالی ضرورت نہیں تھی۔ خدا نہ کرے کہ مجھے کبھی کوئی ایسی ضرورت ہو۔ میرا پورا خاندان میرے لیے حاضر تھا باقی بات یہ کہ کسی نے پیش کش کی تو بھئی "جان جائے پر دمڑی نہ جائے والی بات" ہوتی ہے۔ دے ہی نہ دیں۔

اللہ کسی دشمن کو بھی شوبز والوں کا محتاج نہ کرے ...... ہمارے کتنے ہی آرٹسٹ کس مپرسی میں دنیا سے گئے ہیں، یہ ہم ہی جانتے ہیں۔ کچھ ہی عرصہ قبل نائلہ جعفری اس دنیا سے جن حالات میں گئی ہیں اس کو سوچ کر بہت افسوس ہوتا ہے۔

میری ان سے بہت اچھی بات چیت تھی وہ کراچی سے گلگت چلی گئی تھیں وہاں سے انہوں نے اپنا علاج کروایا تھا۔ اس نے وہاں جا کر حکومت سے بھی اپیل کی اور دیگر مخیر حضرات سے بھی ...... سچ بتاؤں تو کینسر کی بیماری بادشاہوں اور رئیسوں کی ہے۔ یہ عام اور غریب لوگوں کی بیماری ہی نہیں ہے۔ غریب آدمی تو اس کا نام سن کر ایک جھٹکے میں چلا جاتا ہے۔ بس سب اپنی اپنی زندگیوں میں اتنے مصروف ہیں کہ کسی کے پاس دوسروں کے لیے اخلاقی مدد بھی نہیں ہے ...... میں جتنی بار بھی اپنے رب کا شکر کروں کم ہے کہ اس نے میرا ہاتھ تھاما ہوا تھا ہے میری ہمت اور میری طاقت میری فیملی ہے۔ میرے بچے ہیں ...... میرے بھائی، میری بھابیاں، میرے بھتیجے، بھتیجیاں میری طاقت ہیں ...... اللہ نہ کرے کہ کسی باہر کے بندے کی مجھے ضرورت پڑے بھی ......

شوبز تو بے وفاؤں کی دنیا ہے۔"

☆☆

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

پی ٹی وی کے پروڈیوسر

کاظم پاشا سے ملاقات

شاہین رشید

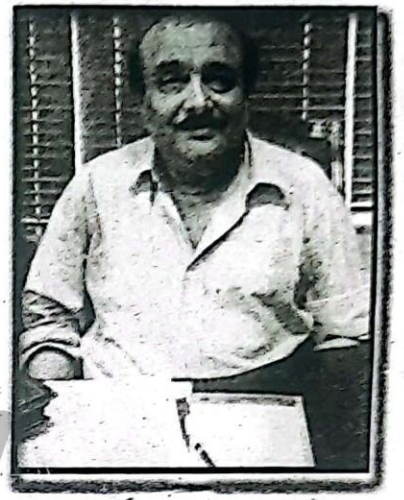

ماضی کے پی ٹی وی ڈراموں سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے فہمیدہ نسرین اور کاظم پاشا کے نام یقیناً نئے نہیں ہوں گے کیونکہ یہ تو اکیڈمی کا درجہ رکھتے ہیں۔ بہت زمانے کے بعد مجھے کاظم پاشا کا انٹرویو کرنے کا شرف حاصل ہورہا ہے۔

''بہت شکریہ کاظم پاشا صاحب! کہ آپ نے ہمارے میگزین کے لیے ٹائم دیا۔ کیسے مزاج ہیں؟''

''الحمدللہ''

''کافی عرصے کے بعد آپ سے بات ہورہی ہے۔ آواز میں وہی رعب وہی دبدبہ ہے۔ ماشاء اللہ''

''جی...... میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ کافی عرصے کے بعد آپ سے بات ہورہی ہے۔''

''فہمیدہ نسرین صاحبہ کی وفات کا بہت دکھ اور افسوس ہے کیسی گزر رہی ہے ان کے بغیر زندگی؟''

''زندگی کا پارٹنر یا ہم سفر جدا ہوجائے تو بہت زیادہ تنہائی کا احساس ہوتا ہے...... لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میری بیگم فیملی کو اس طرح سیٹ کرکے گئیں کہ آج تک کسی بات میں، کسی چیز میں مشکل پیش نہیں آئی۔

آج جس گھر میں، میں رہتا ہوں وہ بھی وہی تعمیر کروا کے گئیں ورنہ شاید ہم بھی کسی کرائے کے گھر میں ہوتے اللہ کا شکر ہے کہ اپنا گھر ہے۔ میری اہلیہ نے یہ گھر خود اپنی نگرانی میں بنوایا تھا۔

''آج کل آپ کی کیا مصروفیات ہیں؟''

''آج کل مصروفیات کچھ خاص نہیں ہیں۔ سارا دن گھر پر رہتا ہوں، ہاں کہیں سے بلاوا آجائے جیسے ''آرٹس کونسل'' سے یا کسی اکیڈمی سے تو پھر وہاں چلا جاتا ہوں اور ایسی جگہوں پر جاکر لوگوں سے میل ملاقات بھی ہوجاتی ہے اور وقت بھی بہت اچھا گزر

UUNovels.com

جاتا ہے۔ وائس اوور بھی کرتا ہوں آپ کو میری آواز کمرشلز کے پیچھے بھی سنائی دیتی ہوگی اور ڈاکیومنٹریز کے لیے بھی مجھے بلایا جاتا ہے۔''

''اپنی فیملی کے بارے میں بتائیں؟''

''میری ماشاء اللہ تین بیٹیاں ہیں اور ایک بیٹا ہے بڑی بیٹی ''ندا یاسر'' جسے آپ اے آر وائی کے مارننگ شو میں روزانہ دیکھتے ہیں۔ دوسری بیٹی ''ثنا پاشا'' جواب ''ثنا علی صائم'' کے نام سے پہچانی جاتی ہے اور تیسری بیٹی سویرا پاشا'' ہے...... جو ''سماء'' چینل سے وابستہ ہے اور کرکٹ کی کوریج کرتی ہے، وہ ورلڈ کپ'' کے لیے ''سماء'' کی طرف سے آسٹریلیا بھی گئی تھی۔ اور ایشیا کپ'' کے لیے لاہور گئی تھی اور اب ورلڈ کپ 2023 کے لیے ''سماء'' چینل کی طرف سے انڈیا۔

دوسری بیٹی ثنا علی صائم ہمایوں سعید کی آرگنائزیشن میں ہمایوں سعید کی بیگم اور صاحب زادی نے ایک اور پروڈکشن ہاؤس بنایا ہے جہاں ''ثنا علی'' کانٹینٹ کے اپنے فرائض انجام دے رہی ہے۔ اس کے تین بچے ہیں ماشاء اللہ۔''

''ندا یاسر کے بھی ماشاء اللہ تین بچے ہیں۔ بڑا بیٹا فرید یاسر ''شکاگو'' میں میڈیا کے بارے میں پڑھ رہا ہے۔ بیٹی ''صلہ یاسر'' برطانیہ میں زیر تعلیم ہے۔ میرے بیٹے کا نام ''طلحہ پاشا'' ہے میری خواہش تھی کہ وہ فوج میں جائے مگر ایک دن شیف محبوب نے بتایا کہ آپ کے بیٹے کو کوکنگ کا شوق ہے کیونکہ جب میں پروگرام کرتا تھا تو یہ بڑی دلچسپی سے نہ صرف دیکھا کرتا تھا بلکہ اپنی رائے بھی دیتا تھا...... تو آپ اسے شیف کا کورس کروائیں پھر اس نے ایک انسٹیٹیوٹ میں چار سال کا کوکنگ کا کورس کیا۔ پھر ہم نے اسے اٹلی پڑھنے کے لیے بھیج دیا، طلحہ نے ڈیڑھ سال کا شیف کورس کیا اور وہیں جاب کرنے کا ارادہ تھا۔ مگر فہمیدہ بیمار ہوگئیں تو پھر یہ واپس پاکستان آگیا۔ اور آج کل ایک انٹرنیشنل ریسٹورنٹ کی چین میں یہ شفٹ منیجر کی جاب کررہا ہے ماشاء اللہ سے...... بیٹے کی شادی کو دو سال ہوئے ہیں۔''

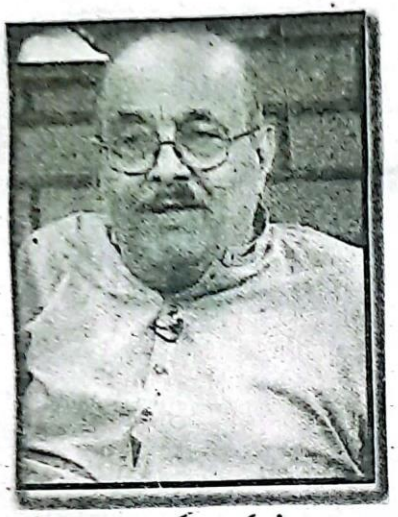

''آپ نے بہترین ڈائریکشن کے ساتھ بہترین ڈرامے کیے...... آج کل کے ڈائریکٹرز کا کام دیکھ کر آپ کو کیسا لگتا ہے؟''

''ہر چیز کی بہتات چیزوں کی ویلیو کو کم کردیتی ہے۔ آج کل کا زمانہ اتنا کمرشلائز ہوچکا ہے کہ ہر آدمی پیسے کی طرف بھاگ رہا ہے اور ایسا کیوں ہے اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ اس لیے رائٹنگ، اداکاری میں اور ڈائریکشن میں لوگوں کو وہ مقام نہیں ملتا جیسا ہمارے زمانے میں رائٹرز کو اداکاروں کو اور ڈائریکٹرز کو ملا کرتا تھا۔

مجھے یاد ہے کہ شادیوں اور دیگر تقریبات کی تاریخیں بھی اس طرح رکھی جاتی تھیں کہ کہیں ڈرامہ دیکھنے سے ہم نہ رہ جائیں یا دیگر لوگ...... اس وقت کے لیے کہا جاتا ہے کہ اچھے ڈراموں کے وقت سڑکیں سنسان ہوجایا کرتی تھیں تو کچھ غلط نہ تھا۔ اب چونکہ ہر چیز کی بہتات ہوگئی ہے تو اب پہلے والی بات نہیں رہی ہے۔

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

بس یہ کہہ لیں کہ "وہ" زمانہ ٹیلی وژن کے ابتدائی ادوار کے بعد کا ہی زمانہ ہے۔ اس وقت اتنے چینل نہیں تھے لیکن اب وقت یہ آ گیا ہے کہ پچاس یا اس سے بھی زیادہ چینل کھل گئے ہیں۔ کام بڑھ گیا ہے لہٰذا مصروفیات بھی تو بڑھی ہی ہیں، معاوضے بھی بہت بڑھ گئے ہیں..... اور سچ بات تو یہ ہے کہ اب دیکھنے والے ناظرین بھی پہلے جیسے نہیں رہے۔

"طویل ڈرامے، ڈھیروں ڈھیر چینل..... آپ دیکھتے ہیں؟ کیا چوائس ہوتی ہے آپ کی؟"

"سچ پوچھیں تو ٹی وی دیکھنے کا زیادہ اتفاق نہیں ہوتا، کم ہی چینل میں دیکھ پاتا ہوں اور جو طویل اقساط کے ڈرامے ہیں، اس کے لیے پھر میری صحت اجازت نہیں دیتی کہ میں ان کو دیکھ سکوں۔

"بہتات کی وجہ سے لگتا ہے کہ جیسے کام کو لپیٹا جا رہا ہے اور صرف پیسہ کمانے کے لیے کام کیا جا رہا ہے۔ تحریر کے معیار میں بہت کمی آ گئی ہے..... اچھے لکھنے والے بہت کم ہیں۔"

"آپ کے زمانے میں ڈراموں کی کامیابی کی کیا وجوہات تھیں؟"

"ہمارے زمانے میں ڈراموں کی کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ طویل اقساط کے ڈرامے نہیں تھے۔ ایک کوارٹر یعنی تین ماہ کے پروگرام شیڈول ہوتے تھے اور پھر ہر تین ماہ کے بعد نئے پروگرام ہوتے تھے ڈرامہ سیریل تو تین ماہ ہی چلتے تھے۔ یعنی تیرا اقساط کا سیریل ہوتا تھا ایک ویک میں ایک قسط ہوتی تھی۔ انفرادی چیزوں کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ تیرہ اقساط کے ہی ڈرامے ٹھیک تھے اور لوگوں کو یاد رہتے تھے۔ جب سو دو سو اقساط کے ڈرامے ہوتے ہیں تو قسطوں کا حساب ہی یاد نہیں رہتا اور زیادہ اقساط کی وجہ سے ریپیٹیشن بہت زیادہ ہونے لگی ہے۔"

"آپ کو چینل سے آفرز تو آئی ہوں گی کہ ہمارے لیے کام کریں؟"

"مجھے کئی چینلز سے آفرز آئی تھیں۔ ان میں کچھ لاہور کے اور کچھ اسلام آباد کے چینلز تھے۔ مگر بات یہ تھی کہ میں کراچی چھوڑنا نہیں چاہ رہا تھا۔ یہ میرا شہر ہے اور میں نے یہاں زندگی گزاری ہے اور میں یہاں ہی رہنا چاہتا ہوں۔ یہاں بھی کافی چینلز نے رابطہ کیا لیکن میرے بچے اس بات پر آمادہ نہیں ہوئے کہ میں بہت زیادہ مصروف رہوں اس کام کے لیے۔

بچوں کا کہنا تھا کہ اب ہم موجود ہیں آپ کی خدمت کے لیے، اس لیے آپ آرام کریں۔ اور بچوں میں خاص طور پر عدا نہیں چاہتی کہ میں کام کروں اور پھر وہ یہ بھی کہتی ہے کہ اگر آپ پروڈکشن کرنا چاہتے ہیں تو میرا اپنا چینل ہے یہاں کے لیے ڈائریکشن، پروڈکشن کریں۔ یاسر کے چینل کے لیے پروڈکشن کریں۔ لیکن پھر میں یہ سوچتا ہوں کہ یہ رشتے بڑے نازک ہوتے ہیں۔ داماد کے ساتھ پروڈکشن اور ڈائریکشن میں ایک دوسرے کے ساتھ چلنا تھوڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ بھلے کوئی بات نہ بھی ہو مگر احتیاط کرنا ضروری ہوتا ہے....."

دوسری بات یہ کہ میرے بچوں کا خیال ہے کہ آج کل سینئرز کو وہ عزت نہیں دی جاتی..... جس کے وہ مستحق ہوتے ہیں..... تو بچوں کا خیال ہے کہ ان کو یہ بات ناگوار گزرے گی کہ ان کا باپ جس کو حکومت کی جانب سے تمغہ امتیاز ملا ہوا ہے اور وہ ڈائریکٹر ہو اور آرٹسٹ اس کے سامنے میز پر پاؤں رکھ کر بیٹھا ہوا ہو۔ تو ندا کہتی ہے کہ میں یہ بات برداشت نہیں کر سکتی، اس لیے آپ دوبارہ اس فیلڈ میں نہ ہی آئیں تو بہتر ہے۔"

"ڈرامے کیسے بھی ہوں مگر ٹیکنالوجی میں ہم نے کافی ترقی کر لی ہے..... کیا خیال ہے آپ کا؟"

"آپ نے بالکل صحیح فرمایا..... ہمارے زمانے میں تو ایک کاپی کرنا عذاب ہو جاتا تھا۔ ٹیکنیک کے حساب سے بھی ڈائریکشن میں وہ بات نظر نہیں

آ رہی جو کہ آنی چاہیے..... فنکاروں کی بہتات ہو رہی ہے۔"

"فیلڈ کے بارے میں تو کافی کچھ باتیں ہو گئیں..... کچھ مزید بتایئے اپنے بارے میں۔"

"بس جیون ساتھی کے جانے کے بعد اگرچہ لائف پہلے جیسی نہیں رہی..... لیکن میں اپنے گھر میں ایک بہت ہی اچھی اور آرام دہ زندگی گزار رہا ہوں....."

گھر میں کچن سے میرا تعلق اس لیے نہیں ہے کہ فہمیدہ کے ہوتے ہوئے ہمارے گھر میں کک ہمیشہ رہا اور ملازمین بھی ہمیشہ رہے جو کہ اب بھی ہیں۔ وہ گھر کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور کچن میں میری بہو کو یہ بتانے کے لیے جانا پڑتا ہے کہ آج کیا پکے گا۔ پکانے کی ذمہ داری کسی پر نہیں ہے۔ میرے گھر میں مالی بھی ہے اور میرا ذاتی ہیلپر بھی ہے جسے مجھے اور میری بہو کو یہ بتانا پڑتا ہے کہ فلاں کام کر دو۔ اللہ کا شکر ہے کہ بہت پرسکون لائف گزر رہی ہے۔"

مجھے ملک سے باہر رہنے کی بھی بہت بار آفرز آئی ہیں۔ جیسے میری بہن رہتی ہیں امریکا میں جو کہ مجھ سے بڑی ہیں۔ اس طرح میرے بھائی کینیڈا میں رہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے کہا میرے بھانجے امریکہ میں ہیں انہوں نے کئی بار بلایا ہے۔ کیونکہ مجھے اپنے ملک سے پیار ہے۔ خواہ اس میں کتنے ہی مسائل ہوں اور میں یہ کبھی نہیں کہوں گا کہ مجھے اس ملک نے کچھ نہیں دیا۔ میں آج اگر کاظم پاشا ہوں تو اپنی اس زمین کی وجہ سے جسے ہم پاکستان کہتے ہیں۔

مجھے ملک سے باہر رہنے کی بھی بہت بار آفرز آئی ہیں۔ لیکن میں نے ہمیشہ یہی کہا کہ میں اپنے ہی ملک میں رہنا چاہتا ہوں..... کیونکہ مجھے اپنے ملک سے پیار ہے۔

کروڑوں لوگ میرے نام سے واقف ہیں۔ میں نے ایک پلے کیا تھا "غازی شہید" اس پر حکومت

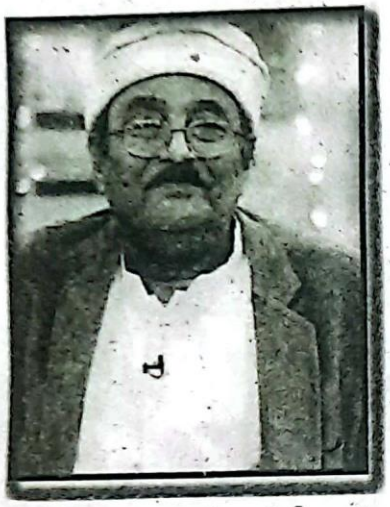

پاکستان نے مجھے جیسا کہ میں نے پہلے بتایا "تمغہ امتیاز" سے نوازا.....

ملک میں مہنگائی بہت زیادہ ہے اور اس مہنگائی کو دیکھتے ہوئے میں ان لوگوں کے لیے بہت فکرمند رہتا ہوں جن کے پاس وسائل نہیں ہیں..... میری بیگم نے بہت سے لوگوں کو سپورٹ کیا ہوا تھا تو میں بھی کوشش کرتا ہوں کہ ان کو اور مزید لوگوں کو سپورٹ کرتا رہوں۔"

"بہت شکریہ کاظم پاشا صاحب کہ ہمیں آپ نے وقت دیا اور ان شاء اللہ آپ سے پھر بھی بات ہوتی رہے گی۔"

☆☆

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
ماہنامہ شعاع۔ 37۔ اردو بازار کراچی۔
Email:shuaa@khawateendigest.com

عذرا آصف نے لاہور سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

ان تمام افراد کو السلام علیکم جو اس ادارے سے منسلک ہیں، سب سے پہلے پہلی شعاع پڑھا فلسطین لہولہو ہے اور ہم سب مسلمانوں کے دل دو دیگر چھلنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں پر رحم فرمائے۔ آمین۔

حمد و نعت، ہمیشہ کی طرح شان دار، پیارے نبی کی پیاری باتیں۔ بہترین سلسلہ، مسلمانوں کی بہترین رہنمائی۔ تجھ سے ناتا..... سو سوتھا۔ دستک میں اختر حسین صاحب نے اپنی فیملی کے لیے قربانی دی بہت اچھا کیا۔ لیکن سب کے ساتھ ساتھ اپنا بھی خیال رکھنا چاہیے۔

اس ماہ زینب نور کی کمی بہت محسوس ہوئی۔

ان کا باسی تبصرہ بھی پڑھنے کو نہ ملا۔ باقی سب بہتر۔ والعصر کی رفتار بڑھائیں تھوڑی۔ قسط اچھی تھی۔ نیم کے پھول کی ماہین جیسی عورتیں ہمارے معاشرے میں بے شمار ہیں۔ سائرہ رضا کی حاضری، دل گارڈن گارڈن ہو گیا۔ اس ماہ کی بہترین تحریر گھر کی آگ، ام عروہ نے اتنا حساس موضوع بیان کیا۔ دل بھر آیا۔ ماہ الملوک، دوسری قسط بھی بہترین تھی۔ یہ رقص طاؤس اور بارود کی طرح دو اقساط پر مشتمل نہیں ہے۔ یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔ شیخو بابا، زہرا بتول کے بھائی ہیں۔ کہانی لمبی اور مزے کی چلے گی۔

احساس اور فرض مجھے ایسے داماد زہر لگتے ہیں۔ رابطہ بھی اگر بھابھی اور ماں خوش ہیں تو نندوں کو اپنا دل بڑا کرنا چاہیے۔ رزق و بال، حلال رزق کو ہمارے مذہب میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ فرح جی کا..... شام شہر ہجر، اور دلچسپ ہونے لگا ہے۔ اور جہاں قسط کا اختتام ہوا ہے۔

سونیا جی..... جو کوئی بھی رشتہ ہو یا اٹریکشن..... لڑکیوں کو اسے شادی سے پہلے اپنے ذہن و دل سے کھرچ دینا چاہیے۔ سب کی زندگی آسان بنانے کے لیے..... ویری گڈ۔ جیسے کو تیسا..... فریحہ اشتیاق..... گڈ جی گڈ..... اسے کہتے ہیں۔ سیر کو سوا سیر،

"فلسطینی بچے کی لوری پڑھا" دل خون کے آنسو رو پڑا۔ مسکراہٹیں اور باتوں سے خوشبو آئے۔ بہترین تھے۔ "تاریخ کے جھروکوں سے" ارض فلسطین کے بارے میں پڑھا، ہر مسلمان کو کہیں نہ کہیں اپنا حصہ ڈالنا چاہیے مظلوم فلسطینیوں کے لیے۔

آٹھ تاریخ کو چار بجے رسالہ ملا ہے۔ اور ابھی صرف ایک ہی ملا ہے۔ اور دس تاریخ کو 12 بجے میں تبصرہ لکھ رہی ہوں۔

پیاری عذرا! آپ نے دو دن میں پورا پرچا پڑھا اور ہر کہانی پر تفصیلی تبصرہ کیا۔ بڑی بات ہے۔ دو دن میں تو پورا پرچا نہیں پڑھا جاتا آپ نے تو اس کے بارے میں خط بھی لکھ لیا۔ بہت شکریہ۔

آپ کے افسانے ابھی پڑھے نہیں ہیں۔

نرگس مسکان گولارچی (بدین) سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے

شعاع کا ٹائٹل اچھا تھا، شعاع ہاتھ میں آتے ہی سب سے پہلے ورق گردانی کی اور سیدھا پہنچے اپنے موسٹ فیورٹ ناول "شہر شام ہجر" اتنی سرپرائزنگ قسط تھی۔ مجھے لگتا نہیں تھا کہ رضوانہ اتنی جلدی مان جائے گی منصب کو بیٹے کے روپ میں۔ پھر ماہ الملوک پر پہنچے پوری اسٹوری زبردست

لیکن۔ پہلا پیراگراف ابھی سمجھ میں نہیں آیا کہ کس کی بات ہو رہی ہے۔ کہانی آگے کھلے گی، تو پتا چلے گا۔

پھر بہت پیاری سی رائٹر سائرہ رضا (کافی عرصے بعد) بہت زبردست ٹاپک کے ساتھ آئیں اور چھا گئیں۔ "جہاں آرا کا جہاں" بھئی بہت خوب لکھا اس کے بعد 'رزق وبال' نعیمہ ناز نے بالکل صحیح ناول کے ساتھ انصاف کیا۔ ویل ڈن نعیمہ آپی! پھر انٹرویو پڑھے۔ دستک میں 'اختر حسین' سے ملاقات اچھی رہی۔ ڈراما نگار "سیما شیخ" سے ملاقات بھی اچھی رہی۔ پھر افسانوں پر آتے ہیں۔ (بدکھارت آئی) ماریہ غزال نے اچھا لکھا۔ "نیم کے پھول" قرۃ العین خرم ہاشمی نے بہت اچھا لکھا۔ ساس کا کردار بہت اچھا لگا۔ "گھر کی آگ" ام عروہ اچھا لکھا۔ بہت دفعہ ایسا ہی ہوتا ہے وکیل اپنے کلائنٹ کا کیس مضبوط کرنے کے لیے بے بنیاد باتیں بھی ڈال دیتے ہیں۔

"(احسان اور فرض) ریحانہ وقاص نے ٹھیک لکھا۔ بیوی کی باری فرض۔ اپنی باری احسان، واہ کیا بات ہے نا!۔ "رابطہ" لبنیٰ آصف نے بہت اچھا پیغام دیا۔ "جیسے کو تیسا" فریحہ اشتیاق نے بہت اچھا لکھا۔ آخر میں ہنسی بھی آئی۔ ایڈٹ میں "من کی قید" سونیا ربانی بہت کم عرصے میں اپنی پہچان بنائی بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ پورے سات افسانے مرہ آگیا جی (ہاہاہا) اور ایڈٹ میں خط آپ کے، جیسے ہی شعاع ہاتھ میں آیا ورق گردانی کرتے ہوئے جب خط پر پہنچی تو جیسے ہی نظر اپنے خط پر پڑی تو جی پھر میں اور میری بچیاں اتنی ماریں کہ سب حیران و پریشان کہ کیا ہوا۔ اور ساتھ میں نے مما کو بتایا مما۔ میرا خط لگ گیا، مما کو پڑھنے کے لیے دیا (یقین نہیں آرہا تھا) اور میری بہنیں (ہم ماشاءاللہ سے پانچ بہنیں اور دو بھائی ہیں) مجھے ایسے دیکھ رہی تھیں جیسے میں پاگل ہوں۔ جب تک خود انہوں نے نہیں دیکھا۔ کسی نے یقین نہیں کیا۔ میری تیسری نمبر والی بہن منتہا کہہ رہی تھی (جب میں پہلا خط لکھ رہی تھی، لگ ہی نہ جائے خط کہیں مما ایسے ہی بھیج رہی ہے۔ آپی میں سب سے بڑی ہوں نا)

بس ابھی کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

آخر میں میری بہن (مقدس) کی فرمائش ہے کہ پلیز حنہ حسین سے کچھ لکھوائیں اور بھئی میرے بھائی (مزمل اکرم کا بہت شکریہ) جو یہ خط پوسٹ کروائے گا۔

پیاری مسکان! آپ کا خط پڑھا۔ آپ کی بہنوں کا جوش اور ایکسائٹمنٹ بہت اچھی لگی آپ کی طرح ہمیں بھی یہی محسوس ہوا کہ ہم آپ کی بہنوں کے درمیان ہیں۔ اپنی بہنوں سے خاص طور پر منتہا سے کہیں کہ وہ ہمیں خط لکھے، ہم اس کا خط ضرور شائع کریں گے۔

حنہ حسین کی تحریروں کا تو ہمیں ابھی انتظار ہے لیکن نہ جانے کیوں وہ خاموش ہیں۔ انہوں نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ جلد لکھیں گی۔

آپ کی شکر گزاری آپ کے بھائی تک ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔

نسیم کوثر کراچی سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے

پیارا اخبار و شعاع ہمیں 30 تاریخ کو ملا۔ ماشاءاللہ بہت نکھرتا جا رہا ہے۔ چلیں تو اب ہم آتے ہیں سب سے پہلے پہلی شعاع پر۔ یقین کریں آپ کی دل سوز تحریر پڑھ کر دل بھر آیا آپ نے جو لکھا بالکل درست لکھا۔ ناول کی بات کریں تو جناب نگہت سیما کا ناول ماہ الملوک اچھا لگ رہا ہے مگر اس میں دو کہانیاں چل رہی ہیں تو بس ذرا تھوڑی سی گڑبڑ ہو جاتی۔ ہے اسٹوری ذہن سے نکل جاتی ہے تو مزہ کرکرا ہو جاتا ہے۔ اور نعیمہ ناز نے رزق وبال بہت خوب لکھا ہے بلکہ اتنی شان دار تحریر پر یہ مبارک باد کی مستحق ہیں اور شام شہر ہجر تو بہت بہت پسند آرہا ہے۔ فرح بخاری خوش رہے اور پیاری سونیا ربانی کا محور کن افسانہ "من کی قید میں تھی" وہ دل کو بھا گیا سونیا ہمیشہ ہی اچھا لکھتی ہیں۔ اور بھئی جیسے کو تیسا فریحہ اشتیاق نے جم کر کہانی لکھی بالکل ایسا ہی ہونا چاہیے بھئی مروت کا تو زمانہ ہی نہیں ہے۔ ریحانہ وقاص نے احساس اور فرض بالکل ٹھیک ٹھاک تجزیہ کیا ہے قرۃ العین کے نیم کے پھول بھی اچھے رہے۔ اسی طرح ماریہ غزال کی بدکھارت آئی کو بھی 60 فیصد نمبر دے کر پاس کر دیا ہے جب تجھ سے ناتا جوڑا اچھا سلسلہ ہے اس بار بھی سب کی ملتی جلتی سی ہی سرگزشت رہی۔ خاص بات کھتا کی پہ کیوں یہ میرے دل کا معاملہ بالکل یکسانیت سا ہو رہا ہے۔ وہی مخصوص گنے چنے قارئین کے ناموں سے اشعار پلیز ذرا توجہ فرمالیے۔ پیارے نبی کی پیاری باتیں میں نکاح پر تحریر بے حد عمدہ گئی۔

پیاری نسیم! سب سے پہلے تو آپ کی باقاعدگی

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

سے شرکت کے لیے ممنون ہیں اور آپ کا تفصیلی تبصرہ تو ہمیشہ ہی اچھا ہوتا ہے۔ اشعار میں آپ کو مخصوص ناموں پر اعتراض ہے۔ پیاری بہن یہ قارئین کا سلسلہ ہے ہماری پیاری قارئین، اس سلسلے میں شرکت کریں اور ہمیں اچھے اشعار انتخاب کر کے بھجوائیں تو یقیناً آپ کو اس سلسلے میں نئے نام نظر آئیں گے (قارئین متوجہ ہوں)

ریحانہ قاص لاہور سے لکھتی ہیں

ہمارے خطوط آپ کی بزم سے ہر مہینے ایسے غائب ہو رہے ہیں۔ جیسے ہماری سیاست سے اخلاقیات۔

اکتوبر کا وسط ہے اور سردی کا اتا پتا نہیں۔ گرمی دروازے پر ڈیرا جمائے کھڑی ہے۔ بجلی کے بلوں سے بلبلائے کھڑے ہیں کہ کب سردی آئے اور بلوں کا پارہ تھوڑا کم ہو۔

شعاع بھی اسمارٹ ہوتا جا رہا ہے۔ انسان تو اسمارٹ اچھے لگتے ہیں لیکن شعاع موٹا ہی دل کو لبھاتا ہے۔ چھ افسانوں میں ہمارا ابھی افسانہ جگمگا رہا تھا۔ ٹھنڈی پڑ گئی۔

اسی مہینے امی کا لاہور آنے کا پروگرام بن گیا۔ ہم نے بھی کافی اصرار کیا گو کہ بچوں کے پیپر بھی تھے ملتان سے ہمارے ہاں لاہور آنا اتنا سستا بھی نہیں ہوتا۔

چار فیملیاں ہیں جوائنٹ۔ سب کے لیے علیحدہ علیحدہ حلوہ سوہن کے ڈبے لانے پڑتے ہیں اور ادھر میرے میاں صاحب کا ایجنڈا ہوتا ہے۔ دولوں گا آخر جوائی ہوں گھر کا۔ امی جو بڑی خوشیوں سے آئیں میرے اور بچوں کے کپڑے بنوا کر لائیں ابھی بمشکل چند دن ہی گزرے تھے کہ خالہ کی وفات کی خبر آ گئی رات کے ایک بجے کے قریب۔

امی بے چاری روتی بلکتی فٹافٹ بیگ تیار کر کے روانہ ہو گئیں۔ خانیوال کے قریب ہے جہانیاں وہاں جانا تھا۔ نہ تو ایسی رات گزرتی ہے اور نہ سفر اور پھر بھاگم بھاگ ہم وہاں جا پہنچے۔

میری خالہ کو پچھلے سال گلی میں بیٹھے عطائی نے غلط ٹیکہ لگا دیا تھا۔ جس نے پورا بازو ناکارہ کر دیا اور بالآخر کاٹنا پڑا۔

ہمارے ہاں کوئی پوچھنے والا نہیں ورنہ باہر کے ملکوں میں سخت قانون ہوتے ہیں جو سب کے لیے فائدہ مند ہوتے ہیں۔

ابھی پچھلے دو، تین ہفتوں پہلے ہماری ایک جاننے والی کے ڈاکٹر نے غلط دوائی آنکھوں میں ڈالی جس کی وجہ سے آنکھوں میں پیپ پڑ گئی اور دونوں آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ اسی دن ستر مریضوں کی آنکھوں میں وہی دوائی ڈالی گئی 68 مریض ایک آنکھ سے معذور ہوئے اور دو مریضوں کی دونوں دو آنکھوں میں ڈالنے سے اندھے ہو گئے اور ڈاکٹر صاحب ملک سے فرار اور یوں کہانی ختم۔

اس ماہ ماڈل اپنے خوب صورت میک اپ کے ساتھ خوب صورت دکھائی دے رہی تھی۔ "جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" اس کو پڑھ کر اپنے اپنے وقت یاد آ جاتے ہیں۔ ایک ایک پل چاہے وہ اچھا یا برا پہلا دن ہو یا ڈلیوری کا وقت سب کے اچھے برے رویے اپنی چھاپ چھوڑ جاتے ہیں۔

پیاری ریحانہ! بہت خوف ناک حقیقت ہے کہ ڈاکٹرز کی لاپروائی، ان کی نااہلی اور نالائقی کی وجہ بہت سے لوگوں کی زندگیاں تباہ ہو جاتی ہیں اور بہت سے لوگ تو اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ خوف ناک بات یہ ہے کہ ان لوگوں سے پوچھنے والا کوئی نہیں ہے اگر کسی کو سزا دی جاتی تو دوسرے ڈاکٹرز بھی احتیاط کرتے اور مریضوں پر تجربات نہ کرتے۔ آپ کی خالہ کا بہت افسوس ہوا، انہوں نے ایک ڈاکٹر کی لاپروائی اور نالائقی کی وجہ سے اتنی اذیت برداشت کی، اپنے بازو سے محروم ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین شعاع پر تفصیلی تبصرہ بہت خوب ہے طوالت کی وجہ سے شامل نہیں کر سکے۔ بہت شکریہ۔

انیسہ عائش نے کوٹ رادھا کشن قصور سے لکھا ہے

ڈائجسٹ خریدتے ہی سب سے پہلے خط آپ کے کھولا۔ آپ کا جواب یک بار دو بار نہیں سہ بار پڑھا۔ آپ نے پوچھا ہم اسکول پڑھاتے ہیں یا پڑھتے ہیں تو عرض ہے کہ ہم اسکول پڑھاتے تھے۔ (اب ریزائن کر دیا) اب صرف پڑھتے ہیں۔ بات کروں شعاع کی تو سب سے پہلے شام شہر ہجر پڑھا۔ اختتام کا اندازہ تو ہو گیا۔ بس یہ پڑھنے کے لیے منتظر ہیں کہ ارحم اور شہباز کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ "والعصر" میں ہماری دلچسپی کم ہے مگر ہر قسط پڑھتے ضرور ہیں۔

"نگہت سیما" کا ماہ الملوک پڑھا، زبردست۔ اس شمارے کا بہترین ناول تھا (میرا خیال) 'اس ماہ کی مسکراہٹیں' مزہ نہیں دے پائیں۔ اکثر تحریریں عبرت انگیز سبق آموز طرز کی تھیں۔ مزاح کی کمی محسوس ہوئی خط آپ کی محفل اس بار بہت پر رونق تھی۔

پیاری انیسہ! تفصیلی تبصرے کے لیے شکریہ تاخیر سے موصول ہونے کے باوجود اکتوبر کے شمارے کا تبصرہ دسمبر میں شامل کر رہے ہیں۔ بہت اچھا اور تفصیلی تبصرہ کیا ہے آپ نے۔ بہت شکریہ۔

آپ کے افسانے ابھی پڑھے نہیں۔ ایک افسانہ پڑھا ہے اولاد یا غلام وہ قابل اشاعت ہے۔ آئندہ ماہ شائع ہو جائے گا۔

رضوانہ وقاص کرلاں ہری پور سے شرکت کر رہی ہیں، لکھا ہے

شعاع ملا 3 تاریخ کو شوہر کام کے سلسلے میں گئے تو شعاع لے آئے ماڈل اچھی لگی۔ ہاتھوں میں گلاب کے پھول لیے۔ پہلی شعاع پڑھی۔ فلسطین میں جو مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے دل خون کے آنسو روتا ہے۔ اللہ پاک مسلمانوں کی حفاظت فرمائیں (آمین) پیارے نبی کی پیاری باتیں بہت ہی اچھی۔ ساری کی ساری پیاری "جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے"، ف، ط، اچھا لگا۔ واؤ آپ نے اپنے شوہر کو اتنا بدل ڈالا کہ بارہ سال میں دو کپ ہی توڑے۔ "دستک میں" "اختر حسنین کا فتنہ ڈرامہ ایک دو قسطیں ہی دیکھی ہیں۔ ڈرامہ کی اگر ڈراموں میں، زیادہ اولاد نافرمان دکھائی جا رہی ہے تو پھر دیکھنے والوں پر بھی اچھا اثر نہیں پڑتا۔ "خط آپ کے" عدینہ لغاری کیا بات ہے آپ جھولے پر بیٹھ کر لکھتی ہیں تو مل کر خراب نہیں ہوتا۔ مسرت تنویر کیا ہوا ہے آپ کے بھائی کو اللہ پاک صحت دیں (آمین) ایس ایچ آپ کا کوئی نام نہیں ہے۔ تسنیم کوثر، شکریہ دعا کے لیے، زرینہ آپ اور عدینہ کیا لگتی ہیں۔ رخ فاطمہ اور مسز طالب اللہ پاک آپ کو صحت دیں (آمین) بچے نہیں آپ کے۔ میں بھی بیمار ہوں لیکن شکر ہے میرے شوہر میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اللہ کرے ایسے ہی رہیں (آمین) ماہ الملوک میں زل اور آزین اچھے لگے۔ مرتضیٰ پسند نہیں کیوں۔ آزین کو زل کے خلاف کر رہا ہے۔ کزنوں میں تو اتنی اچھی دوستی ہوتی ہے۔ یہ کزن تو آپس میں صحیح طرح سے بولتے بھی نہیں۔ ، رابطہ سب سے بہترین، سب گھروں میں ایسا ہو جائے کیا بات ہو۔ ویل ڈن لبنیٰ آصف "شام شہر ہجر" میں رضوانہ کو پتا چل گیا منصب اس کا بیٹا ہے جب شہباز اور ارحم کو پتا چلے گا تو وہ کئی چال چلیں گے۔ بشارت آیا ہوا ہے۔ چھٹیاں گزارنے گھر کراچی سے لیکن جب بھی آتا ہے پریشان ہو جاتا ہے۔ میرے بڑے بیٹے احمد کی طبیعت ٹھیک نہیں، دعا کرنی ہے۔

پیاری رضوانہ! اللہ تعالیٰ آپ کے بیٹے کو صحت کاملہ سے نوازے، اتنی جلد رسالہ پڑھنا اور خط لکھ کر تبصرہ کرنا بڑی بات ہے۔ ہم اس محبت کے لیے تہ دل سے ممنون ہیں۔ زرینہ لغاری اور عدینہ میں کوئی رشتہ نہیں ہے۔

ایچ ایس ایچ نے تحصیل سموں یال سے لکھا ہے

ہاتھ میں گلاب کے پھول لیے اور پیاری مسکراہٹ دیتے ہوئے ماڈل اچھی لگ رہی تھی، حمد اور نعت بہت پیاری تھی، پیارے نبی کی پیاری باتیں دل کو منور کر گئیں۔

صدف ناصر جی نے کہا کہ ہمیں کسی نام سے لکھنا چاہیے تو اس کی دو وجوہات ہیں ایک یہ کہ ان رسالوں میں سے اتنے نام پڑھے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کون سا رکھوں کہ بہت سارے فیورٹ کی لسٹ میں ہیں اور دوسری یہ کہ کوئی اور نام ہمیں برا او پرا اوپرا فیل ہوتا ہے سو۔

پہلے بات ہو جائے افسانوں کی تو "رابطہ" لبنیٰ آصف کمال کر دیا آپ نے اتنا پرفیکٹ ویری ویلڈن، من کی "قید" سونیا ربانی کیا شاندار لکھا ہے مقدس کا کردار بہت پسند آیا، بازل اور جاسم بھی پسند آئے ویسے جاسم کی یہ سوچ کہ شادی کے بعد ہنی مون نہیں عمرہ پہ جائیں گے اچھی تھی۔ اللہ کرے ہر لڑکی کو اس طرح کی سوچ کا مالک شوہر ملے اور مجھے بھی، بولو آمین (ہی ہی ہی) مذاق کے علاوہ اچھا کریکٹر تھا بازل کا بھی اور جاسم کا بھی۔ اس ماہ یہ دونوں افسانے ٹاپ پر رہے پورے رسالے کی زینت بنے، باقی افسانے بھی اچھے تھے، سائرہ رضا آئیں اور چھا گئیں سو پرڈ پر مزاح سے بھرپور اور اصلاح کرتی ہوئی تحریر کمال، مزق و بال نعیمہ ناز نے بھی کمال کر دیا ویسے اس کو پڑھتے ہوئے ہمارے کتنے اندازے غلط ہوئے جو سوچا تھا اس کے برعکس ہوا گڈ، نگہت جی کمپلیٹ ہونے پر رائے کا اظہار کریں گے، ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے، فرح جی کا ناول بھی شاندار تھا امید واثق ہے کہ اب جلد وسیلہ ٹھیک ہو جائے گی پھر دیکھیں۔ والعصر معذرت کے ساتھ اپنا کوئی تاثر نہیں قائم کر پا رہا دلچسپی اب ختم ہونے کو ہے۔ آخر

UUNovels.com

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

میں قرۃ العین سکندر کو (دسمبر کی پیدائشی) سالگرہ بہت بہت مبارک ہو نیک تمنائیں اور دعائیں آپ کو پیش کرتے ہیں۔

ایچ ایس ایچ! اگر آپ کو اپنا یہ نام پسند ہے اور آپ کوئی نام نہیں رکھنا چاہتیں تو کوئی بات نہیں جیسے آپ کی خوشی۔ تفصیلی تبصرے کے لیے شکریہ۔

صدف ناصر نے گوجرانوالہ سے لکھا ہے

سادہ سے ٹائٹل کے ساتھ اچھا مگر ادھورا سا لگا۔ اس لیے اپنی قاری دوستوں "طوبیٰ، مقدس، صدف" کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ وہ آپ کو بتاتیں ٹائٹل میں کتنی کمیاں آگئی ہیں۔ "پہلی شعاع" نے صحیح معنوں میں خون کے آنسو رلایا۔ اللہ پاک فلسطین کے حال پر کرم فرمائے اور اسرائیل کو نیست و نابود فرمائے (آمین)۔

"حمہ" اور "نعت" نے دل شاد کیا۔ "پیارے نبی کی باتیں" نکاح سے متعلق سیر حاصل معلومات ملیں۔

"ف۔ظ" بہن نے سسرال کو اپنا سمجھا، آج ماشاء اللہ عزت کما کر بیٹھی ہیں۔ "اختر حسنین" اور "سیما شیخ" سے کچھ عرصہ پہلے بھی ملاقات ہوئی ہے، لہٰذا موڈ آف ہوا۔ (ہاہاہا)

"خط آپ کے" کافی نئے نام اپنے اچھے تبصروں کے ساتھ شامل ہیں۔ اسوشلی "عارفہ فضل شاہ" کا تفصیلی تبصرہ بے حد اچھا رہا۔ اپنا تبصرہ اور آپ کی محبت پر آنکھیں بھر آئیں۔ اور بے اختیار ہنستی رہی۔ میاں صاحب کی طرف سے جوابی دعائیں۔ سدا سلامت رہیں (آمین)

خلاف معمول "افسانوں" سے تحریروں کا آغاز ہوا۔ "برکھا رت آئی" کافی طویل ہو گیا۔ پلاٹ بھی خاصا پرانا۔ بہرحال "عاشی" اپنے انجام کو پہنچی۔ جو بویا وہی کاٹا۔ کیا ضرورت تھی شوہر صاحب کو محترمہ کو ایئر لائن میں جاب کروانے کی۔

"نیم کے پھول" نے رشتوں کی خوب مورتی اور اہمیت کو اجاگر کیا۔

"گھر کی آگ" ام عروہ نے بہت الگ اور نیا سا لکھا۔ بے حد اچھا لگا۔ "احسان اور فرض" ہماری قاریہ بہن "ریحانہ وقاص" کی چھوٹی سی سچی تحریر مگر اختتام غیر تسلی بخش رہا۔ (عجلت میں سمیٹا) سلمان جیسے لوگوں سے بہت ٹینشن ہوتی ہے۔ بے جا اسراف پسند اور بدلے کے متمنی۔

"رابطہ" بے حد اچھا اور انتہائی مختصر افسانہ۔ (مختصر ہی اچھا ہوتا ہے) یہ والا رابطہ تو دنیا بھول ہی بیٹھی ہے۔ (ماچس، دھنیا، مرچیں لینا دینا) حالانکہ ان ہی میں محبت اور اپنائیت پوشیدہ ہے اور بلا مبالغہ الحمدللہ ہمارا دروازہ تقریباً پورا دن کھلا رہتا ہے۔ ایک ہمسائی آ رہی ہے، ایک جا رہی ہے۔ کبھی ہم خود آتے جاتے ہیں۔ مقصد صرف روایات کو زندہ رکھنا۔ ایک دوسرے کو ٹائم، محبت، حصہ اور خلوص دیے بغیر رشتے نہیں نبھائے جاتے۔

"جیسے کو تیسا" فریحہ اشتیاق نے مطلبی لوگوں کو اچھا آئینہ دکھایا۔

"شاہانہ" بی بی اونچی ہواؤں میں تھیں۔ وہ تو بھلا ہو "ذکیہ خالہ" کا جن کی بدولت بی بی منہ کے بل آ گریں۔ ایسی ہی ایک محترمہ ہمارے "ملیکھوں" (نصیبوں) میں بھی تھیں۔ ڈیڑھ سال اپنی بیٹی کو فری کھاتے "میٹرک" ہونے تک ہمارے گھر بھیجا اور ڈیڑھ سال میں صرف ایک سوٹ سلوانا پڑ گیا۔ ان سے تو سوٹ پکڑنے سے پہلے تقریباً آٹھ دس دفعہ سلائی بتا دی جبکہ ان کی سلائی رکھنے کا قطعاً کوئی خیال تک نہ تھا۔ بہرحال ظرف اپنا اپنا۔

"من کی قیدی" دل کو چھو لینے والی افسردہ سی تحریر (تھوڑی لمبی) عنوان منفرد سا اور "پاکیزہ" نہ چاہتے ہوئے بھی غلطی پر، مگر "مقدس" نے اس کی برین واشنگ کا فریضہ خوب نبھایا۔ اور کامیابی سے من کی قید سے رہائی دلائی اوور آل "گھر کی آگ" اور "رابطہ" ٹاپ پر رہے۔

"جہاں آرا کا جہاں" سائرہ رضا! ویلکم بیک سائرہ۔ دلی خوشی ہوئی آپ کو دیکھ کر، ناولٹ موجودہ دور کی صحیح عکاسی کر رہا ہے۔

مکمل ناول "شہر شام ہجر" فہرست اور تحریر پر الگ نام پہلی قسط سے ہی۔ پلیز انہیں ٹھیک کر دیجیے۔

"رزق وبال" نے بڑا ہی افسردہ کیا (معذرت) بہت ہی پرانا ٹاپک۔ نعیمہ ناز نے اس ماہ ہمیں افراتفری میں فارغ کیا۔ (ہاہاہاہا)

"ماہ الملوک" آغاز سے ہی مضبوط گرفت ہے۔ شکر ہے کہ سیدھی سادی تحریر ہے۔ ورنہ حالات حاضرہ میں مشکل اور الجھی تحریر سے تو سلجھائی نہ جاتی۔ "نقصیں

غزلیں" فلسطینی بچے کی لوری نے رلا دیا۔ دعا کے علاوہ کچھ بھی ہمارے اختیار میں نہیں۔

پیاری صدف! اس بار بھی آپ کا خط بہت تاخیر سے موصول ہوا لیکن آپ جس محبت اور باقاعدگی سے خط لکھتی ہیں اور جتنا اچھا تبصرہ کرتی ہیں اس کا تقاضا تھا کہ آپ کا خط ضرور شامل کریں۔

آپ نے بہت اچھا تبصرہ کیا ہے تعریف بھی خوب اور تنقید بھی بھرپور۔ ہم آپ کی تعریف اور تنقید مصنفین تک پہنچا رہے ہیں آپ نے بہت اچھی بات لکھی ہے۔ چھوٹی موٹی چیزوں کا لین دین رابطے قائم رکھتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ یہ لین دین ایک حد میں ہونا چاہیے بوجھ نہیں بننا چاہیے۔

آپ نے ان خاتون کی بیٹی کو پڑھایا۔ یہ آپ کی نیکی تھی اس کے صلے کی توقع اللہ سے رکھیں جو انہوں نے کیا اسے بھول جائیں۔

عمارہ حسین لکھتی ہیں

سرورق خوب صورت تھا۔ پیارے نبی کی پیاری باتوں کے بعد "جب تجھ سے ناتا جوڑا" پر نظریں دوڑائیں۔ اس کے بعد خلوط کی باری آئی۔ والعصر کی شروعات کی چند اقساط پڑھی ہیں۔ ناول دلچسپ لگتا ہے لیکن پورا آنے پر ہی پڑھوں گی۔ ماریہ غزال کا افسانہ اچھا لکھا گیا ہے۔ عشنہ جس طرح سامان سمیٹ کر پھپھو کے گھر آئی، مجھے پسند نہیں آیا۔ شادی کا تھوڑا بہت سین دکھانا چاہیے تھا۔ "نیم کے پھول" بلاشبہ ایک عمدہ تحریر تھی۔ زیادہ تر عورتیں ماہین کی ہی ہم خیال ہوتی ہیں۔ بہرحال ساس اور شوہر کا اچھا رخ دکھا کر لکھاری نے ایک اچھے طرز میں کہانی کو مکمل کیا۔ سائرہ رضا کا ناولٹ ماشاء اللہ اچھا لکھا ہے۔ پر مجھے کچھ خاص پسند نہیں آیا۔ باقی افسانے عمدہ طرز تحریر لیے ہوئے تھے۔ شعاع کے ساتھ میرے الگ ہی احساسات جڑے ہیں۔ جیسے کسی خاص خوشبو کے ساتھ جڑتے ہیں۔ میری امی چونکہ پڑھ نہیں سکتیں تو ان کو میں ڈائجسٹ کے کچھ افسانے سناتی ہوں۔ مزید ایک سوال یہ ہے کہ پرمٹ فارم میں تحریر بھیجی جا سکتی ہیں کہ نہیں۔

پیاری عمارہ! کہانی آپ پرمٹ فارم میں بھیج سکتی ہیں۔ اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ایک بات نوٹ کر لیں آپ انسٹاگرام، یوٹیوب کہیں بھی ہمارے پرچوں کا کانٹینٹ ادارے کی اجازت کے بغیر استعمال نہیں کر سکتی ہیں۔ ادارہ کی طرف سے پابندی ہے۔

راولپنڈی سے ارم نعیم شریک محفل ہیں

میں ہر مہینے کوشش کرتی ہوں کہ خط لکھوں پر لکھ نہیں پاتی۔ لاسٹ ٹائم بھی نہیں لکھ پائی تھی کیونکہ میرے 18 اکتوبر سے ایگزامز شروع ہوئے تھے اور ابھی یہ 2 نومبر کو ختم ہوئے سارے افسانے زبردست تھے، اب میں ایک ایک کی تعریف کروں گی تو خط بہت لمبا ہو جائے گا۔

"ماہ الملوک" پڑھا۔ اف کمال کا لکھ رہی ہیں۔

"نعمت سیما جی" بہت حرے کا ناول ہے یار۔ افسانے سے یاد آیا میں اس مہینے اپنا والا افسانہ دوبارہ لکھ کر بھیج رہی ہوں۔ آئی ہوپ اس بار آپ کو پسند آئے گا۔ آخر میں ایک سوال جب ہم کوئی ناول وغیرہ لکھتے ہیں۔ تو نیا سین شروع کرنے سے پہلے کیا ہم سین سے Related کوئی شاعری یا گیت لکھ سکتے ہیں؟

پیاری ارم آپ کا خط اور افسانہ لکھنے کا انداز بالکل صحیح ہے۔ اسی انداز میں لکھتی رہیں۔ ناول یا باب کے شروع میں آپ شاعری یا گیت لکھ سکتی ہیں۔

رخ فاطمہ نے کراچی سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

ماہ نومبر کی ٹائٹل گرل ہاتھوں میں سرخ گلاب لیے پیاری سی مسکراہٹ کے ساتھ پیاری لگی۔ اپنا نام دیکھ کر خوشی ہوئی۔ آپ نے ٹھیک کہا سسرال والے نہیں مانتے ڈپریشن کو بیماری۔ ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے شہر شام ہجر پڑھا۔ اب لگ رہا ہے اختتامی مراحل میں ہے۔ ماہ الملوک بھی اچھا جا رہا ہے۔ دھڑکتے دل کے ساتھ کہانی کھولی کہ کہیں دوسری اور آخری قسط نہ لکھا ہوا ہو صد شکر کہ ایسا نہیں تھا اور رزق وبال بھی زبردست رہی تھی۔ اور میرا ماننا ہے آپ کے اندر ایک نوالہ بھی حرام چلا جائے تو آپ کی تباہی شروع ہو جاتی ہے۔ شکر ہے میرے مالک کا کہ میرے ابو نے ہمیشہ کم کھلایا لیکن حلال لقمہ دیا ہے۔ لیکن اب بیمار رہنے لگے ہیں ابو۔ پھر سائرہ رضا کا جہاں آرا کا جہاں بھی زبردست رہی۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے خاص کر جیسے کو تیسا، شاہانہ نے بالکل ٹھیک کیا رحمہ کے

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

ساتھ کپڑوں کی سلائی بتا کر۔ نیم کے پھول بھی اچھی تھی اور مجھے اس دفعہ نمبروں سن کی قید لگی تھی۔ واقعی انسان کو اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنا چاہیے۔ یسما شیخ سے ملاقات بھی اچھی رہی تھی۔ اور آتے ہیں اس دفعہ تاریخ کے جھروکوں کی طرف اس دفعہ آپ نے ارض فلسطین کا ذکر کیا فلسطینی بچے پر نظم پڑھ کر دل خون کے آنسو رو دیا تھا اگر میرے بس میں ہوتا سارے بچوں کو ننھی سی جانوں کو اپنی آغوش میں بھر لیتی لیکن ہم مجبور عوام ہیں، ہم اپنے کشمیر کے لیے کچھ نہیں کر سکتے ان کے لیے کیا کرتے میرے بس میں صرف دعا تھی جو میں نے کی، آگے اللہ توفیق دے کوئی راستہ دکھائے کہ ہم ان کے لیے کچھ کر سکیں۔

پیاری رخ! شعاع کی محفل میں شرکت کے لیے شکریہ آپ کی تعریف متعلقہ مصنفین تک پہنچا رہے ہیں۔ فلسطین کے لیے آپ کی دعا بھی بہت قیمتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آپ کے افسانوں کے بارے میں جلد بتائیں گے۔

رخ آپ اپنا فون نمبر بھجوا دیں ہم آپ کو فون کر کے بتا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ابو کو صحت کاملہ سے نوازے آمین۔

عظمیٰ بھٹی بنی اسیراں ضلع ڈیرہ غازی خان سے لکھتی ہیں

شعاع سے تعلق زیادہ پرانا نہیں ہے صرف تین سال پرانا ہے۔ جب میں نائنتھ کے پیپرز دے کر فارغ ہوئی۔ اسی دن مجھے یہ ڈائجسٹ ملا۔ جب ہم اسٹیشنری شاپ پر دسویں کی کتابیں رجسٹر لینے گئے تو اتفاق سے میری نظر ڈائجسٹ پر گئی۔ تب پتا نہیں تھا۔ اس میں کیا لکھا ہوتا ہے۔ خیر میں نے انکل سے ایک شعاع لیا۔ پھر میری کلاس فیلو نے میری دیکھا دیکھی ایک اور خواتین ڈائجسٹ خریدا تب سے لے کر وہ دن اور آج کا دن میں ڈائجسٹ پڑھتی ہوں۔

یہ ڈائجسٹ ایک تربیت گاہ ہے۔ اس میں زندگی گزارنے کے تمام اصول ہیں۔ ہم اس ڈائجسٹ کی، آپ کی جتنی تعریف کریں وہ کم ہے۔ اور تو اور میں نے بہت پرانے ڈائجسٹ منگوا کے بھی پڑھے ہیں۔ اب تو ہر چیز سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن میری کچھ کزنز ہیں۔ جویرا ڈائجسٹ پڑھنے میں ساتھ دیتی ہیں۔ سب سے بہترین کزن صبا ہے وہ اور میں مل کر ڈائجسٹ لیتے ہیں۔ پہلے میں پڑھتی ہوں پھر صبا، صبا کے بعد میری بہن پڑھتی ہے۔ آخر میں میری بڑی بہن جو شادی شدہ ہے وہ پڑھتی ہے۔

اب بات ہو جائے کہانیوں کی تو جناب جب سے فرح بخاری کا ناول ''شام شہر ہجر'' شروع ہوا ہے تو سمجھو ہم تو بس پاگل ہو گئے ہیں شعاع کے انتظار میں ڈائجسٹ کب آئے گا۔ آگے کیا ہوگا۔ شہباز مری ہے یا نہیں۔ پلیز فرح بخاری شہباز کو اتنا عذاب دیں کہ منصب کی جلتی روح کو قرار آ جائے اور وسیلہ کو کچھ بھی نہیں ہونے دینا۔

والعصر یار اس ناول کا کوئی سر پیر نہیں ہے وری بی ذی ہے تو خولہ کون ہے۔ ماضی اور حال گھوم رہا ہے۔ اس ناول میں کچھ سمجھ میں نہیں آتا شریفہ بس نام کی شریفہ ہے۔

رمشا روشن اب لگتا ہے مجھے بھی لیاقت منزل جانا پڑے گا معلومات لینے کے لیے مفتاح، عباد، سہراب، شرر اور عیسیٰ یہ ہیں کون۔ ویسے دیکھتے ہیں رمشا کے تکے کام آتے ہیں یا نہیں۔ بھئی میں تو یہ تکے پڑھ کے بہت ہنسی۔ پلیز مائنڈ نہ کرنا۔

امت العزیز آپی! آپ ناول کے کرداروں کو واضح کریں تاکہ ہم اور تکے نہ لگائیں (ہاہاہاہا) افسانے سارے اچھے تھے۔

نگہت سیما کے ناول کی اگلی قسط کا انتظار ہے۔ خط آپ کے تو شعاع کی جان ہے۔

پیاری عظمیٰ شعاع کی محفل میں خوش آمدید، بہت اچھا خط لکھا ہے۔ آپ نے آپ کا بے ساختہ پسندیدگی کا اظہار بہت اچھا لگا۔ آپ سب کزنز اور بہنیں بھی شعاع پڑھتی ہیں۔ یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔ صبا سے کہیں وہ بھی ہمیں خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرے۔

عمیرہ احمد اور نمرہ احمد شعاع میں بھی لکھتی رہی ہیں۔ ام ایمان قاضی تو اب بھی لکھ رہی ہیں۔ حسنہ حسین نے وعدہ کیا ہے جلد لکھیں گی۔

☆☆

قارئین اب گھر بیٹھے پرچا حاصل کرسکتی ہیں

ہماری بہت سی قارئین جو دور دراز علاقوں میں رہتی ہیں ان کے لیے اکثر و بیشتر پرچوں کا حصول دشوار ہوتا ہے اور موجودہ حالات نے تو اسے مزید دشوار بنا دیا ہے۔ جس کی بنا پر ہماری قارئین کو پرچا حاصل کرنے میں دشواری کا سامنا ہے۔ ان حالات میں آپ کو گھر بیٹھے پرچا مل سکتا ہے۔

ہم آپ کے دروازے پر پرچا پہنچائیں گے اور آپ کو اس کے لیے صرف پرچے کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ کوئی اضافی رقم آپ سے وصول نہیں کی جائے گی۔ پرچے کی پیکنگ اور ڈاک کے اخراجات ادارہ برداشت کرے گا۔ ہمیں درج ذیل رقم بھجوا کر آپ ہر ماہ باقاعدگی سے گھر بیٹھے پرچا حاصل کر سکتی ہیں۔

اگر آپ کو پرچا اندرون ملک نہیں مل پایا ہے تو آپ ایک پرچے کی رقم -/150 روپے بھجوا کر پرچا حاصل کر سکتی ہیں۔

رقم بھجوانے کا آسان ترین طریقہ ایزی پیسہ ہے۔

آپ کسی بھی ایزی پیسہ شاپ، ایزی پیسہ موبائل ایپ یا بینک اکاؤنٹ سے ہمارے اکاؤنٹ نمبر 0317-2266944 میں رقم بھیج کر سکتے ہیں۔

سالانہ خریدار اندرون ملک قارئین کے لیے:

فی ڈائجسٹ -/1800 روپے بھجوائیں

سالانہ خریدار بیرون ملک قارئین کے لیے:

بیرون ملک پاکستانی درج ذیل طریقہ سے رقم بھجوائیں۔

ڈرافٹ بنام ''عمران ڈائجسٹ، اکاؤنٹ نمبر 0010000015680030، الائیڈ بینک لمیٹڈ، عیدگاہ برانچ، کراچی، آن لائن کے لیے PK44ABPA0010000015680030'' کوشش کریں کہ ڈرافٹ یا چیک کراچی کی کسی برانچ کا ہو اگر کراچی کے علاوہ کسی اور شہر کا ہو تو -/500 روپے زیادہ روانہ کریں، کیونکہ دوسرے شہر کا چیک ہونے کی صورت میں بینک -/500 روپے کمیشن کاٹتا ہے۔

فی ڈائجسٹ افریقہ، یورپ -/22000 روپے، ایشیا، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا -/25000 روپے،

کسی بھی معلومات اور آرڈر کے لیے اس واٹس ایپ نمبر 0317-2266944 پر رابطہ کریں

ایجنٹ حضرات اس واٹس ایپ نمبر 03312266944 پر رابطہ کریں

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

اَمۃ العزیز شہزاد

والعصر

وریٰ اپنی نانی اور ماموؤں کے ساتھ رہتی ہے، اس کی ماں مر چکی ہے۔ گھر میں دو ماموں، ممانی اور ان کے بچے ہیں۔ ان میں آپس میں اچھے تعلقات ہیں مگر بڑی ممانی اسے پسند نہیں کرتی ہیں۔ عباد ان کا بیٹا ہے۔ جو وریٰ کو چاہتا ہے۔

آتش جوسر اپااسرار ہے۔ وہ لوگوں کو اپنی گفتگو سے زیر کرتا ہے۔ اس کے بے شمار عقیدت مند ہیں۔

بی ذی ایک بے ہوش لڑکی کو لے کر آتش کے ہاں پہنچ جاتی ہے۔ آتش اپنے اسسٹنٹ خاقان کے ذریعے ڈاکٹر کو بلاتا ہے۔ نانی وریٰ کو پڑھانے کی ذمہ داری عباد پر ڈال دیتی ہیں۔

لڑکی ہوش میں آتی ہے لیکن حواسوں میں نہیں۔ اپنا نام تک نہیں بتا سکتی۔ آتش کے گھر پولیس آجاتی ہے۔

پولیس کا نام سن کر بی ذی گھبرا جاتی ہے۔ آتش اسے پرسکون رہنے کا کہتا ہے۔ پولیس انسپکٹر امیر علی اپنے جونیئر فاروق احمد کے ساتھ آتے ہیں۔ وہ آتش کو ترجیحی ورکشاپ میں مدعو کرتا ہے۔ فاروق احمد تھوڑا تلخ ہے۔

عباد، وریٰ کو پڑھانے آتے ہیں، وریٰ بتاتی ہے کہ وہ کیا کیا امتحان دے رہی ہے، اور اسے ہر سبجیکٹ انتہائی مشکل لگتا ہے۔

فیروزہ کی بیٹی شمنا کی شادی ہوتی ہے اس میں بالی کا بھی نکاح کر دیا جاتا ہے، بالی انتہائی کم عمر ہے۔

شاکر فیروزہ کا بیٹا اپنے باپ کے حکم پر گھر تعمیر کروا رہے ہیں۔ ان کے والد بنگلہ دیش میں کاروبار کے سلسلے میں رہتے ہیں۔

فیروزہ کا چھوٹا بیٹا عامر بہت خودسر ہے۔ وہ عیسیٰ سے بہت چڑتا ہے۔ وہ ماں سے پیسے مانگتا ہے۔ انکار پر عیسیٰ کو بالکونی سے الٹا لٹکا دیتا ہے۔

وریٰ کو سہراب سے ملنے کی خوشی اور گھبراہٹ ہوتی ہے۔ عیسیٰ سمجھتا ہے کہ وہ امتحانات کی وجہ سے پریشان ہے۔

بی ذی کو آتش فون کر کے اطلاع دیتا ہے کہ وہ ٹی وی آن کر کے دیکھے علائنہ سے متعلق خبر آرہی ہے۔ پتا چلتا ہے کہ علائنہ کی لاش اس کے فلیٹ سے برآمد ہوئی ہے۔

وریٰ پیپر دینے خوب تیار ہو کر جاتی ہے۔ اسے مفتاح چھوڑنے جاتا ہے، وانلہ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔

رینا عامر سے کہتی ہے کہ عیسیٰ سے کہو کہ ایڈمیشن ٹیسٹ میں اس کے بھائی کو پاس کروا دے۔

سید صاحب کو جب سے عامر نے عیسیٰ کے متعلق بتایا تھا کہ وہ سگریٹ نوشی کرنے لگا ہے سید صاحب بہت پریشان تھے۔ وہ فیروزہ بیگم کو واپس پاکستان بھیجنے کی بات کرتے ہیں۔

وریٰ جلدی سے پیپر ختم کر کے سہراب کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھ کر چلی جاتی ہے۔

آتش چند روز کے لیے اسلام آباد جاتا ہے۔ خاقان دوسرے کاموں میں مصروف ہوتا ہے خولہ کو موقع مل جاتا ہے کہ وہ فون کر لے وہ فون کرتی دوسری طرف فون اٹھا لیا جاتا ہے۔ وہ جواب نہیں دے پاتی۔ دوبارہ نمبر ملاتی ہے اس وقت کوئی اسے آواز دیتا ہے۔

شریفہ سہراب کی دعوت کرتی ہیں اور بظاہر اسے گھیر لیتی ہیں، وہ دل ہی دل میں ان کے بےوقوف بن جانے پر ہنستا ہے۔ فاروق احمد، امیر علی خان سے کہتا ہے کہ علائنہ خان کے قتل کے تانے بانے آتش کدہ سے ملتے ہیں۔

عامر، عیسیٰ سے پوچھتا ہے کہ اس نے اس کا کام کر دیا عیسیٰ کے منع کرنے پر وہ اسے مارتا ہے۔ فیروزہ عامر کو سخت سست کہتی ہیں اور عیسیٰ کو اپنے ساتھ لے جاتی ہیں۔ عیسیٰ واپس آتا ہے تو وہاں سے اس کا جرنل غائب ہوتا ہے۔

بی ذی اپنا پروموشنل ٹرپ کر کے واپس آتی ہے تو اس کے دوست پارٹی رکھتے ہیں پارٹی میں اس کو ایک فون آتا ہے۔ وہ علائنہ خان قتل کیس کے سلسلے میں بی ذی سے بات کرنا چاہتا ہے۔ بی ذی خوف زدہ ہو کر لائن کاٹ دیتی ہے۔

شاکر کی بیوی فرح عیسیٰ اور عامر کی بحث کو بڑھا چڑھا کر جھگڑے کی شکل میں شوہر تک پہنچا کر کہتی ہے کہ ہمیں اپنے بچوں کو اس ماحول سے بچا کر الگ ہونا ہوگا۔ وہ اپنے بہنوئی سے کینیڈا یا امریکا جانے کے سلسلے میں بات کا کہتی ہے۔

وریٰ ریڈ سوٹ میں سہراب سے ملنے آئی تھی وہ اسے اپنے گھر لے جانے کی بات کرتا ہے۔ وریٰ حامی بھر لیتی ہے۔ سہراب بہت خوش ہوتا ہے اسی وقت گاڑی کے سامنے عیسیٰ آجاتے ہیں۔ وریٰ ڈر جاتی ہے۔

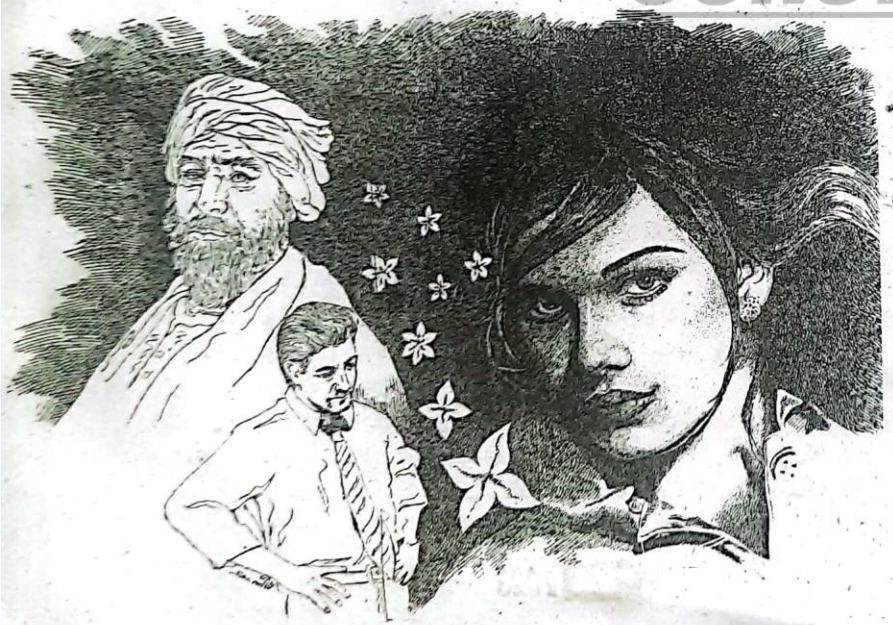

عامر بالی سے مل کر ماں اور عیسیٰ کی شکایت کرتا ہے۔ بالی اپنی کم عمری کی شادی اور غصیل شوہر کی وجہ سے

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

پہلے ہی ناراض تھی۔ وریٰ بھاگم بھاگ گھر پہنچتی ہے۔ گھر میں سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ خاقان سر آتش سے اجنبی لڑکی کے فون اا استعمال کرنے کی شکایت کرتا ہے۔

نمبر نہ نوٹ کرنے پر آتش اسے سخت سست سناتا ہے۔

سہراب وریٰ کے بچ نکلنے پر غصہ ہوتا ہے۔ اسے فکر ہوتی ہے کہ عیسیٰ نے اپنے گھر والوں کو سب بتا نہ دیا ہو۔

وریٰ رجا سے بات کرتی ہے۔

چوبیسویں قسط

ابن سلیمان!

اے شوریدہ سر دیوانے.....

سن رکھ

محض ایڑیاں رگڑنے سے

زم زم جاری نہیں ہوتے.....

قلب دشت چیر کر جل تھل کرتی ہے وہ

آہ..... وہ تڑپ..... وہ بے قراری

کہ

جو قفس کے آگے جیسی سائی سے نہیں

بلکہ

"اطاعت" کے بطن سے جنم لیتی ہے.....!!

☆☆☆

"شب سیاہ ہے ایک ایسا راز سربستہ، جو کوتاہ فہم پر کھل نہیں سکتا ہاں مگر منکشف ہوتا ہے اس پر، جس کا قلب روشنی ہو۔"

کتب کے درمیان سے معاً نمودار، ہونے والی یہ اکھڑی اکھڑی سیاہ جلد والی ڈائری سید صاحب کی تھی..... جسے کھولنے پر وہاں انیس سو اٹھانوے دکھائی دیتا تھا۔ وہ واقف تھا کہ انہیں ڈھاکا میں روزانہ کی بنیاد پر ڈائری میں کچھ نہ کچھ لکھتے رہنے کی عادت تھی.....

رونما ہونے والا کوئی اہم عالمی واقعہ، سانحہ یا پھر خاندان میں منعقد کسی تقریب، خوشی غمی کی تاریخ..... یہ نہیں تو کوئی شعر، اقتباس یا اپنے گراں قدر خیالات..... باقی دیگر کا تو پتا نہیں کہ کہاں تھیں، ہاں مگر یہ ڈائری آخری سفر میں ان کے ہمراہ یہاں آئی تھی۔ اور یہیں رہ گئی۔ جسے اس نے کسی متبرک شے کی مانند اپنے پاس سنبھال لیا۔

اس طرف کسی کا دھیان یوں نہ جا سکا کہ وہ ان کے دھیان لگانے کو اور بھی "بہت کچھ" چھوڑ گئے تھے۔

ذہن کے پردے پر ایک تصویر سی بن رہی تھی.....

ڈیڑھ سال بعد بالآخر ڈاکٹر نے اسے بیساکھی کے سہارے گھر ہی میں تھوڑا بہت چلنے کی اجازت دے دی تھی..... اور وہ لمحہ کہ جب اس نے اپنے طور پر بیساکھی کے سہارے پہلا قدم اٹھایا..... اس احساس کو لفظوں میں بھلا وہ کیوں کر بیان کر سکتا تھا کہ نا جانے بے بسی تھی، رنج یا دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو جانے کی مسرت، بہر کیف!

اس رات وہ جگجیت کی کوئی غزل سنتے ہوئے اسی ڈائری کی ورق گردانی میں منہمک تھا کہ تب ہی اسے شدید

پیاس محسوس ہوئی..... سو ڈائری ایک طرف رکھ کر اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا پانی کا جگ دیکھا..... خالی تھا.....

تب کچھ سوچ کر وہ سائیڈ ٹیبل کے ساتھ دھری بیساکھی قریب کر کے اس کے سہارے اٹھا اور بہت آہستگی سے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا کمرے سے باہر لاؤنج میں داخل ہوا.....

وہاں کی بتی حسب معمول بند تھی، محض زیرو پاور کا نیلا بلب روشن تھا۔ وہ آنکھوں کو اس ماحول سے مانوس کرنے کی غرض سے یک لحظہ وہاں ٹھہر گیا تھا..... اور تب ہی..... تب ہی اس نے ایک سفید سی روشنی کو لاؤنج کے انتہائی سرے پر واقع اسٹور روم کے بند دروازے کی نچلی درز سے رینگتے دیکھا.....

"وہاں کون ہے؟" قدرتی طور پر اس نے بے طرح فکر مند ہو کر سوچا تھا..... مگر اگلے ہی لمحے اس کی یہ پریشانی تعجب آمیز حیرت میں بدل گئی کہ کوئی تھا جو اسٹور روم کا دروازہ بڑی احتیاط سے کھول کر ہاتھ میں پکڑی ٹارچ بجھاتے ہوئے بڑی تیزی سے باہر نکلا، اور لاؤنج سے عقبی صحن کو جانے والے دروازے کی سمت تیر کی طرح بڑھتا چلا گیا تھا—

"یہ..... یہ رات کے اس پہر گھر میں ہو کیا رہا ہے؟"

☆☆☆

"یہ..... یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟"

طوفانی رفتار سے دوڑتی گاڑی بالآخر ایک مہیب اندھیرے میں ڈوبے بنگلے کے پورچ میں آ کر ٹھہر گئی تھی..... تب وریٰ جو راستے بھر انجان ہم سفر کی ہم راہی کے سبب اپنا بے پناہ خوف سے لرزاں دل بدقت تمام سنبھالے نوک مژگاں پر بار بار نمودار ہو جانے والے آنسوؤں کو حنائی ہاتھ کی پشت سے رگڑتی آئی تھی، متوحش سے لہجے میں سرور شاہ سے پوچھا تو وہ جو ابھی تک اسٹیئرنگ پر ہاتھ جمائے بیٹھا تھا، گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا..... کچھ گدلی بے باک نگاہوں سے.....

"بت..... بتاؤ۔" وریٰ کا دم اسے یوں اپنی جانب دیکھتا پا کر سینے میں اٹکنے لگا۔ "یہ کون سی جگہ ہے۔"

"کوہ قاف۔" اس بار سرور شاہ دایاں ابرو ذرا سا چڑھا کر، رازدارانہ انداز سے سرگوشی سے مشابہ آواز میں بولا تو وہ ایک دم چلا اٹھی۔

"کیا کہہ رہے ہو، مجھے سہراب کے پاس جانا ہے، نہیں رکنا یہاں۔"

"رکنا تو یہیں پڑے گا۔" وہ لطف لینے والے انداز سے مسکرا کر بولا۔ "کیوں کہ سہراب کا دیدار تو اب کچھ دن بعد ہی کر سکو گی تم۔"

"کک..... کچھ دن بعد۔" یہ سن کر وحشت سے وریٰ کی آنکھیں پھٹ سی گئیں۔ "کک..... کیا کہہ رہے ہو؟"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" وہ بولا۔ "دیکھو..... مجھ سے اس طرح ڈرو مت..... میں کوئی جن تھوڑی ہوں جو تمہیں کھا جاؤں گا۔"

"مجھے کچھ نہیں پتا۔" وہ سرور شاہ کے لہجے سے ٹپکتے گھناؤنے پن کو پوری طرح سمجھ تو نہیں سکی تھی تاہم کوئی احساس تھا، جس نے بیدار ہو کر اس کے اندر سرخ بتی جلا دی تھی، تب ہی خود کو ذرا مضبوط ظاہر کرتے ہوئے بولی۔ "میری بات کرواؤ سہراب سے۔"

"میں نے بتایا نا کہ ابھی اس سے رابطہ ممکن نہیں۔" وہ یک بیک بدلحاظ سا ہو کر بولا۔ "اترو گاڑی سے۔"

"نہیں اتروں گی۔" چوں کہ آج تک اس سے کسی "مرد" نے اس لہجے میں کلام نہیں کیا تھا، سو وہ اس امر سے ناواقف تھی کہ "ایسے لہجوں" کے جواب میں صرف "تعمیل" قابل قبول ہوتی ہے، "حجت" نہیں لہٰذا وہ اپنی فطری ہٹ دھرمی سے بولی۔

"نہیں اترو گی؟" وہ مکروہ سے انداز میں مسکرایا تھا اس کا انکار سن کر۔ "تب مجبوراً مجھے تمہیں گود میں اٹھا کر

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

اندر لے جانا پڑے گا۔" وہ بہت معنی خیز سفاکی سے گویا ہوا تھا..... وری اس کی بات پر سن ہو گئی.....

"یہ..... یہ ابھی کیا کہا ہے اس نے۔" وہ سہم کر جیسے دل ہی دل میں خود سے استفسار کر رہی تھی کہ مقابل سے یہ سوال کرنے کی سکت وہ خود میں نا پاتی تھی۔

"کن خیالوں میں کھو گئیں میڈم!" وہ پھٹی پھٹی، بے یقین نگاہوں سے اسے خود کو مسلسل تکتا پا کر، زور سے اس کے سامنے چٹکی بجا کر بولا۔

"پھر لے چلوں تمہیں اٹھا کر؟"

"نن..... نہیں۔" وہ دھل کر گاڑی کے دروازے سے جا لگی۔ "میں۔ میں خود چلی جاؤں گی....."

"بس تو پھر فوراً اتر و شاباش۔" اس نے فتح مندی سے مسکرا کر کہا تھا..... اس بار وری نے فی الفور اس کے "حکم" کی تعمیل کی۔ تب وہ بھی کسی معمول کی طرح پورے اطمینان سے گاڑی سے اترا۔ اور گھبراہٹ زدہ سے انداز میں چہار اطراف دیکھتی وری کو گاڑی کی نسبت بہت مدھم اور محتاط سی آواز میں مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"یہاں کیوں کھڑی ہو گئی، ہو چلو اندر۔"

اور اس بار وری بلا تامل و حجت اپنے لمبے فراک سے الجھتی، اونچی ایڑی والی سنہری جوتی میں مقید ٹھنڈے پسینے سے تر بتر پاؤں جیسے کسی میکانکی عمل کے تحت اس کی معیت میں گھورتی تاریکی کی سمت بڑھا چکی تھی۔

☆☆☆

"ہر وہ نظریہ جو حضرت انسان کی فطری آزادی پر قدغن لگائے، وہ رانگ نمبر ہے۔"

آتش کی روانگی کے بعد آج بی۔ ذی کا پہلا "انفرادی بیان" تھا۔

سرمئی چست جینز پر سیاہ بٹنوں والی شرٹ پہنے، اونچی سی پونی ٹیل بنائے کانوں میں چھوٹی سی سلور بالیاں ڈالے، ہلکا پھلکا میک اپ کیے بظاہر وہ بہت تر و تازہ اور کسی قدر پراعتماد دکھائی دیتی تھی، مگر حقیقت حال وہ خود ہی جانتی تھی..... اس کی دونوں ہتھیلیاں پسینے سے بھیج رہی تھیں..... دل معمول سے زیادہ رفتار سے دھڑک رہا تھا۔

اور وہ ہولے سے لرزتے دائیں ہاتھ میں اے فور شیٹ تھامے اس پر پرنٹ شدہ الفاظ مشکل انداز میں پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ تب ہی کسی نے اس کی کوشش پر پانی پھیرتے ہوئے سوال کیا۔

"اور آپ کے نزدیک اس فطری آزادی کی تعریف کیا ہے؟"

وہ جو پہلے ہی بے حوصلہ تھی، اس بے لگام آواز پر باقاعدہ مرتعش ہو گئی.....

"یس میم....." ایک ذہین آنکھوں والے نوجوان نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ "سوال تو بنتا ہے۔"

"دیکھیے....." اس گلا کھنکھار کر بے وجہ اپنے عقب میں عبایا اور مکمل نقاب میں، مگر اس کی مدد کو مستعد کھڑی خولہ کو ایک نظر دیکھا پھر جان چھڑانے والے لہجے میں کہا۔

"میں ابھی خود کو اتنا قابل نہیں سمجھتی کہ آپ کے سوالات کا جواب دے سکوں سو پلیز..... میرے لیکچر میں کیو۔ اے سیشن نہیں ہو گا۔"

"مگر اس طرح تو پھر اس نشست کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا میم۔" کوئی بولا۔ "ہمارے ذہن میں جو سوالات کلبلاتے ہیں، ان کا جواب تلاش کرنے ہی تو ہم یہاں آتے ہیں۔"

"دیکھیے پلیز..... میں نے کہا نا کہ میں آپ کے سوالات کا جواب دینے کی اہل نہیں۔ آپ جو پوچھنا چاہتے ہیں سر آتش کی واپسی پر انہی سے پوچھیے گا۔"

بلاشبہ شخصیت کا طلسم مسلم حقیقت ہے۔ اور آج آتش کدے میں وہ "طلسم" نہ تھا۔ سو سب ہی نے جیسے وہ لیکچر مارے باندھے سنا اور اپنی اپنی راہ لی.....

"یہ جو نیلی جینز اور بلیک شرٹ والا جا رہا ہے۔" بی۔ ذی نے غصیلی نگاہوں سے شرر کو ہال سے باہر نکلتے دیکھ کر، جلدی سے خولہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اسے بلا کر لاؤ۔"

"کک..... کون میم؟" اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھ کر خولہ نے ہکلاہٹ زدہ آواز میں استفسار کیا۔

"دیکھو نا، وہ جا رہا ہے شرر....." اس بار بی۔ ذی نے اس کی جانب ہاتھ سے واضح اشارہ کرتے ہوئے کہا..... تو خولہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"میں بلاؤں؟"

"میں نے فرنچ بولی ہے؟" بی ذی چڑ گئی۔ "جلدی جاؤ..... کہیں چلا نہ جائے۔" تب وہ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اس تک گئی اور اسے پکارا.....

"بات سنیے!"..... اور شرر جو آگے بڑھ رہا تھا، اس پکار پر اس کے قدم ہی نہیں پل بھر کو گردش دوراں بھی جیسے تھم سی گئی.....

"کون؟" وہ سرعت سے اس کی جانب گھوم کر الجھن زدہ سے لہجے میں بولا۔

"وہ..... بی۔ ذی میم آپ کو بلا رہی ہیں۔"

☆☆☆

"حرص و طمع سے تھڑی روح، خسارے کا سودا کتنی مشقت اٹھا کر کرتی ہے، ہاتھ پھر بھی اس کے کچھ نہیں آتا۔"

اس نے تنویمی انداز میں اگلا صفحہ پلٹا، تو یہ عبارت نگاہ کے سامنے تھی..... اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ لفظ ایک تصویر بنانے لگے۔ ایک اور ایسی تصویر جسے دیکھ کر وہ منہ پھیر لینا چاہتا تھا..... پر فائدہ؟ وہ تصویر اس کے رخ موڑ لینے سے تو مٹ نہیں جاتی تھی..... سو اس نے ایک بار پھر اذیت جھیلنے کے لیے خود کو تیار ہوتا پایا.....

"وہ آپ کا جو کاہی اور سرخ رنگ کا ساڑی ہے نے۔"

بالی آج کسی کام سے فیروزہ کے پاس آئی بیٹھی تھی۔ اور وہ کام تھا کیا؟ ابھی اسی بابت گفت گو کی ابتدا کر رہی تھی.....

"کون سا والا؟" فیروزہ جن کی ذہنی اور جسمانی صحت اب حد درجہ گر چکی تھی اور جواب سرمئی ساڑی میں پچھلے وقت کی چاق و چوبند، پر زور کپڑے کی شوقین فیروزہ کا شائبہ دکھائی دیتی تھیں، بالی کے کہنے پر ذہن پر زور ڈالتے ہوئے پوچھا۔ اور ان کا یہ سوال بالکل صحیح تھا کہ ان کے پاس سرخ و سبز رنگ میں انواع و اقسام کی ساڑیاں موجود تھیں۔

"وہی نے۔" بالی سامنے۔ سیٹی سے اٹھ کر ان کے نزدیک آ بیٹھی اور پورے حوالہ جات کی مدد سے انہیں یاد دلانے لگی۔ "جو ابو آپ کو پٹنہ سے لا کر دیے تھے..... جس پر چھوٹا چھوٹا سا چمک دار پھول بنا ہے۔"

"ہو گا نے؟" فیروزہ کو غالباً یاد نہیں آ سکا تھا تب ہی اکتاہٹ زدہ سے لہجے میں بولیں۔ "پھر کا کریں اس کا؟"

"وہ ہم کا چچی (تنذ) کی بیٹی کا شادی میں پہننے کے لیے دے دیجیے۔" وہ کسی قدر لجاجت سے بولی۔

"وہ اسٹور کا بکسے میں رکھا ہو گا۔" فیروزہ یاد کرتے ہوئے بولیں۔ "تم جا کر دیکھ لو نے۔"

"اور اس کے ساتھ جو آپ نے ڈھاکا کا بالی بنوایا تھا۔" بالی کو خدشہ تھا کہ کہیں وہ اسے ساڑی دینے سے انکار ہی نہ کر دیں، (دراصل پہلے بھی ایسا ہو چکا تھا کہ فیروزہ اس کے ندیدے پن سے اپنی چیزوں پر حق ملکیت جتانے پر خفا ہو جاتی تھیں) جب انہوں نے بڑے آرام سے اقرار کر لیا تب اس نے جلدی سے اگلی فرمائش داغی۔

"اے بابو..... کا بتائیں تم کا۔" فیروزہ ماتھے پر ہلکا سا ہاتھ مار کر پریشانی سے بولیں۔ "وہ بالی تو کہیں کم گیا نے۔"

"آئے....." بالی کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ "کدھر رکھ دیں آپ ایسا بڑھیا بالی؟"

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

"ہم تو ایہاں (یہاں) الماری کے بند خانے ہی میں رکھتے تھے۔" فیروزہ بولیں۔
"تو وہیں ہوگا۔"
"نہیں ہے نے" فیروزہ چڑچڑے سے لہجے میں بولیں۔ "یہی تو بتا رہے ہیں نے..... دو چار دن پہلے ہم یہیں اپنا چوڑی رکھ کر گئے تھے۔"
انہوں نے سنگھار میز کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مزید بتایا۔
"وضو کر کے غسل خانے سے باہر آئے ہیں تو وہ چوڑی غائب تھا۔"
"آپ کا یادداشت کمزور ہو رہا ہے نے۔" بالی تاسف سے بولی "آپ ایسا کریں نے کہ اپنا سارا زیور ہم کا دے دیں۔"
"ایسا کیسے دے دیں تم کا۔" فیروزہ نے اسے جھڑک دیا۔ "تم جاؤ جا کر، وہ ساڑی نکال کر لاؤ نے۔" بالی کو ان کی جھاڑ بری تو بہت لگی مگر مصلحتاً چپ ہی رہی اور اٹھ کر ساڑی دیکھنے چل دی..... کچھ دیر بعد لوٹی تو چہرے پر غصہ تھا.....
"نہیں ہے نے وہاں کوئی ساڑی واڑی۔" اس نے بتایا تو فیروزہ تشویش میں پڑ گئیں.....
"کا کہہ رہی ہو؟" وہ تعجب سے بولیں۔ "وہیں تو رکھا رہتا ہے ہمرا سارا ساڑی کپڑا لتا....." بالی جیسے جل کر بولی۔ "نکال لے گئی ہوں گی۔ شاید آپ کی بیٹیاں۔"
"تم کسی اور کا بیٹی ہو نے؟" فیروزہ نے برا مان کر کہا۔
"آپ ہی کی ہیں۔" بالی نروٹھے پن سے بولی۔ "پر آپ ہمیں سوتیلا سمجھتی ہیں نے....."
"بے کار کا بات کرتی ہو۔"
"کیا ہوا؟" عیسیٰ جو بیساکھی کے سہارے چلتا کمرے میں داخل ہو رہا تھا، ماحول پر طاری تناؤ محسوس کر کے استفسار کر بیٹھا۔
"کیا بتائیں کیا ہوا؟" بالی تنک کر بولی۔ "یہ ساڑی گم کر دی ہیں اپنا۔"
"کیسی ساڑی؟" وہ بہت زور سے چونکا..... تب فیروزہ نے مختصراً اسے آگاہ کرتے ہوئے ہچکچا کر کہا۔
"جاؤ نے بابو..... جا کر دیکھو نے، یہ کا کہہ رہی ہے..... ہمرے گھٹنے جڑے ہوئے ہیں نے..... ورنہ ہم خود دیکھ آتے۔"
"جی امی....." وہ کہہ کر دھیرے دھیرے چلتا ہوا کمرے سے دوبارہ باہر نکل گیا تھا۔ اور کچھ دیر بعد جب لوٹا تو چہرہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔
"کیا ہوا؟" فیروزہ نے پوچھا۔
"یہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" اس نے گمبھیرتا سے بتایا۔ "وہاں سے صرف وہی نہیں بہت سی ساڑیاں غائب ہیں۔" "ظاہر ہے فیروزہ بھی کبھار اس سے بھی کپڑے نکلوانے، رکھوانے کا کام لے لیا کرتی تھیں سو اسے بخوبی اندازہ تھا کہ بکسے میں ساڑیوں کی تعداد کیا تھی؟
"ارے باپ....." بالی احمقانہ پن سے بولی۔ "کیا گھر میں جن بھوت کا سایہ ہو گیا نے۔"
"جن بھوت آپ کی ساڑیوں کا کیا کریں گے؟" عیسیٰ ناگواری سے بولا۔
"کیا ہوا؟ کیا بات ہو رہی ہے؟" عامر کچھ ہی دیر قبل بیدار ہوا تھا، بالی کی آواز سنی تو ادھر چلا آیا.....
"امی کا ساڑی اور زیور گھر سے غائب ہو گئے نے۔" بالی نے گرما گرم خبر دینے کے سے انداز میں بتایا۔
"غائب کہاں ہوں گے۔" وہ پورا منہ کھول کر جمائی لینے کے بعد بولا۔ "کہیں رکھ کر بھول گئی ہوں گی۔"

"ہم کہاں رکھ کر بھولیں گے نے؟" فیروزہ نے خفا سی ہو کر اسے دیکھا۔
"اپنی بیٹیوں کے پاس۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔ "اور کہاں رکھوائیں گی آپ۔"
عامر کی اس بات پر بالی نے بہت مشکوک نظروں سے کچھ ہی عرصے میں بہت تیزی سے جمپریوں سے اٹ جانے والا فیروزہ کا چہرہ دیکھا تھا کہ دل میں کہیں اندر سے ابھی یہی گمان تھا۔
"ہم کہہ رہے ہیں ہم نے کہیں نہیں رکھوائے۔" انہیں غصہ آ گیا۔
"اوہ ہو....." رینا جو اٹھلاتی ہوئی، عامر کے لیے بنایا جانے والا کوئی بہت ہی خاص قسم کا نہار منہ پینے والا قہوہ لیے چلی آ رہی تھی اور ظاہر ہے کہ یہاں سے لاؤنج میں جانے والی آوازوں کے سبب سارے معاملے سے آگاہ ہو چکی تھی بڑے آرام سے بولی۔ "اس میں اتنا پریشان ہونے والی کیا بات ہے۔"
"کیسے نہیں ہے نے؟" بالی چمک کر بولی۔ "لاکھوں کا زیور اور لاکھوں ہی کا ساڑی غائب ہوا ہے۔"
"غائب ہوا ہے تو مل جائے گا۔" وہ آنکھیں چھوٹی کر کے ایسے مسکرائی جیسے اس مسئلے کا حل اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہو۔
"کیسے؟" عیسیٰ اور فیروزہ تو چپ تھے..... یہ بے چین استفسار اس سے بالی ہی نے کیا تھا۔
"میری بہن نجمہ کے پیر و مرشد بہت پہنچی ہوئی ہستی ہیں۔" وہ عقیدت سے جھوم کر بولی۔ "وہ حساب لگا کر بتا سکتے ہیں کہ سارا سامان کہاں ہے؟ اگر چرایا ہے تو کس نے چرایا ہے؟"
"یوں تو حساب کتاب لگائے بغیر میں بھی بتا سکتا ہوں کہ سامان کہاں ہے؟ اور اگر چرایا ہے تو کس نے چرایا ہے؟" عیسیٰ ایک دم ٹھنڈے سے بولا تو رینا کا سارا چونچال پن ہوا ہو گیا..... پر عامر نے اسے مسخرے سے دیکھا۔
"اچھا؟" اس نے طنزیہ انداز میں پوچھا..... "تو بتاؤ..... زیور اور ساڑیاں کہاں ہیں؟"
"یہ تو آپ کی بیگم بھی جانتی ہیں۔" اس نے تیز نگاہوں سے رینا کا سپید پڑتا چہرہ دیکھ کر کہا۔ "ان سے پوچھ لیں۔"
"بکواس کرتا ہے۔" عامر اس کی بات کا مفہوم لمحوں میں بھانپ کر غرایا "ٹانگ تو ٹوٹ ہی چکی ہے، منہ بھی توڑ دوں گا تیرا۔"
"ایسا کیسا منہ توڑ دو گے بابو کا۔" فیروزہ طیش میں آ کر بولیں۔
"تو سمجھا لیں اسے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "کہ یہ اپنی حد میں رہے..... ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"
"تم ایسا کیسے اتنا بڑا الزام لگا دیے نے عیسیٰ۔" بالی حیران پریشان سی ہو کر بولی۔ "جانتے ہو، کیا کہہ رہے ہو نے۔"
"ہاں جانتا ہوں۔" وہ بے لچک سے لہجے میں بولا۔ "مگر کیوں کہہ رہا ہوں..... یہ آپ نہیں جانتیں۔"

☆☆☆

"ہاں بلاؤ پولیس کو۔" سہراب زمین سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بے خوفی سے بولا۔ "یہ سب گواہ ہیں کہ وہ مجھ سے نہیں، تم سے خوف زدہ تھی، اگر کہیں گئی ہے، تو تمہاری وجہ سے گئی ہے۔"
"میری وجہ سے۔" عیسیٰ نے بپھر کر ایک بھرپور تھپڑ اٹھ کر سامنے کھڑے ہو جانے والے سہراب کے گال پر جڑتے ہوئے شعلہ فشاں لہجے میں کہا۔
"تو دھمکا رہا تھا اسے کہ اس کی ساری چیٹ اور کالز لیک کر دے گا۔"
"کیسی چیٹ اور کون سی کالز....." وہ اس کا الزام یکسر رد کرتے ہوئے بولا۔
"میرا تو اس سے کوئی واسطہ ہی نہیں تھا، یہ تو تم ہو جو پہلے دن سے خود کو بچانے کی خاطر مسلسل مجھ پر الزام

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

تراشی کرتے چلے جارہے ہو۔ اور آج تو تم نے حد ہی پار کردی ہے۔ یعنی کہ اتنا گھناؤنا الزام۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے یہ۔" ریتا، سہراب کو کمک پہنچانے کی خاطر جلدی سے بولی۔ "یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے جو اس وقت ہم سب بھگت رہے ہیں۔ بتاؤ ذرا، نکاح کرنے آئے تھے۔ یہاں دلہن ہی بھاگ گئی۔"

"نہیں بھاگی، اس نے غائب کیا ہے۔" غراتا ہوا عیسیٰ ایک بار پھر اس پر پل پڑا۔

"آئے ہائے۔ کوئی تو روکو۔" سہراب صرف اپنا بچاؤ کررہا تھا، جواباً عیسیٰ پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا اس نے اور ہاتھ کیوں نہیں اٹھایا تھا؟ اس نکتے پر کسی کا دھیان نہیں گیا تھا اور جاتا بھی کیوں کہ فی الوقت سب ہی وریٰ کی گمشدگی کے سبب سخت متفکر و مضطرب سے تھے۔ ہوش تو اس پریشانی نے حقیقی معنوں میں شریفہ کے بھی اڑا دیے تھے مگر حواس ابھی سلامت تو تھے ہی کہ "وریٰ کے اس نامراد عاشق" کے ہاتھوں "اپنے متوقع داماد" کی مسلسل ہوتی تواضع نے انہیں تڑپ کر مداخلت کرنے پر مجبور کردیا تھا سو وہ بوکھلاہٹ زدہ سے لہجے میں، دم بخود سے کھڑے مرد حضرات کو مخاطب کرتے ہوئے بولیں۔

"یہ تو مار ڈالے گا بچے بے چارے کو۔"

"بس کرو یہ غنڈہ گردی۔" شریفہ کی آواز پر مفتاح اسے روکنے کو آگے بڑھا تو تھا مگر......

عیسیٰ پر تو اس وقت جیسے کوئی جنون سوار تھا، سو اس نے مفتاح کو ایک زوردار دھکا دے کر پرے کیا اور نزدیک پڑی کرسی اٹھا کر، سہراب کے سر پر مارنا چاہتا ہی تھا کہ تب ہی بری طرح روتی ہوئی تمی نے اسے پشت سے تھام لیا۔

"رک جاؤ عیسیٰ! ٹھہر جاؤ۔"

"ارے ہمرا نہیں تو مری ہوئی ماں ہی کا خیال کرلیو نے۔" بالی بولی تھی۔ اور جو بولی تھی، اس نے عیسیٰ کو جہاں کی تہاں ساکت کردیا۔

"اماں بیگم......اماں بیگم......" اور عین اسی وقت عارفہ کی دل خراش چیخ نے واضح کردیا کہ گوشہ عافیت سے آج ایک نہیں بلکہ "دوارواح" نے ناتا توڑ لیا تھا۔

☆☆☆

"ایک تو میں پہلے ہی اتنی مشکل سے آج لیکچر کے لیے خود کو تیار کرپائی تھی۔ اس پر تم نے مجھ سے سوال کرکے میری مشکل مزید بڑھادی۔"

شرر اس کے بلاوے پر کسی خیال سے دامن چھڑاتے ہوئے اس تک چلا آیا تھا۔ سارا ہال خالی ہوچکا تھا۔ صرف وہ اپنی وہیل چیئر پر جب کہ شرر پوڈیم کے ساتھ دھری چھوٹی میز پر ٹکا بیٹھا تھا۔

"تو کیا ضرورت تھی خود کو اس مشکل میں ڈالنے کی۔" اس نے ہال کی چھت پر نگاہ جما کر پوچھا۔

"میری بھلائی کی خاطر آتش نے مجھے اس مشکل میں ڈالا ہے۔" وہ بولی۔ ایسے لہجے میں جیسے خود اس بات سے اتفاق نہ کرتی ہو۔

"یعنی مشکل اپنے ساتھ بھلائی لے کر آتی ہے۔" وہ پتا نہیں کیا ڈھونڈ رہا تھا چھت پر۔

"کہنا کیا چاہتے ہو؟" وہ چونکی۔

"کچھ بھی نہیں۔" وہ بے تاثر سے لہجے میں بولا۔ "میں نے تو بس سوال کیا ہے تم سے۔"

"تو کیوں کررہے ہو سوال؟" وہ جھنجلا کر بولی۔ "کیا تمہیں لگتا ہے کہ اگر میرے پاس ایسے سوالات کے جواب ہوتے تو میں ان حالات میں پھنسی یہاں ہوتی؟"

"تو پھر اور کہاں ہوتیں؟"

اس سوال پر لی زی کی خواب ناک آنکھوں میں ایک پرسکون سے گھر کا منظر لحہ بھر کو ابھر کر معدوم ہوگیا۔

"کیا سوچنے لگیں؟"

"کچھ نہیں۔" وہ اداس ہوگئی۔

"بتانا نہیں چاہتیں؟" وہ سمجھ گیا۔

"ہم کوئی اور بات نہیں کرسکتے؟" وہ چڑ گئی۔

"ہم کوئی اور بات ہی کررہے تھے۔" اس نے تیوری چڑھا کر جتایا۔

"ہاں تو بس وہی بات کرو۔" وہ برا مان کر بولی۔ "اور پلیز...... نیکسٹ لیکچر میں تم مجھ سے کوئی سوال نہیں کروگے۔"

"میں نہیں کروں گا۔ پر لوگ تو کریں گے۔" اس نے آگاہ کیا۔

"میں سب کو منع کرچکی ہوں۔" وہ پریشان ہوگئی۔

"وہ باز نہیں آئیں گے کہ کرنے ہی آتے ہیں۔" وہ گمبھیرتا سے بولا۔ "جواب نہ ملنے پر ان کا اعتماد آتش کی بہترین اسٹوڈنٹ پر سے اٹھنے لگے گا۔ وہ بددل ہوجائیں گے۔"

"پھر اب کیا کیا جائے۔" کہہ تو وہ ٹھیک ہی رہا تھا۔ اس نہج پر تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ سو فکرمندی سے پوچھا۔

"تم چاہو تو میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں۔"

☆☆☆

"آنکھ سے گرنے والا ہر پانی اشک نہیں ہوتا، پر اس کا اصل پہچان پانا بڑے تجربے کی دین ہے۔"

"کیسا کھرا سچ لکھا تھا اس صفحے پر جسے پڑھ کر وہ سنجیدگی سے بے اختیار مسکرا دیا۔ دشواری تو یہی تھی کہ اسے آنسوؤں کا ہر رنگ بخوبی سمجھ میں تو آتا تھا، پر یہ صلاحیت اسے حاصل نہ ہوسکی تھی کہ وہ کسی اور کو بھی سمجھا سکے۔

"ہائے اللہ، اتنا گھٹیا الزام۔" عیسیٰ نے چوں کہ صاف طور پر اسے اسٹور سے نکلتے دیکھا نہیں تھا۔ مگر شک بہرحال مضبوط تھا۔ سو بہت محتاط الفاظ میں اس نے رات اسٹور سے نکل کر عقبی صحن کی جانب جانے والے کسی "ہیولے" کا ذکر کیا تھا اور بس......

چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق ریتا نے رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔

"میں کوئی گرے پڑے خاندان کی ہوں۔ میں نے کبھی زیور کپڑے نہیں دیکھے جو میں اپنے ہی گھر میں چوری کرتی پھروں گی۔"

"ارے نہیں دلہن۔" فیروزہ کو اس کے اس بری طرح رونے نے شرمندہ سا کردیا۔ "تم کا چوری کرنے کا، ضرورت ہی کا ہے نے، تم جو چاہو مانگ سکتی ہو۔"

"مگر میں نے مانگا کبھی؟" وہ سسک کر بولی۔ "ایسی ندیدی نہیں ہوں میں۔"

"اپنا دل کیوں خراب کرتی ہو۔" آنکھوں میں حد درجہ سنجیدگی لیے کھڑے عیسیٰ کو باقاعدہ تادیبی انداز سے گھور کر بالی ریتا کی دل جوئی کی خاطر بولی۔

"تم تو اتنا اچھی ہو کہ ہم تو اپنا سسرال میں بھی تمرا بہت تعریف کرتے ہیں نے۔ ایک ہمرا بڑ بھابھی ہیں جو اپنے بنے (دولہا) کو لے کر یہاں سے چمپت ہوگئیں۔ یہ تو تم ہی ہو جس کا دم سے ہمرا مائیکہ آباد ہے۔ بیمار ساس کا بھی خوب خدمت کی ہو اور ٹانگ ٹوٹے (ٹانگ ٹوٹے) دیور کا بھی۔ ہم تم کا نہیں جانتے ہیں کا۔"

"جانتے ہیں تو کیا ہوا؟" بالی اپنے حق میں کی جانے والی تحسین آمیز الفاظ پر مبنی تقریر سن کر وہ کچھ مطمئن سی ہوئی تو ضرور مگر لہجے سے دل گرفتی اور تاسف جانے نہ دیا۔ "پھر بھی اتنا بڑا الزام تو اس نے لگا دیا نا مجھ پر۔"

"تم پر الزام کہاں لگایا دلہن۔" فیروزہ نے عیسیٰ کا سنجیدہ چہرہ دیکھ کر اب کی بار اس کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

"وہ تو بس ایک بات کیا ہے نے کہ اس رات کسی کو اسٹور سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔ گھر میں تم ہی لوگ رہتے ہو اب تم لوگ سے نہیں نا پوچھے گا نے (تم لوگ سے نہیں پوچھے گا؟)"

"ہمیشہ کی طرح اس فسادی کی بے جا طرف داری مت کریں امی۔" عامر، جو اتنی دیر سے سر نیچے کیے، بائیں ہاتھ کا مکا سا بنا کر ہونٹوں پر رکھے خدا جانے کس سوچ میں گم تھا۔ فیروزہ کی اس بات پر ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"اس کے اس طرح پوچھنے کا مطلب صاف صاف وہی ہے جو ریتا نے کہا۔"

"وہن غلط فہمی ہے نے۔" فیروزہ بولیں۔ "تم اس کا سمجھانے کا بجائے ہم سے کھڑے بھیڑ (لڑ) رہے ہو۔"

"آپ سے تو کچھ کہنا سننا ہی فضول ہے۔" وہ تملا گیا۔ پھر مستقل روتی ہوئی ریتا کو مخاطب کر کے بولا۔

"چلو ادھر سے اب اس بے غیرت کا کوئی بھی کام کر کے دینے کی ضرورت نہیں۔"

☆☆☆

"آپ سب کے سامنے مار مار کر اس بدبخت نے میرے بچے کا حشر نشر کر دیا اور آپ کہہ رہی ہیں کہ اس سے کہو ایف آئی آر نہ کٹوائے۔"

گوشہ عافیت کی سمت روانہ ہونے والی مختصر سی بارات کا رنگ تو خیر پہلے ہی کچھ چوکھا نہ تھا، پر واپس تو یوں آئی تھی گویا لٹے پٹے سے قافلے کے مسافر ہوں...... ہر قدم شکستہ، ہر دل بھاری، ہر آنکھ نم......

ہاں مگر ریتا...... اس کے نہ قدم شکستہ تھے نہ ہی دل بھاری اور آنکھیں...... ان میں تسکین حاصل کر لینے کا نشہ چمک رہا تھا۔ سہراب کو عامر مرہم پٹی کروانے کی غرض سے اسپتال لے گیا تھا۔ وہاں سے وہ لوٹے تو نغمی، شونا اور بالی سیمیں تھیں جب کہ شانی کو اس کے شوہر نامدار اپنی تنگ پیشانی پر ہزار بل ڈالے گوشہ عافیت ہی سے گھر سے جا چکے تھے۔

شونا کو سہراب کی طرف سے خدشہ تھا کہ کہیں عیسیٰ کے خلاف ایف آئی آر نہ کٹوا دے۔ چنانچہ انہوں نے ریتا سے بات کی جس پر وہ آگ بگولہ سی ہو کر بولے گئی۔

تب نغمی نے ایک گہری نگاہ حد درجہ شرافت سے مرہم پٹی کروائے بیٹھے سہراب پر ڈالی اور گمبھیرتا سے پوچھا۔

"پر اسے سہراب پر شک کیوں ہوا۔ یہ بھی تو پتا چلنا چاہیے۔"

"کیا پتا چلنا چاہیے؟" اس بار عامر بھڑک کر بولا تھا۔ "کیا تم سب نہیں جانتے۔ اسے میرے سسرالیوں سے خدا واسطے کا بیر ہے۔"

"تو اور کیا۔" ریتا نے پھپھک کر رونے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "کیسے کیسے الزام لگا تا رہا ہے وہ میرے گھر والوں پر، اور اسے اب بھی چین نہیں۔"

"بات تو تمرا بھی ٹھیک ہے نے۔" بالی گردن ہلا کر بولی۔ وہ ہمیشہ کی طرح فوراً ہی عامر اور ریتا سے متفق ہو گئی تھی۔

"بات اگر ٹھیک ہے۔" ریتا اس کے ہاں میں ہاں ملانے پر مزید تنتناہٹ سے بولی۔ "تب ایف آئی آر بھی ضرور کٹے گی۔"

"نہیں خالہ......" دفعتاً سہراب بہت متانت سے لب کشا ہوا تھا۔ "میں کوئی ایف آئی آر نہیں کٹوانا چاہتا۔"

"ارے۔" ریتا نے اسے گھورا۔ "کیوں نہیں کٹوانا چاہتے، تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے سمجھے۔"

"بات ڈرنے کی نہیں۔" وہ جملہ حاضرین پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال کر بولا۔ "عزت کی ہے۔ ہم غیرت کے نام پر کٹ مرجاتے ہیں۔ اور میری غیرت کو یہ گوارا نہیں کہ اپنی خالہ کے دیور کو تھانے کچہری میں گھسیٹوں۔ اگر

ماہنامہ کرن

دسمبر 2023ء کے شمارے کی ایک جھلک

اداکارہ "سبینہ فاروق" سے ملاقات،

میزبان "شگفتہ یاسمین" کہتی ہیں "میری بھی سنیے"،

"تاش گھر" ایمل رضا کا سلسلہ وار ناول،

"دامنِ سحاب" مہوش افتخار کا سلسلہ وار ناول،

"اک یقین سا اس گماں میں تھا" آسیہ رئیس کا مکمل ناول،

"گھر گھروندہ" اُمِ اقصیٰ کا مکمل ناول،

"گنوا کر دل و جاں ہم" ام طیفور کا مکمل ناول،

"سپاس گزار" میمونہ صدف کا ناولٹ،

"اسی کا نام زندگی ہے" نظیر فاطمہ کا ناولٹ،

قرۃ العین خرم ہاشمی، مونا نقوی اور صبا واجد کے افسانے اور مستقل سلسلے،

"کرن کتاب"

دلچسپ معلوماتی مضامین اور مزیدار ریسپیز کے ساتھ

دسمبر 2023ء کا شمارہ شائع ہوگیا

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

اسے خاندان کی عزت کا احساس نہیں مجھے تو ہے۔"

"دیکھ لیا آپ لوگوں نے۔" ریتا تفاخر سے سہراب کو دیکھ کر انہیں شرمندہ کرنے والے لہجے میں بولی۔ "یہ ہوتے ہیں خاندانی اوصاف ...... اور آپ کا بھائی جو بڑا خاندانی بنا پھرتا ہے، معاف کیجیے گا۔ ہمیشہ اس نے خاندان کی ناک کٹوانے والے کام کیے ہیں۔"

"امی بگاڑ کر خود تو چلی گئیں۔" عامر حقارت سے بولا۔ "اب یہ بلا ہم سب کے سر پر چڑھ کر ناچ رہی ہے۔"

وہ دونوں بڑھ چڑھ کر اپنے من پسند موضوع پر بول رہے تھے اور ان کے سر جھکے جاتے تھے۔ واقعی ...... عیسیٰ نے ہمیشہ خاندان کو شرمندہ کرنے والے کام ہی تو کیے تھے۔

☆☆☆

"یہ کام چوری کا اچھا طریقہ ہے کہ کام بگاڑ کر رکھ دو تا کہ آئندہ کوئی کام کرنے کا کہہ ہی نہ سکے۔" رضیہ چولہے پر چڑھی دیگچی کا ڈھکن ہٹا کر دیکھنے کے بعد زور سے اسے پٹختے ہوئے بھنائی تھی۔

"کیا ہوا؟" خولہ کہ جس کے حواس تا حال بے قابو تھے اور جو اس وقت سر جھکا کر یوں پیاز کاٹنے میں منہمک تھی گویا ساری دنیا میں اسے بس یہی ایک کام ہو وہ رضیہ کی طیش زدہ آواز پر بے طرح چونک کر سر اٹھاتے ہوئے بولی تھی۔

"خود آ کر دیکھ کیا ہوا؟" رضیہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولی۔ تب اس نے میکانکی انداز میں چھری وہیں میز پر رکھی اور آ کر چنگی میں جھانکا ...... پھر بھی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ ہوا کیا ہے تب نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی اور اس کے اس طرح دیکھنے پر رضیہ کا پارہ چڑھ گیا۔

"میں نے تجھے میڈم کے لیے جو کا دلیہ چڑھانے کا کہا تھا۔" وہ بھڑک کر بولی۔ "اور تو نے ماش کی دال کو آگ لگا دی۔"

"اوہ ......" اس پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا۔

"کیا اوہ؟" رضیہ نے کمر پر ہاتھ رکھ لیا۔ "نہ آج تو مجھے بتا ہی دے کہ آخر یہ دھیان تیرا رہتا کہاں ہے؟ کیا وہیں فون میں؟"

"پلیز ...... پلیز ......" وہ ایک دم لجاجت سے دوہری ہو گئی۔ "آہستہ بولو رضیہ، کوئی سن لے گا۔"

"کوئی کیا سنے گا، میں خود سناؤں گی۔" رضیہ سفاکی سے بولی۔ "کتنے دن سے لارے لگا رکھے ہیں نہ وہ کام کرتی ہے نا ڈھنگ سے کوئی اور کام۔"

"یہ ...... یہ میں کر دیتی ہوں نا۔" وہ جلدی سے آگے بڑھی پر رضیہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکتے ہوئے بہت سخت سے لہجے میں کہا۔

"یہ میں کر لوں گی۔ تجھے جو کہنا ہے ہو بس وہ کر۔"

"رضیہ ...... رضیہ ......" وہ روہانسی ہو گئی۔ "یہ میرے لیے مشکل ہے، بہت مشکل۔"

"مشکل تو واقعی تیرے لیے ہے۔" رضیہ بناوٹی تاسف سے ہونٹ بھینچ کر بولی۔ "ایسے بھی اور ویسے بھی۔ اب تو فیصلہ کر لے کہ اپنے لیے تو نے کون سی مشکل چننی ہے۔"

☆☆☆

"ہر ادارے کے عقب میں کار فرما ہوتی بھلی یا بری نیت ...... اور دراصل یہ نیت ہی ہے کہ جس کے مطابق ابن آدم سے معاملہ کیا جاتا ہے ...... بظاہر یہ بہت سادہ سی بات ہے۔ مگر اسے سمجھنے میں زمانے لگ جاتے ہیں۔ اور بعضوں کو سمجھ میں پھر بھی نہیں آتا۔"

وہ سیاہ روشنائی سے تحریر کردہ ان سنہری الفاظ پر انگشت شہادت پھیر کر گویا راقم الحروف کے لمس شفقت کو محسوس کرنا چاہتا تھا۔ پھر پتا نہیں کیا ہوا کہ وہ ایک بیک ہی اداسی میں گھر گیا۔ دل میں جیسے کوئی بے رحم درد سا جاگا تھا۔

بے اماں رہ جانے، بے سائباں ہو جانے کا درد ...... جسے وہی محسوس کر سکتا ہے کہ جس نے خود پہ اسے جھیلا ہو۔ جیسے سنگ ہر دست میں ہو اور نشانہ۔

☆☆☆

"مت پوچھ کہ کیا لگ رہی تھی وہ لال اور ہری ساڑھی مجھ پر۔"

ریتا میکے کی ہفتہ وار "حاضری" کو آئی ہوئی تھی جہاں سوائے صاعقہ اور رخسانہ کے وہ ساری ہی موجود محفل میلہ لگائے بیٹھی تھیں۔

فیروزہ کی ساڑیاں اور زیورات "خود بخود" اڑ اڑ کر یہیں "منتقل" ہو رہے تھے۔ سو استفادہ بھی بھرپور کیا جا رہا تھا۔ یالی کو مطلوب سبز اور لال ساڑی، گزشتہ شب ہما نے لپیٹ کر اپنے سسرال میں کوئی تقریب بھگتائی تھی، اور اس وقت وہ روداد اسی کی تفاخر آمیز انداز میں ان سب کے گوش گزار کر رہی تھی۔

"کوئی نہیں پوچھ رہا۔" بھدے سراپے کی حامل نگینہ، ہما کی اتراہٹ پر جل بھن کر بولی۔ "ویسے بھی تو کوئی مادھوری تو لگ نہیں رہی ہو گی۔"

"اس سے کچھ کم بھی نہیں لگ رہی تھی۔" وہ اس کے سلگنے پر ٹھٹھا لگا کر بولی۔

"پتا ہے، جب دلاور کی بہن نے پوچھا کہ یہ کہاں سے لی تو میں نے بھی کہہ دیا۔ دلاور نے خاص طور پر مجھے انڈیا سے منگوا کر دی ہے، بچی ...... یہ سن کر برا سا منہ بن گیا تھا اس کا۔"

اپنی نند کی شان میں ادا کیے جانے والے اس کے جملے ان سب ہی کو بہت پسند آئے تھے۔ سو وہ ساری ہی دل کھول کر ہنس پڑی تھیں۔ ماسوائے ریتا کے۔

"تیرا منہ کیوں بنا ہوا ہے؟" نجمہ نے ٹہوکا دے کر پوچھا۔

"تو تو بات ہی مت کر مجھ سے۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"ہائے ہائے۔" ہما بولی۔ "کیا کر دیا اس نے؟"

"اس نے کیا کرنا تھا؟" ریتا جھلس کر بولی۔ "اس کے تو سائیں سے بھی کچھ نہ ہوا۔"

"کیوں کچھ نہ ہوا۔" نجمہ کو پتنگے لگ گئے۔ "ان ہی کے عمل سے تو ایکسیڈنٹ ہوا تھا اس مردود کا۔"

"نہ کرواتے تو بہتر تھا۔" وہ ہاتھ جوڑ کر ماتھے پر لگاتے ہوئے غصیلے لہجے میں بولی۔ "اس کے بعد سے تو وہ مسلسل گھر ہی میں پڑا ہوا ہے۔ اور گھر میں بیٹھے بیٹھے اسے مجھ پر نظر رکھنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں۔"

"وہ" والی نظر؟" ہما نے آنکھ دبا کر بے حیائی کی حد کرتے ہوئے پوچھا۔

"دماغ ٹھیک ہے تیرا؟" ریتا چڑ گئی۔ "بڑا شرم لحاظ والا ہے وہ۔"

اس نے بے ساختہ کہا تو وہ ساری یک زبان ہو کر ترنت چھیڑ خانی والے انداز میں بولیں۔

"اوہ ہو ......" انہوں نے اس کا "اوہ یہ" کو ضرورت سے زیادہ لمبا کھینچا تھا۔ پھر نجمہ پوچھنے لگی۔

"تعریف کر رہی ہے اس کی؟"

"مرد میں شرم لحاظ کا ہونا کوئی تعریفی بات ہے؟" وہ تمسخر سے بولی۔ "ارے مرد تو وہ ہے کہ جس کی موجودگی میں عورت خود کو سمیٹنے پر مجبور ہو جائے۔"

ان جیسی عورتوں کی لغت میں مرد کی یہی تعریف درج ہوتی ہے۔

حیوانوں کی طرح اخلاقیات کی دھجیاں اڑاتا اپنی منہ زور اشتعال خواہشات کی پیروی کرتا، سیاہ سفید سے

UUNovels.com

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

میرا..... ایک وحشی..... جسے کوئی اور نہیں بلکہ وہ خود "پال پوس" کر معاشرے میں کھلا چھوڑ دیتی ہیں کہ جاؤ اب جس کو چاہو روندتے پھرو۔

"یہ تو ٹھیک کہا تو نے۔" ہما بولی۔ "اور میں نے دیکھا ہے کہ وہ تو کسی عورت سے بات بھی نظریں نیچی کر کے کرتا ہے۔"

"اتنا غور کیوں کر لیا تو نے اس پر؟" نگینہ نے طنزیہ پوچھا۔

"غور کرنے کی کیا بات ہے، اتنا تو دکھ ہی جاتا ہے۔"

"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟" ہما نے نگینہ کو منہ بنا کر جواب دیا ہی تھا کہ تب ہی نیلی جینز پر خوش رنگ شرٹ پہنے شیمپو سے تازہ تازہ دھوئے گئے لمبے بالوں کو گردن پر گرائے، بیش قیمت پرفیوم میں بسا، خوش باش و بے فکرا سا ٹوٹی ادھر چلا آیا۔

"مل گئی فرصت تجھے دو گھڑی، بہنوں کے پاس آ کر بیٹھنے کی۔" نجمہ نے اسے دیکھتے ہی شکوہ کر ڈالا۔ تب وہ نزدیک پڑے موڑھے کو قریب گھسیٹ کر اس پر بیٹھتے ہوئے مسکراتے لہجے میں بولا۔

"ناراض کیوں ہوتی ہو؟ محنت کر رہا ہوں—— جب گڈیاں بھر بھر کر نوٹ تم لوگوں کو تھماؤں گا تب تم ہی لوگ خوش ہو گی۔"

"ہاں—— ہاں کیوں نہیں۔" نگینہ کے تصور میں غالباً ہرے نیلے نوٹ لہرا گئے تھے، تب ہی خوش گواری سے بولی۔

"کام کیسا چل رہا ہے تیرا؟" ہما نے نثار ہو جانے والی نظروں سے اپنے خوب رو بھائی کے سرخ و سفید چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کام تو ہٹ ہو گیا ہے۔" وہ دونوں انگوٹھے فتح مندی سے انہیں دکھا کر بولا۔ "پر سننے میں آیا ہے کہ اوپر سے آرڈر آئے ہیں۔ چھاپے وا پے پڑنے کا خدشہ ہے۔"

"اللہ نہ کرے۔" نجمہ بولی۔

"میں ختم دلواؤں گی۔ دیکھنا کچھ نہیں ہو گا۔"

"ہو بھی نہیں سکتا۔" وہ کالر اکڑا کر فلمی سے انداز میں بولا۔ "اپنے ہاتھ بڑے لمبے ہیں۔"

"ان لمبے ہاتھوں سے اس کمینے کا بھی تو کچھ کرنا۔" رینا بے چارگی سے بھرپور لہجے میں بولی۔ تو وہ چونکا۔

"کس کا؟"

"ارے اس عیسیٰ کی بات کر رہی ہے۔" نگینہ نے ناگوار سا منہ بنا کر بتایا۔

"اچھا..... اچھا تمہارا دیور۔" اس نے رینا کی جانب دیکھتے ہوئے یوں ہی پوچھا۔ "کیسا ہے وہ؟ اب ٹھیک ہے؟"

"دیکھ لو ذرا اس کی بے پروائی۔" رینا کلس کر بولی۔ "میں اسے اپنے دکھڑے سنا رہی ہوں اور یہ بیٹھا اس کی خیریت پوچھ رہا ہے۔"

"کیا کر دیا اس نے؟"

اس کے استفسار پر جب رینا نے اسے تفصیل بتائی تو وہ دفعتاً کچھ جذباتی سا ہو گیا۔

"ماں قسم۔" وہ خود کو سنجیدت تصور کرتے ہوئے بولا۔ "بس سمجھ لو ختم اس کی کہانی۔"

"کیا کرے گا تو؟" رینا کا چہرہ فرط انبساط سے تمتما اٹھا۔

"اپنا بزنس پارٹنر ہے نا شوبی۔" وہ پراسرار سے لہجے میں بتانے لگا۔ "وہ ایسے کارناموں کا ماہر ہے۔ اس

سے کہہ کر طبیعت صاف کرواؤں گا سالے کی....."

"سچ کہہ رہا ہے؟" رینا کو بڑا حوصلہ ہوا۔

گو کہ یہ اس "مصیبت" کا کوئی مستقل "حل" تو نہیں تھا مگر چلو..... جلتے بھنتے دل کو کچھ تو قرار ملتا۔

"ماں قسم....." وہ لہک کر بولا۔ "اپن پہلے کبھی جھوٹ بولا ہے کیا؟"

☆☆☆

"میں نے ایک بار آپ سے پوچھا تھا ناسر! کہ آپ کا نام آپ کے والدین نے عیسیٰ کیوں رکھا؟"

بادلوں کے تیور آج کوئی اور ہی کہانی سنا رہے تھے، پر وہ ان کی دل دہلا دینے والی گھن گرج سے یکسر بے نیاز، گوشہ عافیت سے نکل کر پیادہ ہی کہیں چل پڑا تھا۔ اسے فی الوقت کسی شے کا ہوش نہیں تھا۔ ہاں مگر اس کا، جس کا نام اب سے کچھ دیر بعد اس کے نام کے ساتھ جڑنا تھا۔ اور وہ نام اس ساعت مبارک کی آمد سے قبل ہی کہیں بے نشاں ہو گیا تھا۔

"میں بتاؤں، کیوں رکھا ہو گا؟" اس کی نگاہوں میں وہ آخری ملاقات اپنی پوری جزئیات کے ساتھ گھوم رہی تھی۔ اس روز وہ گلابی یا شاید کاسنی پیراہن میں ملبوس تھی۔

ہاں اس روز ہی تو اس نے بغور دیکھا تھا کہ اس کی سبزی مائل نیلگوں آنکھوں پر سایہ فگن گھنیری پلکیں لرزتی ہوئی کس قدر دل فریب لگتی ہیں اور وہ خلاف عادت جھجک کر ہم کلام ہوتی ہوئی وہ مورت..... کہ جسے اجتنا کی مورتی تو خود کو تراشنے والے تیشے سے خود اپنا آپ ریزہ ریزہ کر ڈالے۔

"سر! آپ میری بات سن رہے ہیں نا؟" وہ اس کے خود میں کھو جانے کو غالباً اس کی بے توجہی محمول کر بیٹھی تھی، تب ہی دوپٹے کا پلو انگشت شہادت پر لپیٹتے ہوئے اسے متوجہ کرنے کی غرض سے بولی۔

"ہوں....." وہ چونکا تھا۔ پھر اپنی نگاہ کو لگام ڈال کر سنجیدگی سے بولا۔

"تم کہتی رہو۔ میں سن رہا ہوں۔"

"سر..... آپ کا نام عیسیٰ ہے۔ اور عیسیٰ کا وصف مسیحائی ہے۔" وہ اس کے منہ سے اس قدر بامعنی جملہ سن کر کچھ اور غور سے اس کی بات سننے لگا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ۔

"اللہ نے شاید آپ کو میری ہی مدد کے لیے یہاں بھیجا تھا۔ میں ہی سمجھ نہیں سکی۔"

"کیسی مدد؟" وہ چونکا سا ہو کر بولا۔

"سر....." وہ بولی۔ "ایک سچ اس روز آپ نے مجھے بتایا تھا، اور ایک میں آج آپ کو بتانا چاہتی ہوں وہ..... وہ سہراب بالکل ویسا ہی ہے مجھے کہ آپ نے جسے اس کے بارے میں بتایا تھا۔ آپ نہیں..... وہ..... وہ مجھے ہراساں کرتا رہا ہے..... مجھے فون پر بات کرنے کے لیے، ملنے کے لیے بلیک میل کرتا ہے۔ میں بہت اذیت میں ہوں سر..... میں مر جاؤں گی۔" وہ بلک بلک کر رو دی کہ اس پورے جملے کی یہ آخری بات تو بہر حال سچ ہی تھی۔

"جانتا تھا۔" یہ سن کر اس کی کنپٹی کی رگیں کھنچ گئی تھیں۔ "میں جانتا تھا کہ وہ ٹریپ کر رہا ہے تمہیں۔ اس کی پوری ہسٹری سے واقف ہوں میں، اس لیے تمہیں باز رہنے کی تنبیہ بھی کی تھی..... مگر....." اس نے سخت برا فروختہ سے لہجے میں کہتے کہتے بات یوں ادھوری چھوڑ دی تھی گویا اسے ملامت کر رہا ہو پر وہ جیسے تڑپ کر بولی۔

"مگر کیا سر..... ایسا کچھ بھی نہیں تھا میرے اور اس کے درمیان جیسا کہ آپ سوچ رہے ہیں۔ ہاں مجھ سے یہ غلطی ضرور ہوئی کہ اس کا دیا فون میں نے گھبرا کر اپنے پاس رکھ لیا۔"

"رکھ لیا، اور بات بھی شروع کر دی۔" وہ غصے سے بولا۔ "تمہیں اس بات کے بارے میں فوراً گھر والوں

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

کو آگاہ کر دینا چاہیے تھا۔"

"گھر والے؟" وہ غم زدہ سے انداز میں بولی۔ "اگر میرے گھر والوں کو مجھ پر اتنا ہی یقین ہوتا میں اس مصیبت میں پھنستی ہی کیوں؟ جنہوں نے اب مجھ پر اعتبار نہیں کیا، وہ تب بھی نہیں کرتے۔"

وہ ان الفاظ میں پوشیدہ رنج کا احساس پا گیا تھا، اس درد کو سمجھ سکتا تھا، تب ہی اس کی اس بات پر وہ چند ثانیے کے لیے بالکل چپ رہ گیا مگر وہ مسلسل گویا تھی۔

"بظاہر یہاں میرے لیے سب اچھا ہے۔" وہ رنجور سے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"مگر ایک یتیم و یسیر کی حیثیت سے میں نے اس گھر میں کیسی زندگی گزاری ہے۔ یہ شاید میں آپ کو بتا نہ سکوں۔"

"میں سمجھ سکتا ہوں۔" وہ شناسا سی اداسی محسوس کرتے ہوئے بولا۔ "تم پریشان مت ہو..... یہ بتاؤ اب کیا چاہتی ہو؟"

"پہلے میرے چاہنے سے کچھ ہوا ہے جو اب ہوگا۔"

"مگر اس پریشانی سے نکلنے کی تدبیر کسی طور پر تو کرنا ہوگی۔" اس نے کہا۔

"تمہارے گھر والے مجھے تمہارا گناہ گار سمجھ رہے ہیں۔ مجھے الزام دینے کی راہ بھی اسی بدذات نے تمہیں سجھائی ہوگی؟"

"راہ نہیں سجھائی تھی۔" وہ مجرمانہ سے انداز میں سر جھکا کر بولی۔ "دھمکایا تھا کہ وہ میری چیٹ اور کالز گھر والوں کو پہنچا دے گا۔"

"گھٹیا انسان۔" عیسیٰ کی رگ وپے میں لاوا دوڑنے لگا۔

"ہاں وہ گھٹیا ہے۔" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔

"وہ کچھ بھی کر سکتا ہے اور یہاں کوئی میرا یقین نہیں کرے گا۔ یہ لوگ آپ کے انکار پر میری شادی کسی بڈھے یا دو چار بچوں کے باپ سے کر دیں گے..... مجھے بچالیں سر! مجھے اس سہراب سے بچالیں۔"

اور وہ عیسیٰ تھا..... سو اس نے مسیحائی کا ارادہ کر لیا تھا۔

اور اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی صورت صوفی صاحب سے مشورے کے بعد سامنے آئی تھی۔ اور یہ "صورت" اس درجہ بگڑ جائے گی۔ اس کا تو اس نے گمان تک نہ کیا تھا۔

موٹی موٹی بوندیں پڑتے ہی ہر طرف تاریکی کا راج ہو گیا تھا۔ اور وہ تاحال ہر شے سے بے نیاز سڑک پر تیز قدموں سے چلا جا رہا تھا کہ سامنے سے آتی کار نے اسے نزدیک آتے دیکھ کر جلدی سے بریک لگایا تھا۔

"ابے او..... اندھا ہے کیا؟"

نہیں..... وہ اندھا نہیں تھا..... پر کچھ تھا جسے دیکھنے سے وہ چوک گیا تھا..... کچھ تھا..... جسے وہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

☆☆☆

"کہتے ہیں کہ اگر آج تمام انسانوں کی یادداشت مٹا دی جائے اور تمام تر علوم کی کتب کو سرے سے تلف کر دیا جائے تو آج سے دو، تین سو سال بعد ہر حقیقی علم جیسے علم کیمیا، طبیعیات نباتات وغیرہ کی کتابیں پھر لکھ لی جائیں گی کہ حقیقت کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ حقائق کئی سو سال بعد بھی جوں کے توں رہیں گے۔ ہاں مگر مذہبی کتابیں..... وہ کہیں نہیں ہوں گی۔ اولاً تو ان کتابوں کا وجود ہی نہیں ہوگا۔ اور اگر ہوا بھی تو ان کا متن آج کی مذہبی کتابوں سے یکسر مختلف ہوگا۔"

بی، ذی آج پہلے دن کی بہ نسبت زیادہ پراعتماد اور اعصابی طور پر پرسکون تھی سو بڑی ٹھہری ہوئی آواز میں کہتی چلی گئی۔

"میم..... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" شلوار قمیص میں ملبوس، چہرے پر ہلکی ہلکی داڑھی لیے، وہ جو کوئی بھی تھا، جیسے تڑپ کر بولا تھا۔ "دیگر کا تو پتا نہیں، مگر ایک کتاب" ایسی بھی ہے جس کا ایک ایک لفظ کئی سو سال گزر جانے کے بعد بھی جوں کا توں موجود ہے اور تا قیامت یوں ہی رہے گا۔"

تب بی، ذی نے اس کہنے والے کی جانب کسی قدر ناگواری سے دیکھا اور بنا سوچے سمجھے ایک ایسا جملہ کہہ گئی کہ جس نے یکا یک سارے ہال میں بے چینی سی پھیلا دی۔

پھر اس کے بعد تو اس پر سوالات کے ایسے ایسے تیر پھینکے گئے کہ وہ حقیقتاً بوکھلا اٹھی۔

تب اس نے سامنے کی صف میں کرسی سے پشت ٹکائے اپنے مخصوص پرسکون و مطمئن سے انداز میں بیٹھے شرر کو امداد طلب نگاہوں سے دیکھا اور اسٹیج پر آنے کا خفیف سا اشارہ کیا۔

سو وہ اٹھا..... اور بے نیازی سے اس تک آیا۔ اور ایک بے حد سنجیدہ سی نگاہ اس کے حواس باختہ چہرے پر ڈالی۔ پھر اس کے بعد اپنا رخ سامنے ہال کی جانب کر کے بہت صاف اور واضح آواز میں کہنا شروع ہوا۔

"دوستو! مجھے اس خوش فہمی سے مت نکالیے کہ آپ لوگ تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہیں۔"

"تعلیم یافتہ ہونے اور روشن خیالی کا مطلب اپنے عقیدے سے پھرنا نہیں ہوتا شرر صاحب۔" فاروق احمد جو آج یہاں موجود تھا، گمبھیرتا سے بولا۔

"اور عقیدہ فہم و فراست سے بالاتر بھی نہیں ہوتا۔"

"کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

"ابھی تو بس اتنا ہی کہ بی ذی جو کہنا چاہتی تھیں، آپ لوگ صحیح طور پر سمجھ نہیں سکے۔" اس نے اپنے کشادہ سینے پر دونوں ہاتھ باندھتے ہوئے بہت اطمینان سے بی ذی کا مقدمہ لڑنے کی ابتدا کرتے ہوئے کہا۔

"تو آپ سمجھا دیں۔" کسی نے ناخوش گواری سے کہا تو وہ ترنت بولا۔

"ضرور سمجھاؤں گا۔ پر آج نہیں، آئندہ نشست میں۔"

☆☆☆

"ہائے لیاں بیگم..... ایسے بھی بھلا کوئی جاتا ہے۔" کل جہاں خوشیوں کا سماں تھا، آج وہاں آہیں سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔

لیاقت بیگم نے جسے دل سے لگا لگا کر رکھا تھا، وہی ان کا دل نکال کر لے گئی تھی۔ اور پیچھے رہ گیا تھا وہ جسد خاکی جو اس وقت سفید کفن میں لپٹا گوشہ عافیت کے لاؤنج کے بیچوں بیچ رکھا تھا۔

زندگی کی اٹل حقیقت نگاہوں کے سامنے تھی۔

لیاقت بیگم سے عارفہ کا رشتہ ساس بہو سے کہیں بڑھ کر تھا، سو انہیں غش پر غش آ رہے تھے۔ مسلسل روتی ہوئی رجا اور واٹلہ انہیں سنبھالنے میں ہلکان تھیں۔ عینا کی بگڑ جانے والی طبیعت کے پیش نظر شریفہ نے اسے کل رات ہی واپس بھجوا دیا تھا۔

وہ خود اس وقت لیاقت بیگم کے بے جان وجود کے پاس اس قدر خاموش بیٹھی ہوئی تھیں گویا بولنا جانتی ہی نہ ہوں۔

ایک جیتی جاگتی زندگی کو اپنے سامنے بے یار و مددگار لیٹے دیکھنا بھلا کوئی آسان بات تھی۔

"سنا ہے نواسی بھاگ گئی گھر سے، اس کا صدمہ بے چاری کی جان لے گیا۔"

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

"چچ..... چچ..... اللہ یہ دن کسی دشمن کو بھی نہ دکھائے۔"

"زمانہ بڑا خراب آن لگا ہے۔ بچیوں پر کڑی نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔" جنازے میں شرکت کی غرض سے آئی بیٹھی عورتیں سرگوشیوں میں محو گفتگو تھیں۔ باہر مردانے کا ماحول بھی کچھ مختلف نہ تھا۔

"گمشدگی کی رپورٹ درج کروائی عارف میاں۔" دہرے صدمے سے چور، کندھے جھکائے، آنکھیں جھکائے بیٹھے عارف سے ان کے بھوگی زاد نے پوچھا۔

"بات کی ہے میں نے اپنے دوست سے۔" وہ بہت مدھم لہجے میں بتانے لگے۔ "پولیس میں ہوتا ہے وہ، اس کے مشورے سے آگے بڑھیں گے۔"

"بس اللہ رحم فرمائے۔" کسی اور نے تبصرہ کیا۔ "بچی تو ایک رات بھی باہر گزارے تو سب کچھ ختم سمجھو۔"

اس تبصرے پر ان کے برابر میں بیٹھے شریف احمد جیسے ڈھے سے گئے تھے۔ عرعم اور مفتاح الگ زمانے بھرے سے نظریں چرائے چرائے پھر رہے تھے۔

"یہ کیا کرگئی ہو وریا۔" مفتاح کے دل میں ہوک اٹھی۔ "یہ کیا کرگئی ہو۔"

☆☆☆

"ہر بد خو شخص کو لے ڈوبتی ہیں خود اس کی بداعمالیاں، مگر پھر بھی وہ اپنی سیاہ کاریوں سے باز نہیں آتا۔"

اس نے یہ پڑھتے ہی ڈائری ایک دم بند کر کے ایک جانب رکھ دی تھی۔ اس کے روم روم میں جیسے اضطراب سرگرداں ہو گیا تھا۔

واقعی ــــ کوئی کوئی ــــ بلکہ اکثر تو نتیجہ بھگت لینے کے باوجود بھی اپنی روش نہیں بدلتے۔ بلکہ خود کو پہنچنے والی ہر تکلیف، ہر غم کا ذمے دار دوسروں کو گردانتے لگتے ہیں۔ جیسے کہ کچھ سال قبل ــــ دھرا گیا تھا ایک الزام ــــ اس کے سر پر۔

"ہائے حاسدوں کی نظر کھا گئی اسے۔"

وہ دن چھٹی تھا اور وہ ساری بڑے عرصے بعد اپنے میکے میں اکٹھا ہوئی تھیں۔ ساڑھیوں اور زیورات کی برابر ارگمشدگی کا قصہ بھی تازہ تھا۔ سورینا آج بڑھ بڑھ کر ان کی خاطر مدارت کر رہی تھی کہ خود پر عیسیٰ کے لگائے گئے "گھناؤنے الزام" کو اس نے غلط بھی تو ثابت کرنا تھا۔ بہرکیف۔

اس نے مٹن بریانی اور چپلی کباب بنائے تھے اور اب میز لگانے جا رہی تھی کہ میکے سے موصول ہونے والی اس کال نے اس کے پیروں تلے سے زمین نکال دی۔

"ہائے میرا ہیرو جیسا بھائی، ہائے میرا شہزادہ۔"

"کیا ہوا؟ کیا ہو گیا؟" اس کی دل خراش چیخیں سن کر وہ ساری افتاں و خیزاں سی وہیں دوڑی آئی تھیں۔

"پولیس نے غلط فہمی کی بنا پر گولی ماردی ٹونی کو۔" بہنوں کے استفسار کا جواب سنجیدگی سے عامر نے دیا تھا۔ جسے سن کر بالی تو باقاعدہ چکرا گئی۔

"ہائے اللہ اتنا جوان موت۔"

"بہت برا ہوا؟" شونا بولیں۔

"اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔" نغمی افسردگی سے بولی جب کہ شانی بے ساختہ رو پڑی تھی۔

"تمہاری غلط فہمی کو اللہ غارت کرے۔" رینا سر پیٹ پیٹ کر رو رہی تھی۔ اور سچ یہ تھا کہ کوئی غلط فہمی نہیں۔ بلکہ پولیس کے خفیہ اہلکار بہت دن سے اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

لہٰذا بڑے منظم طریقے سے چھاپا مارا تھا پولیس نے۔ ٹونی اور اس کے کاروباری ساتھی شوبی کی نیو کراچی

میں واقع چھوٹی سی فیکٹری پر جہاں نقلی دوائیاں بڑے اہتمام سے "اصلی" دکھائی دینے والے ڈبوں میں پیک کی جا رہی تھیں۔ جس سے مخصوص مستند دوا ساز ادارے کی ساکھ بڑی بری طرح متاثر ہو رہی تھی اور یہ کارروائی دراصل اسی ادارے کے زور لگانے پر کی گئی تھی۔

برا یہ ہوا کہ ان لوگوں نے گرفتاری دینے کے بجائے پتا نہیں کس زعم میں مقابلہ شروع کر دیا اور اس کے بعد اس مقابلے کا منطقی انجام وہی ہوا جو ہو سکتا تھا۔ شوبی فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا جب کہ ٹونی موقع پر ہی مارا گیا۔

"ارے اس کی ترقی برداشت نہیں ہوئی دشمنوں سے۔" تھا تو مقام عبرت مگر اب بھی وہ "عبرت" کے بجائے کچھ اور ہی "حاصل" کرنے میں جتی تھی۔

"دل جل کر خاک ہو گیا کہ ہم تو اب تک یہاں وہاں ٹامک ٹوئیاں مارتے پھر رہے ہیں وہ اتنی سی عمر میں اتنے بڑے کاروبار کا مالک کیسے بن بیٹھا۔"

اور اس سے کچھ دیر بعد جب وہ لوگ ٹونی کی تجہیز و تکفین کے سلسلے میں گھر سے روانہ ہو رہے تھے تب عیسیٰ کے پاس آ کر عامر بہت کھردرے لہجے میں بولا۔

"تمہیں ٹونی کے جنازے میں شریک ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"کیوں؟" وہ چونکا۔

"اس کی مخبری تم ہی نے کی تھی نا؟"

"کیا بات کر رہے ہیں۔" عیسیٰ کا ماتھا پر شکن ہو گیا۔ "میں کیوں کروں گا۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کیا کام کرتا رہا ہے۔"

"ڈرامے بازی مت کرو۔" عامر نے دانت پیسے۔ "سب جانتا ہوں میں ــــ کچھ دن پہلے جب تم سامنے والے چائے کے ڈھابے پر بیٹھے تھے، وہاں ایک آدمی تم سے ٹونی کے بارے میں نہیں پوچھ رہا تھا۔"

"ہاں پوچھ رہا تھا۔" اسے یاد آ گیا۔ وہ بھی کبھار گھر سے نکل کر دھیرے دھیرے چلتا ہوا سامنے واقع چائے کے ہوٹل پر جا بیٹھتا تھا۔

وہ لمبا تڑنگا خوش گوار طبیعت کا آدمی اسے وہیں ملا تھا۔

"کیا پوچھا تھا اس نے؟" عامر نے خوں خوار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس لہجے میں استفسار کیا گویا ٹونی کے مارے جانے میں صد فیصد اس کا ہاتھ ہو۔

"باتوں باتوں میں اس نے ٹونی کا ذکر کر نکال کر بس اس سے میرا رشتہ پوچھا تھا۔ اور کچھ نہیں۔" عیسیٰ صاف گوئی سے بولا تو عامر آتش فشاں بن گیا۔

"زیادہ ہوشیاری مت کرو عیسیٰ۔ جانتا ہوں میں تمہیں ..... بڑا بھائی ہوں تمہارا۔"

"بڑے بھائی ہیں تو بڑے بھائی بن کر بات کیجیے۔" عیسیٰ کھردرے لہجے میں بولا۔ "مرحوم کے بہنوئی بن کر نہیں۔"

"بکواس بند کرو۔" عامر دھاڑا۔ "اور میں کہہ رہا ہوں ..... تمہیں جنازے میں شریک ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"ضرورت کا تو پتا نہیں۔" وہ یاسیت زدہ سے انداز میں مسکرایا۔

"اور شاید میں نہیں بھی جاتا مگر اب ضرور جاؤں گا۔ کیونکہ میرا اس معاملے سے کچھ لینا دینا نہیں۔"

☆☆☆

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

"تم سے تو بہت دوستی تھی اس کی۔"

لیاقت بیگم کو گوشہ عافیت سے رہائی ختم ہوئے آج بارہ روز مکمل ہو گئے تھے، اور وری کو "گم" ہوئے تیرہ دن۔

مگر تا حال یہاں کچھ بھی معمول پر نہ آسکا تھا۔ اور آتا بھی کیوں کہ زلزلے صرف اینٹ گارے سے بنی عمارت کی بنیاد ہی تو نہیں ہلاتے۔

شریف احمد نے اپنے دوست کی صلاح پوری کی گمشدگی کی رپورٹ درج کروادی تھی۔

یوں اس کی تلاش شروع ہو چکی تھی پر اب تک اس کا پتا نہ مل سکا تھا۔ ایک گہری خاموشی نے گوشہ عافیت کا احاطہ کر رکھا تھا۔ وہ سارے ہی ایک دوسرے کو مخاطب کرنے سے کتراتے پھر رہے تھے۔ مگر کب تک؟"

یہ مغرب کے بعد کا وقت تھا۔ پرشکن لباس اور متورم آنکھوں والی رجائیں پر کھڑی سامنے افق پر پھیلے سرمئی رنگ کو سیاہ سے شکست کھاتے دیکھ رہی تھی کہ تب ہی مفتاح ادھر آنکلا۔ اور بہت نامحسوس انداز سے اس کے برابر میں کھڑا ہو کر سوال کرنے کی خاطر نہیں بلکہ بس یوں ہی، پر سوچ سے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"کیا اس نے بھی تم سے کچھ نہیں کہا کہ ان دنوں وہ کیا سوچ رہی ہے۔" رجا کو اس کی آواز نے چونکا دیا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ نام لیے بغیر بھی جانتی تھی کہ وہ کس کی بات پوچھ رہا ہے سو ایک گہری سی ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"نہیں۔"

"پر کیوں رجا؟" وہ بے بسی بھرے لہجے میں بولا۔ "آخر وہ خود کو کیوں اس قدر تنہا سمجھنے لگی تھی؟"

"شاید..... ہم نے..... اپنے رویوں سے..... اسے تنہا کر دیا تھا۔"

وہ رک رک کر بولی کہ یہ احساس ندامت اب اسے دن رات کچوکے لگا رہا تھا کہ اگر اس کا برتاؤ وری سے "پہلے ہی" کی طرح ہوتا تو شاید ان سب کا اتنا بڑا نقصان نہ ہوا ہوتا۔ شاید وہ اس کی سوچ تک رسائی پا لیتی۔ شاید وہ اپنے احساسات اس سے بانٹ لیتی..... شاید۔

"تنہا کس نے کیا تھا اسے رجا؟" وہ بولا۔

"میں تو اس کا ساتھ دینا چاہتا تھا، پر اسے شاید مجھ پر اعتبار نہیں تھا۔"

مفتاح کی اس بات پر اس کے دل نے اذیت کا ایک نیا ذائقہ چکھا تھا، تاہم کچھ نہ بولی۔ مگر مفتاح کے اندر بہت شور تھا تب ہی وہ کچھ بے قراری سے اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"رجا..... تم اس طرح چپ کیوں کھڑی ہو۔ کوئی بات کرو نا مجھ سے، ورنہ یہ سوچ سوچ کر میرا دماغ پھٹ جائے گا کہ وہ اس ذلیل آدمی کی وجہ سے کہیں چلی گئی اور ہم کچھ نہ کر سکے۔ مگر تم دیکھنا۔ میں اس کمینے کو جان سے مار دوں گا۔"

"نہیں مفتاح! نہیں۔" اس کے عزائم جان کر رجا خوف سے تڑپ کر بولی۔ "تم ایسا کچھ نہیں کرو گے، پولیس اسے تلاش کر رہی ہے نا..... ان شاء اللہ جلد مل جائے گی وہ۔"

"جانتا ہوں، ہماری پولیس کتنی ایفی شنٹ ہے۔" وہ طنز یہ بولا۔

"وہ جو کر رہے ہیں، کرنے دو، پر اپنے طور پر ہمیں بھی کچھ کوشش کرنی چاہیے نا۔"

"ہم کیا کر سکتے ہیں مفتاح؟" وہ پست سے لہجے میں بولی۔

"تم اس کی الماری، دراز، کپ بورڈ، لاکر سب دیکھو۔" وہ پر سوچ لہجے میں بولا۔ "شاید وہاں سے کوئی کلیو مل جائے۔"

"پولیس کی ٹیم آئی تو تھی اس روز اس کے سامان کی تلاشی لینے۔" رجا نے گمبھیرتا سے یاد دہانی کروائی۔

"وہاں سے تو ایسا کچھ بھی نہیں ملا تھا مفتاح!"

"ہاں واقعی....." اس کا سارا جوش و خروش ماند پڑ گیا۔ "ملا تو واقعی وہاں سے کچھ بھی نہیں تھا..... مگر تم دیکھنا..... وہاں ایک سونے کی انگوٹھی موجود ہو گی۔ وہ مجھے واپس لا دو۔"

"وہی انگوٹھی جو تم نے اسے دی تھی۔" اس کی آنکھوں میں جلن سی ہونے لگی۔ اور دل میں چبھن۔

"میں نے نہیں۔" وہ حد درجہ غم زدہ سے لہجے میں بولا۔ "عباد بھائی نے۔"

"ای..... عباد بھائی نے؟" وہ یہ سن کر پوری کی پوری اس کی جانب گھومی تھی۔

"ہاں رجا۔" وہ شکست خوردہ سے لہجے میں بولا۔ "وری عباد بھائی کی محبت تھی۔ مگر مام نے۔" وہ نجانے کس احساس کے تحت اسے تفصیل سے آگاہ کرتا گیا اور رجا کو لگا۔

اب تا عمر وہ خود کو آئینے میں نہ دیکھ پائے گی۔

☆☆☆

اور اس نے بہت سوچ بچار کے بعد اپنے لیے نسبتاً آسان مشکل چننے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

بی ذی اس وقت لیکچر میں مصروف تھی۔ اور اس نے اگلے دو ڈھائی گھنٹے وہیں ہال میں مصروف رہنا تھا سو وہ موقع پا کر کمرے میں چلی آئی اور احتیاطاً دروازہ بٹن دبا کر مقفل کرتے ہوئے لاکٹ کی تلاش میں بی ذی کے سرہانے کی طرف بڑھی کہ وہ اپنا لاکٹ وہیں رکھا کرتی تھی۔ مگر یہ کیا؟ لاکٹ تو وہاں نہیں تھا۔

"پھر کہاں ہو سکتا ہے۔" وہ پریشانی سے سوچنے لگی۔ بی ذی کا سارا سامان وہی ترتیب دیتی تھی سو اس لاکٹ کی وہاں موجودگی کا امکان تو صفر تھا۔ ہاں البتہ جب سے وہ خود کار کرسی استعمال کرنے لگی تھی۔

"ہو نہ ہو اسی میں رکھا ہو گا۔ لیکن کہیں وہ دراز لاک نہ کر رکھی ہو۔" وہ سوچتی ہوئی سائیڈ ٹیبل تک آئی اور ذرا سا جھک کر دراز کا ہینڈل کھینچا۔

دراز مقفل نہیں تھی سو بڑے آرام سے کھلتی گئی۔

ہیئر برش، لپ گلوس، ہینڈ لوشن، چھوٹا پاؤچ، موئسچرائزر ہم جیک کی امپورٹڈ چیونگم، اس میں بہت کچھ رکھا تھا۔ پر وہ کہیں دکھائی نہ دے رہا تھا کہ جس کی وہ متلاشی تھی۔

"کہاں ہے؟ کہاں ہے وہ لاکٹ۔" اس نے بے چینی سے سوچتے ہوئے اندر پڑا ایک گلابی پھول دار رومال اٹھایا اور اس کے ساتھ ہی کوئی بھاری سی چیز ٹھک کی آواز سے دراز میں جا گری۔

خوف ٹھٹک کر اپنی جگہ ساکت ہو گئی کہ آنکھوں کو خیرہ کرتے پینڈنٹ والا لاکٹ نگاہ کے سامنے تھا۔ اس نے محسوس کیا جیسے اس کا پورا وجود کسی زلزلے کی زد میں آ گیا ہو۔

"یہ غلط ہے، یہ گناہ ہے۔" کوئی اس کے اندر سے چلایا تھا۔ اس نے لاکٹ اٹھانے کے لیے اپنا ارتعاش زدہ ہاتھ آگے بڑھایا۔

"یہ گناہ ہے..... گناہ ہے۔ شریعت میں چوری کی سزا ہاتھ سے محروم ہونا ہے۔" اس کے اندر شور بڑھتا جا رہا تھا۔

"اور قاتل کی؟" کسی نے بہت طنزیہ انداز سے قہقہہ لگا کر پوچھا اور وہ جہاں کی تہاں برف بن گئی۔

اور ٹھیک اسی لمحے کسی نے کھٹ سے کمرے کا مقفل دروازہ دوسری طرف سے کھولا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

قرۃ العین خرم ہاشمی

بابل ہا آنگن

"ماشاء اللہ! خیر سے آج چھوٹی بہو کی کھیر پکائی کی رسم بھی ادا ہوگئی ہے۔ کچھ باتیں میں واضح کرنا چاہتی ہوں۔"

راشدہ بیگم کی پاٹ دار آواز نے صحن میں بیٹھے سب لوگوں کو یک دم خاموش کردیا۔ سب گردن گھما کر ان کے سنجیدہ چہرے کی طرف دیکھنے لگے جبکہ چھوٹی بہو یعنی نائلہ گھبرا گئی کہ نجانے ساس کیا نیا حکم صادر فرمانے لگی ہیں۔ اس نے کچھ دور بیٹھے اپنے شوہر محسن کی طرف دیکھا جس نے مسکرا کر تسلی دی۔ جبکہ بڑی دونوں بہوویں فرحانہ اور طاہرہ نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

کئی سال پہلے وہ بھی ان دیکھے بھالے مناظر سے گزر چکی تھیں۔ اس لیے مطمئن ہو کر مزے دار کھیر کھاتی رہیں جبکہ ان کے بچوں نے صحن میں اودھم مچا رکھا تھا۔ نائلہ کی بیاہی دو عدد نندیں بھی اپنے بال بچوں کے ساتھ صبح سے میکے آئی ہوئی تھیں۔ حمیرا اور نادیہ ماں کے دائیں بائیں بیٹھی تھیں۔

"آج سے اس گھر کی ذمہ داری بڑی دو بہوؤں کی طرح تم بھی بانٹو گی۔ مجھے امید ہے کہ تم پوری ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے حصے کے کام سرانجام دو گی۔" راشدہ بیگم نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا۔

"جی ضرور! میں سب کام دیکھ لوں گی۔"

نائلہ نے جلدی سے کہا تو راشدہ بیگم نے اسے گھورا، کیونکہ اس کی تیز رفتاری میں ان کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔

"ابھی میری بات مکمل نہیں ہوئی۔"

انھوں نے ٹوکا تو وہ شرمندہ ہوگئی، جب کہ حمیرا اور نادیہ ایسے ہنسیں جیسے اس سے زیادہ مزاحیہ بات پہلے نہیں سنی تھی۔ نائلہ کو برا لگا مگر ضبط کرگئی۔

"ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ میری دونوں بیٹیوں کے لیے، بابل کا آنگن ہمیشہ وسیع اور کشادہ رہے گا۔ میری بچیاں جب چاہیں، جتنے دن چاہیں یہاں آکر رہیں گی۔ کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ بڑی دونوں بہوؤں نے بھی اس بات کو خوش دلی سے قبول کیا تھا۔ میں تم سے بھی اسی سوچ کی امید رکھتی ہوں۔"

راشدہ بیگم نے بات ختم کی تو نائلہ سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی کہ شاید آگے بھی کچھ کہنا ہے۔ اس کی سادگی دیکھ کر راشدہ بیگم جز بز ہو کر رہ گئیں۔

"یہ تو بہت معمولی سی بات ہے۔ میں سمجھی کہ شاید آپ نے کچھ خاص کہنا ہے۔"

نائلہ نے جلدی سے کہا تو وہ تینوں چونک گئیں جبکہ طاہرہ اور فرحانہ کا دل کیا اپنا سر پیٹ لیں۔

"اسے ابھی اندازہ نہیں کہ محبت کے ایسے پہاڑ سر کرنا کتنا مشکل کام ہے۔" فرحانہ بڑبڑائی۔ طاہرہ نے بھی سر ہلایا۔

"ہماری چھوٹی بہو تو بہت سمجھ دار ہے۔ میں تو نماز پڑھنے جارہا ہوں۔ محسن! تم بھی ساتھ چلو۔ عثمان اور انور دکان سے واپسی پر مسجد ہی آجائیں گے۔"

عبدالرحمان نے، اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے نائلہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی اور وضو کرنے کے لیے چلے گئے۔ نائلہ نے مسکرا کر محسن کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر بھی اسے دیکھ کر روشن مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ ان دونوں کی روشن مسکراہٹ راشدہ بیگم کے ساتھ ساتھ حمیرا اور نادیہ کی آنکھوں میں بھی چبھی تھی۔

☆☆☆

"یہ کیا بنا رہی ہو؟" طاہرہ اور فرحانہ کھانے کے برتن اٹھا کر کچن میں آئیں تو نائلہ کو مصروف دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"طاہرہ بھابھی! نادیہ باجی کے بچوں نے ٹھیک سے کھانا نہیں کھایا ہے، ان کے لیے چپس بنا رہی ہوں۔" نائلہ نے جلدی سے کہا۔

"کھانا تو ٹھیک ہی کھایا ہے، مگر ان کی عادت ہے ہر وقت فرمائشیں کرنے کی۔ اسی لیے پہلے ہی منع کردیا کرو۔ بعد میں بہت تنگ ہوگی۔"

فرحانہ نے جھوٹے برتن سنک میں رکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں! بچے ہیں۔" نائلہ نے لاپروائی سے کہا تو وہ دونوں سر جھٹک کر جلدی سے کچن صاف کرنے لگیں۔

وہ سب دوپہر کا کھانا کھا کر فارغ ہوئے تھے۔ تین طرح کے سالن، چاول، شامی کباب، رائتہ سلاد کے باوجود بھی بچوں نے مختلف فرمائشیں کر کے ان کا ناک میں دم کیا ہوا تھا۔

حمیرا کے چار بچے تھے جن کی عمریں چھ سال سے بارہ سال کے درمیان تھیں جبکہ نادیہ کے تین بچے تھے جو چار سال سے سات سال کے درمیان تھے۔

دونوں کے ہی بچے بہت ضدی اور شرارتی تھے کیونکہ نانی کے گھر آکر انھیں ایسے آزادی مل جاتی تھی جیسے قید سے آزاد ہوئے ہوں۔ یہاں تین تین ممانیاں، مستعد خادموں کی طرح ان کے آگے پیچھے پھرتی تھیں۔ اپنے گھروں میں تو مائیں ایک سے دوسری فرمائش پر دو ہاتھ جڑ دیتیں، مگر یہاں ان کا درجہ شہزادے، شہزادیوں والا تھا۔ نانی اور نانا تو

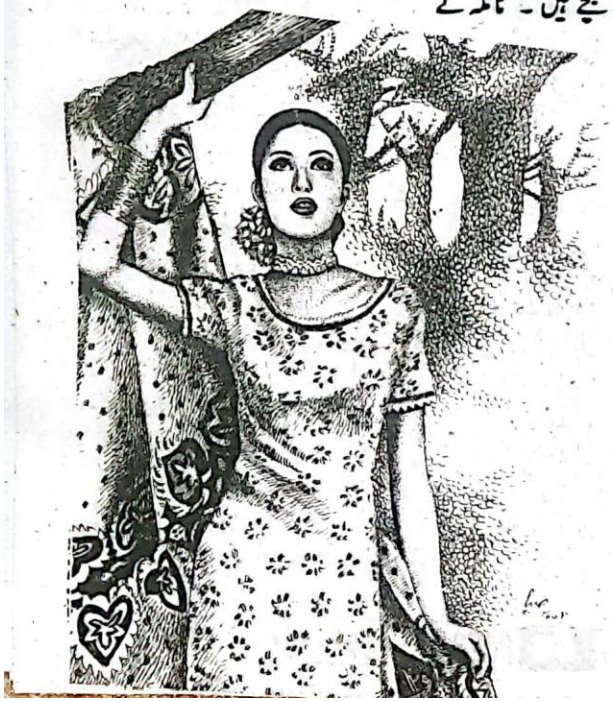

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

دیوانے تھے ہی، تینوں ماموں بھی نانی کے حکم کی ڈگڈگی پر ان کو خوش رکھنے کے لیے کرتب دکھاتے۔

فرحانہ اور طاہرہ نے کئی سال یہ تماشا دیکھا مگر اب ان کے بچے لڑکپن کی حدود میں داخل ہو رہے تھے۔ بہت سی باتیں اور چیزیں ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھیں کیونکہ اب ان کے سامنے اپنی اولاد کھڑی تھی، جس کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھیں۔ اس کے لیے اب فیصلہ کن مراحل آ چکے تھے۔ بس اعلان کرنا باقی رہتا تھا۔

☆☆☆

شدید گرمی کی طویل دوپہریں تھیں۔ جوائنٹ فیملی ہونے کی وجہ سے صبح ناشتے سے لے کر رات کے کھانے تک کاموں کی طویل لسٹ ان کی منتظر تھی۔ نادیہ اور حمیرا کے میکے آ کر رہنے سے کاموں کا بوجھ بڑھ جاتا۔ نائلہ سب کاموں سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آئی تو بیڈ پر، نادیہ کو تینوں بچوں کے ساتھ آرام کرتا دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"ہمارے کمرے کا اے سی کام نہیں کر رہا۔ اس لیے ہم یہاں سونے کے لیے آ گئے۔"

نادیہ نے اطمینان سے جواب دیا۔ نائلہ جو پہلے ہی گرمی میں جھلستی آئی تھی، اس بات پر تپ گئی کہ اگر وہ یہاں سوئے گی تو وہ لوگ کہاں جائیں گے؟ اس گھر میں ایک کمرہ ہی اضافی تھا جو آئے روز میکے آ کر رہنے والی دونوں بیٹیوں کے لیے مختص تھا۔

"مگر ہم سب ایک کمرے میں کیسے سوئیں گے؟" نائلہ نے فکرمندی سے کہا۔

"محسن اماں اور ابا کے کمرے میں سو جائے گا جبکہ تم زمین پر میٹریس ڈال لینا۔ اب کسی طرح وقت تو کاٹنا ہے نا!"

نادیہ نے اطمینان سے کہا۔ نائلہ کا خون کھول اٹھا مگر چپ ہو گئی کہ بحث کرنے کا فائدہ نہیں تھا۔ وہ غصے میں کمرے سے باہر چلی گئی۔

"تمہیں اسی لیے سمجھاتے تھے کہ بہت زیادہ ناز نخرے اٹھاؤ گی تو اپنا ہی نقصان کرو گی۔ ابھی تو گرمیوں کی چھٹیوں کا پہلا ہفتہ ہے۔ پورے تین مہینے میکے میں گزارنے ہیں۔ کچھ دنوں میں حمیرا بھی بچوں سمیت رہنے آ جائے گی۔"

شام کی چائے بناتے ہوئے طاہرہ نے کہا تو نائلہ نے پہلی بار اسے نہیں جھٹلایا۔ پچھلے چھ مہینوں میں اسے بھی بہت اچھی طرح، سے اندازہ ہو گیا تھا کہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے جتنا اس نے سمجھ لیا ہے۔

شام کو محسن دفتر سے گھر آیا تو اپنے نئے سجے سجائے کمرے کی خراب حالت دیکھ کر، تڑپ اٹھا اور بے اختیار نادیہ کے بچوں کی بدتمیزی کی شکایت کی تو نادیہ غصے سے بھری راشدہ بیگم کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے رو دھو کر خوب تماشا لگایا۔ راشدہ بیگم نے فوراً محسن اور نائلہ کو طلب کر لیا۔ محسن کے ساتھ ساتھ نائلہ کی بھی کلاس لی کیونکہ ان کے خیال میں نائلہ نے ہی محسن کے کان بھرے تھے۔ نائلہ کی بھرے گھر کے سامنے اتنی بے عزتی پہلی بار ہوئی تھی۔ وہ بہت دل برداشتہ ہوئی اور کمرہ بند کر کے بیٹھ گئی۔

محسن نے پہلے نادیہ اور ماں سے معافی مانگ کر انھیں راضی کیا اور پھر نائلہ کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے رات کو آؤٹنگ پر لے گیا۔

رات بارہ بجے ہنستی مسکراتی نائلہ گھر میں داخل ہوئی تو محسن میں لگی نئی عدالت اس کی منتظر تھی۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔

"اماں! دیکھیں کتنا مہینا ہے ہمارا بھائی! بہن اور بھانجے بھانجیوں کو چھوڑ کر، بیوی کو گھمانے لے گیا۔ اتنا بھی خیال نہیں کیا کہ مجھے آئے کچھ دن ہی ہوئے ہیں۔ باپ کے گھر یہ ہماری اہمیت ہے؟"

وہ رونے لگی۔ راشدہ بیگم نے اسے گلے سے لگا کر سخت نگاہ نائلہ پر ڈالی۔

"محسن! مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔" وہ غصے میں مخاطب ہوئیں۔ "بچوں نے ایسا بھی کیا کر دیا ہے؟ نادیہ بیٹی مہمان تو نہیں ہے۔ اس کے والدین کا گھر ہے۔"

راشدہ بیگم نے تیکھی نظروں سے نائلہ کو دیکھا۔

"رات کو کیا تماشا لگایا ہوا ہے۔ چلو سب اپنے اپنے کمروں میں جاؤ۔ نادیہ اور بچے ہمارے کمرے میں سو جائیں گے۔"

عبدالرحمان نے سنجیدہ آواز میں کہتے ہوئے محفل برخاست کی۔ سب تیزی سے وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ کمرے میں آتے ہی محسن اور نائلہ میں پہلی بحث ہوئی جو شدید لڑائی کی صورت اختیار کر گئی۔ کئی دن دونوں نے ایک دوسرے کو نہیں بلایا۔

☆☆☆

آنے والے دن پہلے سے بھی زیادہ مشکل ہوتے گئے۔ نائلہ جو مروت میں سب کی بات مان لیتی تھی اب پچھتاتی رہتی۔ نادیہ اور حمیرا کا ہر دوسرے دن میکے آ کر رہنا اور طویل قیام کرنا، ان کی زندگیوں کو ڈسٹرب کرنے لگا تھا۔ ہر بات پہ اعتراض، ہر بات میں دخل اندازی۔

جہاں جو بات مزاج کے خلاف ہوتی فوراً راشدہ بیگم کے کان بھر کر لڑائی کروا دیتی۔ نائلہ اس ماحول میں بہت پریشان رہنے لگی تھی۔ محسن اور اس کے درمیان محبت بھری باتوں کے بجائے، شکوے شکایتیں یا گھریلو سازشوں کی باتیں ہوتیں۔ دونوں ہی تنگ ہو جاتے۔ یہ سب ایسے ہی چل رہا تھا جب نائلہ کو ماں بننے کی خوش خبری ملی۔ وہ ایک پیاری سی بیٹی کی ماں بن کر سب تکلیفیں، پریشانیاں بھول گئی۔ گھر میں سب ہی نئے مہمان کی آمد پر خوش تھے جب ایک دن اچانک، طاہرہ اور فرحانہ نے صفائی اور باہم مشورے سے الگ الگ پورشن کی بات چھیڑ دی۔

عثمان اور انور بھی راضی تھے۔ تھوڑی سی بحث، بہت سارے لڑائی جھگڑے اور رونے دھونے کے بعد بالآخر وہ دونوں الگ ہو ہی گئیں۔ اب گھر کی ساری ذمہ داری اکیلی نائلہ کے نازک کندھوں پر آ گئی تھی۔

☆☆☆

"یہ آپ دونوں کی دوائیاں ہیں۔ دیکھ لیں اگر کوئی کمی ہو تو بتا دیجیے گا۔"

تھکا ہارا محسن والدین کے پاس آیا۔ دوائیوں سے بھرا شاپر انھیں تھما کر پاس ہی بیٹھ گیا۔

"دوائیوں کی قیمتیں تو پہلے سے دگنی ہو گئی ہیں۔" عبدالرحمان نے رسید دیکھی تو پریشانی سے گویا ہوئے۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ میں تنخواہ ملتے ہی سب سے پہلے آپ کی دوائی لیتا ہوں۔ باقی سب کام بعد میں کرتا ہوں۔"

وہ مسکرایا مگر اس کی مسکراہٹ میں بہت تھکن تھی۔ دو چھوٹے بچوں کے ساتھ، پورے گھر کی ذمہ داری وہ اکیلا اٹھا رہا تھا۔

"بڑے دونوں چالاکی سے پہلے پوریشن کا بہانہ کر کے الگ ہوئے اور پھر اس گھر سے ہی چلے گئے کہ بچوں کے اسکول، کالج وہاں سے پاس ہیں۔ جیسے میں سمجھتی نہیں!"

راشدہ بیگم نے دکھی انداز میں کہا۔ محسن خاموش بیٹھا رہا کہ اس کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"یا دآیا! اس مہینے حمیرا کے بیٹے کے پاس ہونے کی خوشی میں فنکشن بھی آ رہا ہے۔ اس پر بھی کچھ دینا ہوگا۔"

راشدہ بیگم نے جلدی سے نیا خرچا بتایا۔ محسن پریشان ہو گیا۔

"میں کوشش کرتا ہوں، کسی سے ادھار لے لوں۔ میری تنخواہ سے تو مہینہ مشکل سے گزرتا ہے۔"

وہ پریشانی سے کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

"تمہیں اندازہ بھی ہے کہ وہ اکیلا کتنی ذمہ داری اٹھا رہا ہے مگر تم نئے خرچے بتانے سے باز نہیں آتی ہو۔" عبدالرحمان غصے سے بولے۔

"اب بیٹی کے گھر جانا ہے تو کیا خالی ہاتھ جاؤں؟" وہ منہ بنا کر رہ گئیں۔

"اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤ۔ محسن کے بھی

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

بیوی بچے ہیں۔ مہنگائی کا عالم دیکھو۔ بجلی کے بل ہی قابو میں نہیں آ رہے۔ سفید پوش کے لیے بہت مشکل ہو گئی ہے۔ عثمان اور انور بھی خرچا دیتے ہیں۔ اس سے یہ اضافی خرچے پورے کیا کرو۔"

وہ نرمی سے سمجھانے لگے۔ راشدہ بیگم سر ہلا کر رہ گئیں مگر انھوں نے کیا وہ ہی جو ان کی مرضی تھی۔ کیونکہ عثمان اور انور کے بھیجے پیسے وہ پہلے ہی نادیہ اور حمیرا پر مختلف بہانوں سے خرچ کر چکی تھیں۔

نائلہ نے جب محسن کو، فالتو کے خرچے کے لیے ادھار کے بوجھ کے نیچے آتا دیکھا تو اسے بہت دکھ ہوا۔ وہ اپنی ساس سے مزید بدگمان ہو گئی جنھیں سوائے بیٹیوں کے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

"کاش طاہرہ بھابھی اور فرحانہ بھابھی کی طرح ہم بھی الگ ہو جائیں۔"

اب وہ اکثر ایسی باتیں سوچتی۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ لوگ غلط نہیں تھیں۔ یہاں کے حالات غلط بنا دیے گئے۔

☆☆☆

"سردیوں کی دس دن کی چھٹیاں ہیں۔ بچوں نے ضد کی کہ یہ چھٹیاں نانی اور نانا ابو کے ساتھ گزارنی ہیں۔"

حمیرا نے ہنستے ہوئے کہا۔ نادیہ نے بھی سر ہلایا۔

"یہاں کے حالات نہیں بدلے؟"

نائلہ چائے بنا رہی تھی جب طاہرہ کچن میں داخل ہوئی۔ وہ سب بھی آج ملنے آئے ہوئے تھے۔ طاہرہ کی بڑی بیٹی نے ایف۔ ایس سی میں بہت اچھے نمبر لیے تھے۔ اسی لیے وہ مٹھائی دینے آئے تھے۔

"نہیں! کیونکہ یہ ان کے بابل کا آنگن ہے۔" نائلہ نے تلخی سے کہا۔

"مگر افسوس! وہ اس آنگن کو ویران کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔"

طاہرہ نے گہری سانس لی۔ نائلہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس نے سر ہلایا جیسے اس کے اندر کی سوچوں کو پڑھ لیا ہو۔

"کئی سال ہم نے بھی سسرال کی ویسے ہی خدمت کی جیسے ہر اچھی اور گھر کو بنانے والی بہو کرتی ہے۔ ہم نے بھی کوشش کی کہ اچھے عمل سے اپنی جگہ بنا لیں مگر ایسا نہیں ہوا۔ بہت کچھ برداشت کرتے ہوئے جب وہ وقت آیا کہ ہمارے بچوں کا روشن مستقبل، ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا تو ہمیں فیصلہ لینا پڑا۔" طاہرہ نے گہری سانس لی۔

"نندوں کے میکے آ کر رہنے سے زیادہ تکلیف تب ہوتی ہے جب ہمارا حق بھی انھیں دے دیا جاتا ہے، اگر کوئی نند دس دن یا ایک مہینہ میکے آ کر رہ رہی ہے تو وہ اس گھر کو اپنا گھر سمجھ کر کیوں نہیں چلتی؟ بے دریغ بجلی کا استعمال، کھانے پینے میں نخرے، نت نئی فرمائشیں۔ ہم اپنے بچوں کو حالات کے مطابق چلنے کا درس دیتے۔ مگر جب وہ دوسرے بچوں کو من مانی کرتے دیکھتے تو ہم سے ضد کرتے، بحث کرتے۔

بچوں کو سوال کرنے سے کون روک سکتا ہے؟ ہم بھی نہیں روک سکے تھے۔ اس لیے گھریلو سیاست کا زہر ان کے اندر اتارنے کے بجائے ہم خاموشی سے الگ ہو گئے۔ اب بچے اپنے حالات کے مطابق چلتے ہوئے شکوہ نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کے والدین کی کیا حیثیت ہے؟"

طاہرہ نے اداسی سے کہا، نائلہ اس کی باتوں سے متفق تھی کہ وہ بھی ان ہی حالات سے گزر رہی تھی۔

"مہنگائی نے جہاں اپنا بھرم قائم رکھنا مشکل کر دیا تھا وہاں مہمانوں کا لمبے عرصے کے لیے آ کر رہنا، فرمائشیں کرنا، میزبان کو مشکل میں ڈالنا سراسر غلط عمل تھا جس کی ممانعت تو ہمارے مذہب میں بھی کی گئی ہے۔ یا تو سادگی کو اپنا کر جو کچھ میسر ہے سب مل کر کھائیں سب اتفاق سے رہیں اور مل جل کر کام کریں، مگر دس افراد کا کام ایک اکیلی جان پر ڈالنا

کہاں کا انصاف تھا۔"

وہ دونوں دکھ سکھ کرتے ہوئے، یہ نہیں دیکھ پائیں کہ عبدالرحمان نے ان کی باتیں سن لی تھیں۔ انھیں پہلی بار احساس ہوا کہ ان کے آنگن کی ویرانی کی وجہ ان کی اپنی اولاد ہی تھی۔

☆☆☆

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" راشدہ بیگم نے حیرانی سے مجازی خدا کی طرف دیکھا۔ نادیہ اور حمیرا بھی ساکت رہ گئی تھیں۔

"اس میں کیا غلط ہے؟ نائلہ بچی اکیلی کیا کیا کرے گی۔ میں صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ اگر حمیرا اور نادیہ کا لمبے عرصے کے لیے میکے آ کر رہنے کا دل کرتا ہے جو گھر میں پکا ہے وہ خاموشی سے کھائیں اپنے سب کام خود کیا کریں۔ کسی پر کوئی بوجھ مت ڈالیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ناجائز باتوں کے بوجھ سے یہ بچے کچھے رشتے بھی ٹوٹ جائیں۔" وہ اپنی بات پر قائم تھے۔

"مگر میری بیٹیاں میکے آرام کرنے آتی ہیں۔ وہ کیوں کام کریں؟" راشدہ بیگم نے ناگواری سے کہا۔

"اگر معاشرتی نظام کو مضبوط بنانا ہے اور رشتوں کو جوڑ کر رکھنا ہے تو سب کو اپنی اپنی ذمہ داری اٹھانی پڑے گی ورنہ کل کو یہ نہ ہو کہ بابل کے آنگن میں صرف خاموشی باقی رہ جائے۔ سب بچے اپنے جہاں کی طرف اڑ جائیں۔"

ان کے لہجے کی اداسی پر راشدہ بیگم پہلی بار ٹھٹکی تھیں۔

"ایمان داری سے سوچیں! محسن اور نائلہ ابھی زبان سے شکوہ نہیں کر رہے۔ نادیہ اور حمیرا کے میکے آنے پر وہ بڑھ چڑھ کر آؤ بھگت کرتے ہیں مگر ان کے جانے کے بعد کتنا عرصے وہ دوسروں کا قرض اتارنے میں لگا دیتے ہیں۔ خون کے رشتے ایک دوسرے پہ تکلف اور بوجھ کیوں بنیں؟ محسن نے اپنی بیوی، اپنے بچوں کے لیے بھی کچھ کرنا ہے، سوچا ہے۔ اسے اتنا مت آزمائیں۔ کل کو وہ بھی چلا گیا تو ہم بوڑھے میاں بیوی اکیلے رہ جائیں گے۔"

وہ تھکے لہجے میں کہہ کر کمرے سے باہر چلے گئے۔ نادیہ اور حمیرا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور نگاہیں چرا لیں۔ وہ جانتی تھیں کہ بہت سے معاملات میں وہ ہمیشہ اپنے بھائیوں اور بھابھیوں کو ستاتی اور تنگ کرتی تھیں۔ آج جب انھیں احساس ہوا کہ ان کے بابل کا آنگن، ان کی حرکتوں اور گھریلو سیاست کی وجہ سے خالی ہو رہا ہے تو وہ ڈر گئیں کہ اگر یہ در بھی بند ہو گیا تو وہ مان اور لاڈ کی گٹھڑی اٹھائے کس دروازے پر دستک دیں گی؟

"رات کے کھانے میں کیا بناؤں؟ نادیہ باجی کے بچے تو چاول پسند کرتے ہیں مگر حمیرا باجی کے بچے روٹی شوق سے کھاتے ہیں اور!"

نائلہ مصروف انداز میں کہتی ہوئی اندر آئی۔

"بس ایک سالن بنا لو۔ ابھی یہ دونوں کئی دن ادھر ہی ہیں۔ سب چیزیں باری باری بن جائیں گی۔"

راشدہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔ نائلہ نے حیرانی سے دیکھا۔

"ایک سالن؟" وہ حیران تھی۔

"اماں ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں آپ کی مدد کرواتی ہیں۔ جلدی کام ہو جائے گا۔"

نادیہ نے جلدی سے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ حمیرا بھی سر ہلاتی اس کے پیچھے کمرے سے چلی گئی۔ نائلہ حیران تھی کہ اتنی بڑی تبدیلی کیسے آ گئی ہے۔ وہ سر جھٹک کر ان کے پیچھے گئی۔ راشدہ بیگم کمرے میں بیٹھی، باہر سے آتی نندوں اور بھابھی کی ہنسی مسکراتی آوازوں کو سنتے ہوئے مسکرا دیں۔

"بابل کے آنگن تب ہی آباد رہ سکتے ہیں جب سب رشتوں میں توازن رکھا جائے۔"

کئی رشتے گنوا کر بالآخر وہ کچھ رشتے بچانے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ اسی کا نام زندگی ہے۔ کبھی شہ، کبھی مات——!

☆☆

UUNovels.com

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

لبنیٰ آصف

دکھاوا

"امی! ذکیہ بھابھی مجھ سے بہت کھنچی کھنچی سی رہتی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ بظاہر تو ہماری بھی لڑائی تھی نہیں ہوئی۔ آپ کی اور تائی امی کی تو اتنی بنتی ہے پر میری جٹھانی تو اتنی کم بات کرتی ہیں۔ ہماری تو شادیاں بھی ساتھ ساتھ ہوئی ہیں۔"

"بس بیٹا! سب کا اپنا اپنا مزاج ہوتا ہے اپنی عادتیں ہوتی ہیں۔ چلو خیر! یہ چیری کا ڈبہ لے جانا۔ ابو لائے تھے تمہارے لیے۔" انہوں نے کہا۔

"آؤ تمہیں اریبہ کے کپڑے دکھاؤں اتنی پیاری پیاری فراکیں لائی ہوں۔ کڑھائی پیارے ہیں۔ دل چاہ رہا تھا۔ سارے کپڑے لے لوں اپنی نواسی کے لیے۔ دو چار دن میں آؤں گی تمہاری طرف۔"

"ہاں! ساس کے سامنے دیکھے گا۔ بڑا مزہ آتا ہے۔ جب وہ ذکیہ بھابھی کو سناتی ہیں کہ ثمرہ کے امی، ابو نے یہ دیا۔ ثمرہ کے گھر سے یہ آیا ہے۔ بچی! میرا تو سر بلند ہو جاتا ہے فخر سے اللہ میرا میکا سلامت رکھے۔"

"بس بیٹا! سسرال والے مان لیں، یہی بہت ہے۔ بیٹی کو تو ساری عمر دینا ہوتا ہے۔ پھر تم تو ہماری اکلوتی اولاد ہو تمہارا نہیں کریں گی تو پھر کس کا کریں گے۔"

☆☆☆

آج ثمرہ کے گھر جانا تھا۔ وہ صبح سے تیاری کر رہی تھیں۔ لان کے دو سوٹ اپنے لیے لائی تھیں سلنے میں ہی نہیں آ رہے تھے۔ سوچا نواسی کے کپڑوں کے ساتھ ثمرہ کو بھی دے دوں، سلوا لے گی۔ داماد کا بھی ایک سوٹ شادی میں آئی پیتاؤنی میں سے نکل آیا۔ اب کیا اچھا لگتا بیٹی اور نواسی کو دوں اور داماد کو نہ دوں۔

پھر شام میں مٹھائی، فروٹ لے کر بیٹی کے ہاں پہنچیں۔ دینے دلانے سے کم از کم یہ تو ہوتا ہے کہ سسرال والے سیدھے منہ بات تو کر لیتے ہیں۔

سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ لیکن ہمارا معاشرہ بڑی تیزی سے اسی طرف جا رہا ہے۔ جہاں بیٹی والے کچھ بھی دے دیں۔ کچھ بھی کریں۔ سسرال والوں کی توقعات پر پورے ہی نہیں اترتے اور کی چاہت ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔

آج کل بیٹوں کی مائیں بھی نہ جانے کس ڈگر پر چل پڑی ہیں کہ بس بیٹوں کا فائدہ ہو۔ بہوؤں کو در پردہ سنا سنا کر دوسروں کی مثالیں دے دے کر مانگا جاتا ہے۔ یہ سب کر کے ساسیں بہوؤں کی نظروں میں گر جاتی ہیں۔ بہوویں بھی کیا کریں ماں، باپ سے دکھ سکھ کرتی ہیں۔ بے چارے ماں باپ، بیٹی کو بسانے اور سکون کے لیے دیتے دلاتے ہیں اپنی اوقات سے بڑھ کر۔ کہ ساسوں کے منہ بند ہو جائیں۔

اس سب میں ساسوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بیٹے سسرالی کی طرف ہو جاتے ہیں۔ جو دیتا ہے وہ وصولنا بھی خوب جانتا ہے۔ جب ساسیں نظروں میں گر جاتی ہیں۔ تو بس پھر انہیں برداشت کیا جاتا ہے۔ خدمت تو بہت دور کی بات ہوتی ہے۔ نہ ہی بیٹے

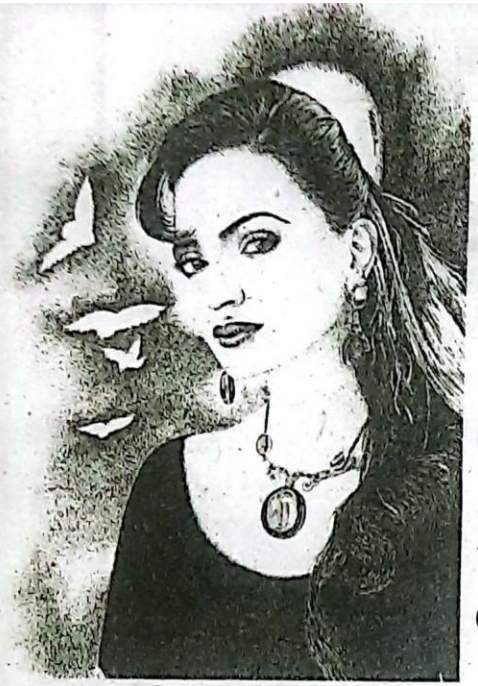

احساس کرتے ہیں۔ آخر میں وہی بہوویں خدمت کرتی ہیں، جن کا میکہ کمزور ہو یا جو خدمت کا فارمولا لے کر سسرال آتی ہوں۔ ایک بہت بڑی وجہ انسانیت اور خوف خدا بھی ہوتا ہے۔

دے دلا کر بیٹی اور نواسی کو پیار کیا اور خدا حافظ کہہ کر دروازے تک پہنچیں تو ذکیہ سامنے سے آ رہی تھی۔ روکھا پھیکا سا سلام کیا اور چلی گئی۔

"صحیح کہتی ہے ثمرہ، ذکیہ بہت لیے دیے رہتی ہے۔"

☆☆☆

"زرینہ اس مہینے یہ دوسرا ہزار کا نوٹ ہے جو تم ایڈوانس لے رہی۔ ہو تنخواہ میں پھر بچے گا کیا جو لو گی۔ تم تو ہمیشہ مہینے کے مہینے ہی پیسے لیتی تھیں خیریت تو ہے؟ کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ۔ میں مدد کر سکی تو ضرور کروں گی۔"

"کیا بتاؤں باجی! جب سے بیٹی کی شادی کی ہے۔ بہت پریشان ہوں۔"

"ایسی کیا پریشانی ہے۔"

"باجی! جہاں بیٹی بیاہی ہے۔ وہ دو بہوویں ساتھ بیاہ کر لائی ہے۔ بڑی بہو کے ابا کا اینٹوں کا کام ہے۔ چلتا ہوا کاروبار ہے۔ شادی بھی دھوم دھام سے کی تھی۔ بیٹی کو دینا دلانا بھی خوب کرتے ہیں۔ میری بیٹی کی تو زندگی عذاب کر دی ہے اس کی ساس نے۔ بڑی بہو کے گھر سے جب کچھ آتا ہے۔ ساس چھوٹی بہو کو بٹھا کر خوب سناتی ہیں۔ میاں بھی کانوں کا کچا ہے۔ بجائے ماں کو سمجھائے۔ بیوی کو ہی سناتا ہے۔

بیٹی تو بساتی ہے باجی۔ ہر مہینے دینے دلانے کی وجہ سے تنخواہ ایڈوانس لینی پڑ جاتی ہے۔ پورا مہینہ کیسے گزارتی ہوں میرا اللہ جانتا ہے۔ کھینچ تان کر گزارا کرتی ہوں۔ پتا نہیں باجی! کیا ملتا ہے لوگوں کو دکھاوا کر کے۔ اگر بتا کر دکھا کر نہ دیں بس ویسے ہی اپنی بیٹی کو دے دیں، تو کم از کم دوسروں کی بیٹیاں تو سکون سے رہیں گی۔ کوئی سوچتا ہی نہیں بس اپنی واہ واہ ہو جائے۔ بھلے دوسروں کی بیٹیاں دکھ اٹھائیں۔ چلتی ہوں باجی! بازار جاؤں گی پھر بیٹی کے گھر جاؤں گی دیر ہو جائے گی۔"

زرینہ کی باتیں سن کر آگاہی کے کئی دروازے کھلتے چلے گئے۔ ذہن میں ثمرہ کی جٹھانی کا بجھا بجھا چہرہ آ گیا۔ کہیں میری وجہ سے دوسروں کی بیٹیاں دکھ میں تو نہیں۔ بے اختیار آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

جانے انجانے میں کہیں معاشرے کے بگاڑ کا سبب میں تو نہیں۔ میں تو اپنی نواسی اور بیٹی کو دے رہی ہوں۔ پھر دکھاوا کیسا۔ وہ پہنے اوڑھے اور بتانے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ اب کی بار ثمرہ آئی تو اسے بھی سمجھاؤں گی۔ اب یہ سلسلہ بند ہونا چاہیے۔

کیا فائدہ ایسی واہ واہ کا جو دوسروں کے لیے تکلیف کا سبب ہو اور اللہ کی مخلوق کو دکھ دینے والے سے اللہ کبھی خوش نہیں ہوتا۔

☆☆

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

حمیرا شفیع

مُٹھی بھر مُحبت

صبح سات بجے چائے رس کا ناشتہ کر کے وہ دفتر سدھارا تھا اور دوپہر تین بجے تک اسے کچھ بھی کھانے کی فرصت نہ مل سکی تھی۔ بھوک کے مارے پیٹ میں چوہے بھی کود کود کر تھک چکے تھے۔

گھر واپسی پر وہ نان چنے لیتا ہوا آیا تھا۔ اچھی طرح کھا کر شکم سیر ہوا تو نیند کا غلبہ طاری ہو گیا۔ آج تو تھکن بھی حد سے زیادہ تھا۔ بستر پر لیٹتے ہی غافل ہو گیا۔ ابھی بمشکل پون گھنٹا ہی ہوا ہو گا جب کسی نے دروازہ دھڑ دھڑایا۔ ذہن ابھی سوئی جاگی کیفیت میں تھا۔ ڈھیٹ بنا لیٹا رہا مگر دروازہ بجانے والا اس سے بھی زیادہ ڈھیٹ ثابت ہوا۔ مستقل دستک دیتا رہا۔ ناچار اس نے تکیہ اٹھا کر پٹخا اور کھولتا ہوا دروازے تک آیا۔ جھٹکے سے دونوں پٹ کھولے۔

سامنے سرخ ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس سر پر پیلا اسکارف لپیٹے ایک لڑکی کھڑی تھی۔

''کیا آپ نے اسلامیات پڑھی ہے......؟'' وہ اس کے کچھ بھی بولنے سے پہلے دھاڑا۔

''جی......!!'' لڑکی سہم کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

''میں نے کہا ہے کہ کیا آپ نے اسلامیات پڑھی ہے؟'' وہ ایک بار پھر دھاڑا۔

''اسلام میں ہے کہ اگر تین بار دستک پر دروازہ نہ کھلے تو واپس لوٹ جانا چاہیے۔'' اس نے سلگتے لہجے میں ایک طرح سے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''وہ جی...... میں تو پھول مارکہ چائے پتی والوں کی طرف سے آئی ہوں۔'' لڑکی کی منمناتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''فی الحال تو مجھے آپ خود پتھر مارکہ لگ رہی ہیں۔'' وہ جھنجھلایا۔

''دیکھیں جی! ہم پچاس روپے کا پیکٹ صرف تیس روپے میں دے رہے ہیں۔ اس میں بیس روپے کی بچت ہے۔'' وہ اس کے خطرناک تیوروں کی پروا کیے بغیر اپنے براؤن کلر کے جہازی سائز بیگ سے چائے کی پتی کے پیکٹ نکال کر نہایت پروفیشنل انداز میں بتانے لگی۔ انداز تقریر نما تھا۔ غالباً اسے ایسے رویوں کی عادت تھی۔

''دیکھیں اگر آپ دو پیکٹ لیں گے تو آپ کو چالیس روپے کی بچت ہو گی۔'' اس کے ٹھنڈے ٹھار لہجے پر وہ مزید بھڑک اٹھا۔

''محترمہ! بھاڑ میں گئی بیس روپے اور چالیس روپے کی بچت۔ مجھے نہیں چاہیے چائے کی پتی۔'' یہ کہہ کر اس نے جارحانہ انداز میں دروازہ بند کر دیا۔

واپس آ کر وہ دوبارہ بستر پر گر گیا، مگر کافی دیر کروٹیں بدلنے کے بعد کہیں جا کر نیند آئی۔ شام ڈھلے سو کر اٹھا تو کافی حد تک تازہ دم تھا۔ مگر سر ابھی تک بھاری ہو رہا تھا۔ اس نے شاور لیا اور پھر فریج کھول کر دودھ کا پیکٹ نکالا۔

کچن میں آ کر پتیلے میں دودھ ڈالا اور چولہے پر چڑھا دیا، جب ڈبے سے چائے کی پتی نکالی تو وہ فقط چٹکی بھر موجود تھی۔ اس نے دراز وغیرہ کھنگالی مگر بند پیکٹ بھی کوئی نہ ملا۔ شاید پتی ختم ہو چکی تھی اور وہ خریدنا بھول گیا تھا۔ بے اختیار دوپہر کا واقعہ یاد آ گیا اور ساتھ ہی وہ لڑکی بھی۔

''کاش وہ خرید ہی لیتا۔ آج کل بیس اور چالیس

روپے کی بچت بھی بہت ہوتی ہے۔'' اسے اس کی ہلکی سبز آنکھوں کی مایوسی یاد کر کے تھوڑا سا تاسف ہوا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ اس نے اسی چٹکی بھر پتی سے دودھ پتی ٹائپ چائے بنائی اور گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔

☆☆☆

جوں ہی گرے کلر کی شیراڈ ڈرائیو وے پر آ کر رکی۔ اندرونی حصے سے ایک لڑکی بھاگتی ہوئی باہر نکلی۔ اس نے لمبی جینز پر آف وائٹ ٹاپ پہن رکھا تھا۔ سیاہ ریشمی بالوں کی اونچی پونی بندھی تھی اور پاؤں میں اسٹائلش سے سینڈل تھے۔ گاڑی سے سوبر سی شخصیت کا مالک، ایک ادھیڑ عمر شخص برآمد ہوا۔ وہ ابھی گاڑی لاک کر ہی رہا تھا، جب لڑکی قریب آ کر بڑی گرم جوشی سے لپٹ گئی۔

''پاپا...... میں آ گئی۔'' وہ ان کے کندھے سے تقریباً جھول سی گئی۔

''مینو...... میری جان......'' انہوں نے بھی شفقت سے لڑکی کا سر چوما۔

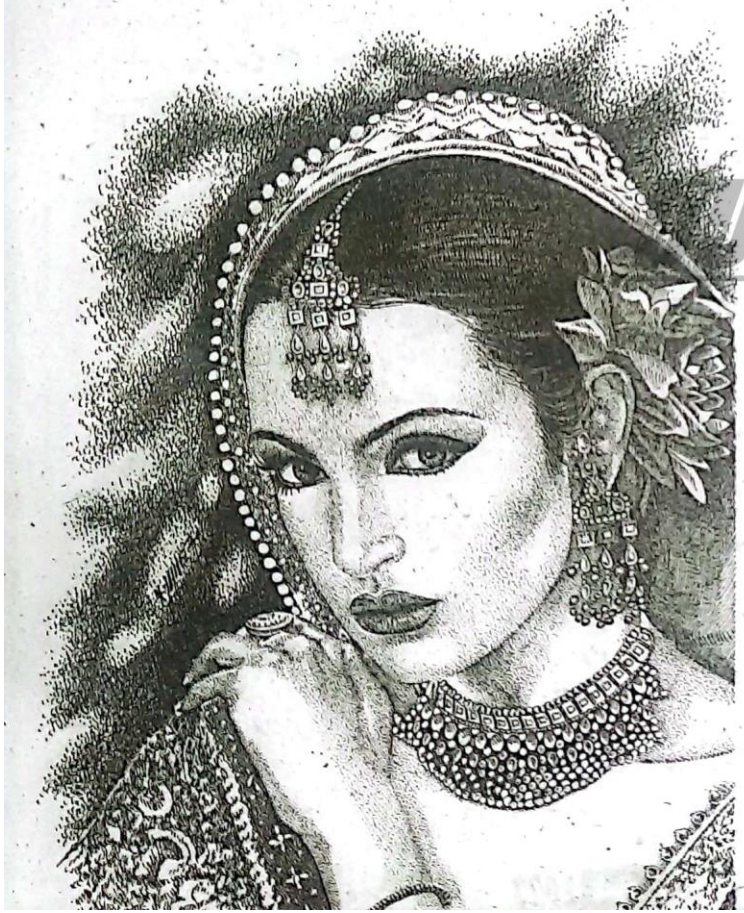

UUNovels.com

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

"کیا فیضان کے ساتھ آئی ہو.....؟"

"نہیں پاپا..... وہ آفس میں بزی تھا۔ ہاسٹل خالی ہو چکا تھا۔ میں اس کا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے شیزا سے لفٹ لے کر آ گئی۔"

"بہت اچھا کیا۔ فیضان کو آج کل ڈسٹرب نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔ اس کی نئی نئی جاب لگی ہے۔ ابھی اسے بھرپور توجہ دینے کی ضرورت ہے۔"

"لیکن پاپا..... بے چارے کی سیلری بہت کم ہے۔"

"ہاں بیٹا..... فی الحال تو سیلری کم ہے مگر ترقی کے مواقع بہت ہیں، اگر میں چاہتا تو اسے اس سے بھی بہتر جگہ لگوا دیتا۔ مگر یہ تو اس کی صلاحیتوں کو زنگ لگا دینے والی بات ہوتی۔ پکی پکائی کھیر کھانے سے انسان ڈل ہو جاتا ہے جب کہ میں چاہتا ہوں کہ وہ زیرو سے شروع کرے اور جدوجہد سے ٹاپ پر آئے۔ اس میں بہت پوٹینشل ہے۔ اپنی انرجی کو استعمال کرنا جانتا ہے وہ۔"

وہ رسان سے اسے سمجھاتے ہوئے اندر آئے جہاں، خانساماں ان کے لیے میز پر کھانا لگا رہا تھا۔

☆☆☆

شام ڈھل چکی تھی مگر زبور ابھی تک نہیں لوٹی تھی۔ بی جی نے دروازے کے کئی چکر کاٹ لیے۔ ایک دو بار تو گلی کے نکڑ تک بھی جھانک لیا تھا مگر اس کے آنے کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ ان کا فون بھی خراب تھا۔ رابطہ ممکن نہ تھا۔

ابھی وہ ارادہ کر ہی رہی تھیں کہ پڑوس میں جا کر اسے کال کریں کہ وہ دروازہ کھول کر تھکے تھکے قدموں سے اندر داخل ہوئی۔

"زبور..... میری جان..... اتنی دیر لگا دی۔" وہ تیزی سے اس کی جانب لپکیں۔

"بس بی جی..... دیر ہو گئی۔ آج پوری پانچ کالونیوں کا وزٹ تھا۔ تین بار تو وہ کھٹارا سی وین خراب ہوئی۔ ایک بار پیٹرول ختم ہو گیا۔ سیل بھی کوئی خاص اچھی نہیں ہوئی۔ یوں تو شہر بھر اپڑا ہے چائے کے رسیا افراد سے مگر جب ہم چائے پتی بیچنے نکلتے ہیں تو چند سو ڈبے ہی بک پاتے ہیں۔" وہ چادر تہ کرتے ہوئے بتا رہی تھی۔

"بیٹا! تم لوگوں کا نیا نیا برانڈ ہے۔ لوگوں کو اس سے مانوس ہوتے وقت تو لگے گا۔"

"چلو چھوڑو..... کھانا کھاؤ..... میں نے تمہاری پسند کے دال چاول بنائے ہیں۔"

"او تھینک یو..... بی جی....." وہ ایک دم خوش ہوئی۔

"ساتھ لیموں کا اچار بھی نکال لیں۔"

"ہاں — تم ہاتھ منہ دھو لو..... میں کھانا نکالتی ہوں۔"

☆☆☆

وہ آفس میں مصروف تھا جب مینو کی کال آئی۔

"سنو! آج لنچ پر گھر آ جاؤ۔ بخشو بابا نے تمہاری پسند کے کریلے بنائے ہیں۔"

"اچھا! فخر سے تو یوں بتا رہی ہو جیسے کریلے بخشو بابا نے نہیں بلکہ تم نے بنائے ہوں۔" اس کا انداز چڑا دینے والا تھا مگر وہ ہمیشہ کی طرح بھڑکنے کے بجائے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولی۔

"ہاں تو سویٹ ڈش میں بنا رہی ہوں نا نیٹ سے ریسپی دیکھ کر۔"

"خدا کے واسطے تم کچھ بھی ٹرائی نہ کرنا۔ پچھلی بار بھول گئیں۔ کیا ہوا تھا۔ ڈبل روٹی کے گلاب جامن بنائے تھے۔ کتنے سخت بنے تھے۔ اگر اٹھا کر کسی کے سر پر مارے جاتے تو سر پھوٹ جاتا۔"

"وہ تو میں ان کے آمیزے میں بیکنگ پاؤڈر ملانا بھول گئی تھی۔"

"ہاں تو آج بھی کچھ نہ کچھ ملانا بھول جاؤ گی۔ بہتر ہے کہ کچھ بھی نہ بناؤ۔ میں آتے ہوئے سویٹ ڈش کے طور پر ایک ایک قلفی لیتا ہوا آؤں گا۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

دوپہر میں اچانک باس نے میٹنگ رکھ لی۔ لنچ بھی پھر ادھر ہی کرنا پڑا۔ اسے قطعی یاد نہ رہا کہ آج اسے ماموں کے ہاں جانا تھا۔ وہ تو رات کو ان کی خود ہی کال آئی۔

"مینو تم سے بہت ناراض ہے بھئی..... تم لنچ پر

کیوں نہیں آئے؟"

"اُف ماموں! میں تو بالکل بھول گیا تھا۔ وہ جنگلی بلی تو مجھے کھا جائے گی۔" اس کے لہجے میں مصنوعی خوف وہراس تھا۔

"پاپا..... اس کو بتا دیں کہ میں حرام چیزیں نہیں کھاتی۔" قریب ہی کہیں فون کے اندر سے اسے اس کی شدید ناراض آواز سنائی دی۔

"بھئی برخوردار! اب یہ تم دونوں کا معاملہ ہے۔ خود ہی سلجھاؤ..... میں نے تو تمہیں اس لیے فون کیا تھا کہ آپا بہت اداس ہو رہی ہیں۔ اس بار گاؤں کا ایک چکر لگا آؤ۔"

"ماموں جان! ابھی تو بہت مشکل ہے۔ کام کا پریشر ہے۔ ویسے بھی ابھی میں یوں اچانک چھٹی کر کے اپنا امیج، اشفاق صاحب کے سامنے خراب نہیں کرنا چاہتا۔"

"بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔ نئی جگہ ہے۔ قدم جمانے میں وقت تو لگے گا۔"

"جی ماموں جان! وقت تو میں بہت دے رہا ہوں۔ اسی لیے تو آپ کے ہاں شفٹ نہیں ہوا۔ آفس کے پاس ہی گھر لیا ہے تاکہ آنے جانے میں سہولت رہے۔ بس یہ شروع کے چند ماہ مشکل ہیں۔ اگر میرے کام سے اشفاق صاحب مطمئن ہو گئے تو پھر آگے آسانی سے خود کو مضبوط کر لوں گا۔"

"ہاں کیوں نہیں ان شاء اللہ۔"

"جی ماموں! ان شاء اللہ۔" اس کے ساتھ ہی اس نے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

چھٹی کا دن تھا۔ وہ دس بجے تک بستر پر ہی پڑا رہا۔ پھر اٹھا، ادھر ادھر طائرانہ نظر ڈالی تو احساس ہوا کہ گھر کی حالت بہت ابتر ہو رہی ہے۔ سارا ہفتہ تو چیزیں جگہ جگہ پھینک کر آفس چلا جاتا تھا۔ میلے کپڑوں کا بھی ڈھیر جمع تھا۔ اس نے ایک پرانا سا ٹراؤزر شرٹ پہنا اور صفائی میں جت گیا۔ گھر کی حالت سنواری۔ میلے کپڑے سرف میں بھگوئے۔ فریج صاف کیا۔ بے اختیار خیال آیا کہ اگر ماموں کے ہاں رہ لیا ہوتا تو یہ سب نہ کرنا پڑتا۔ پھر فوراً ہی ذہن کو جھٹک دیا۔

یہاں پر اماں کا موقف اس سے بھی زیادہ سخت تھا۔ پہلے ہی ماموں نے اس کے اور ہانیہ کے لیے بہت کچھ کیا تھا۔ دونوں بہن بھائی کو تعلیم دلوائی۔ پھر ہانیہ کی شادی کی، اسے جاب ڈھونڈ کر دی۔ اب مزید زیر بار ہونا اسے بھی گوارا نہ تھا۔ آج کل کے نفسا نفسی کے دور میں ماموں جان نے صلہ رحمی کی، جو مثال قائم کی تھی وہ شاذ ہی دیکھنے میں آتی ہے ورنہ ابا کی وفات کے بعد تو اس کے، خود غرض دودھیالی رشتے داران کو ہڑپ کر جاتے۔

یونہی خیالات کی رو میں بہتے بہتے تمام کام مکمل ہو گئے۔ گھر صاف ہو گیا کپڑے بھی دھل گئے۔ الماری بھی سیٹ ہو گئی۔ اب اس میں کھانا بنانے کی ہمت نہیں تھی۔ اسی حلیے میں وہ باہر نکلا کہ قریبی ہوٹل سے کچھ کھانے کے لیے لے آئے۔ دال ماش کی پلیٹ اور دو روٹیاں لے کر واپس آ رہا تھا جب اس نے سامنے والی گلی کے عین وسط میں ایک وین رکی ہوئی دیکھی۔ اس پر بڑا سا "پھول مارکہ چائے پتی" لکھا تھا۔ سرخ ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس چند لڑکیاں وین کے قریب کھڑی تھیں۔ اسے ہلکی سبز آنکھوں والی لڑکی یاد آئی۔ ابھی تک اس نے چائے پتی بھی نہیں خریدی تھی۔

"مس پلیز! چائے پتی چاہیے۔" اس نے قریب آ کر شائستگی سے ایک لڑکی کو پکارا۔ لڑکی نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا اسے تھوڑی سی مایوسی ہوئی یہ سبز آنکھوں والی لڑکی نہیں تھی۔

"جی! وہ چائے پتی کے پیکٹ میری دوسری پارٹنر کے پاس ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے ایک دوسری لڑکی کو پکارا۔

"زبور! ان کو چائے پتی چاہیے۔" وہ دوسری لڑکی جو اپنے بیگ میں سے کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ اس نے اچانک سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔ وہ وہی سبز آنکھوں والی لڑکی تھی۔

"جی آپ کو کتنے پیکٹ چاہئیں۔" اس نے خالص پیشہ ورانہ انداز میں پوچھا۔ آنکھوں میں شناسائی

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

کا شائبہ تک نہ تھا۔ اسے مایوسی ہوئی۔ وہ تو اپنے اس دن کے سخت رویے کی معذرت کرنا چاہ رہا تھا مگر لڑکی کا انداز اتنا خشک اور سرد سا تھا کہ اسے جرأت نہ ہو سکی۔

"کتنے پیکٹ......؟" اس نے پھر دہرایا۔

"وہ جی پندرہ دے دیں۔" وہ جھٹ بغیر سوچے سمجھے بولا۔

"کیا پندرہ......؟" اس کے ساتھ ساتھ وہ پہلے والی لڑکی بھی چیخی۔

"آج ہمارے پاس اسٹاک کم ہے۔ فی الحال آپ یہ چار رکھ لیں۔ باقی بازار میں ہماری شاپ ہے۔ وہاں سے لے لیجیے گا۔" سبز آنکھوں والی نے بیگ سے نکال کر چار پیکٹ اسے تھمائے۔ اس نے پیسے دیے اور گھر کی جانب چل دیا۔

"میرا حلیہ خراب تھا۔ شاید اس لیے اس نے پہچانا نہیں۔" سارا راستہ وہ خود کو تسلی دیتا ہوا آیا۔

☆☆☆

زیور عجلت میں پراٹھے کے بڑے بڑے لقمے لے رہی تھی کہ اچانک پھندا لگ گیا۔ "آرام سے ناشتہ کرو بیٹا!" بی جی نے نرمی سے ٹوکا۔

"بی جی......آج تو بہت کام ہے۔ پہلے چیئرمین سے میٹنگ ہے پھر کالونی کا وزٹ ہے۔" اس نے چائے حلق میں انڈیلی اور بیگ سنبھالتی انہیں خدا حافظ کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔

ان کے جانے کے بعد انہوں نے گھر سمیٹا۔ سنک میں چند برتن پڑے تھے۔ وہ دھوئے۔ آخر دو بندوں کے گھر میں کام ہی کتنا ہوتا ہے۔ پھر وہ برآمدے میں دھرے تخت پر سلائی مشین کے سامنے بیٹھ گئیں۔ اجرت پر دو سوٹ سلنے آئے تھے۔ وہی مکمل کرنے تھے۔ جب سے ان کی آنکھوں میں سفید موتیا اترنے لگا تھا، زیور نے انہیں سلائی کا کام کرنے سے منع کر دیا تھا مگر وہ اس کے جانے کے بعد کپڑے سیتی تھیں۔ گھر کا کچھ نہ کچھ خرچ نکل ہی آتا تھا۔

اب بھی انہیں فیتہ نہیں مل رہا تھا۔ اسی کی تلاش میں الماری کھولی تو نچلے خانے پر نظر پڑی جو ادھ کھلا تھا۔

کہیں اس میں چوہا نہ گھس جائے۔ یہی سوچ کر انہوں نے دراز بند کرنا چاہی تو کسی چیز کے اندر پھنس جانے سے وہ بند نہ ہو سکی۔ انہوں نے کھینچ کر باہر نکالی تو وہ ایک بڑا سا نیلا شاپر تھا جو رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ انہوں نے شاپر کھولا۔ اندر سرخ رنگ کا ایک شیفون کا دوپٹا تہ شدہ پڑا تھا۔ اس کے کناروں پر لگی سنہری کرن کی چمک ماند پڑ چکی تھی، مگر کہیں کہیں انکے موتی ستارے خوب جگمگا رہے تھے۔ ان کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ دوپٹے کی تہ کھولی تو اس میں ایک براؤن رنگ کا لفافہ رکھا تھا۔ لرزتے ہاتھوں سے لفافے میں ہاتھ ڈالا تو ایک بلیک اینڈ وائٹ تصویر برآمد ہوئی۔

یہ ایک خوبرو شخص کی تصویر تھی جس کے کتابی چہرے پر گھنی سیاہ مونچھیں بہت جچ رہی تھیں۔ اس کی روشن بڑی بڑی سیاہ آنکھیں مقابل کو اپنے سحر میں جکڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ تصویر کو ایک ٹک غور سے دیکھتے ہوئے ان کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ انہوں نے تصویر میں نظر آنے والے شخص کے چہرے پر یوں ہاتھ پھیرا جیسے اس کا لمس چھو لینا چاہتی ہوں۔ دائیں آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا اور تصویر پر جا گرا۔ انہوں نے احتیاط سے اپنے دوپٹے کے پلو سے اسے صاف کیا۔ تصویر کو پھر لفافے میں ڈالا، لفافے کو دوپٹے میں لپیٹا اور دراز کو مضبوطی سے بند کر کے تیزی سے باہر نکل آئیں۔

UUNovels.com

گرمیاں اپنے طویل قیام کے بعد رخصت ہو رہی تھیں۔ فضا میں رچی ہلکی ہلکی سی خنکی بھلی محسوس ہو رہی تھی۔ دوپہریں چھوٹی اور راتیں لمبی ہوتی جا رہی تھیں۔ بدلتا ٹھنڈا میٹھا سا موسم، اپنے ساتھ کھانسی اور نزلہ زکام کی وبا بھی لایا۔ بی جی نے دودھ گرم کیا تو اس میں چمچہ بھر شہد بھی ملا لیا۔ زیور دودھ پینے کی چور تھی۔ وہ زبردستی پلاتی تھیں۔ اب بھی انہوں نے کپ بھرا اور اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

وہ کھلی کتاب سینے پر الٹی رکھے بے سدھ سو رہی تھی۔ آج زیادہ تھک گئی تھی شاید اسی لیے جلدی سو گئی۔ انہوں نے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر ڈھک دیا۔ اس کی پیشانی پر بکھرے بال سنوارے اور احتیاط

سے کتاب اٹھائی۔ سرورق پر لکھا تھا۔ "مٹھی بھر محبت"۔ انہوں نے ایک صفحے پر نظر ڈالی۔ لکھا تھا۔

"محبت کائنات کا سب سے خالص اور انمول جذبہ ہے۔ جو اپنا دامن اس سے بھر لے اسے کسی اور دھن دولت کی حاجت نہیں رہتی۔ محبت کرنے والوں کو اس راہ کے خار بھی پھول لگتے ہیں۔ محبت خواب ہے۔ خواہش ہے۔ رنگ ہے، خوشبو ہے۔ یہ کسی ایک موسم کی سوغات نہیں ہے۔ یہ تو انسان کے اندر سے پھوٹتی ہے۔"

ان سے مزید پڑھا نہیں گیا۔ وہ کانپ کر رہ گئیں۔ "نہیں میری بچی نہیں۔" وہ دھیرے سے بڑبڑائیں۔

"کہیں محبت کے فریب میں نہ آ جانا۔ یہ بڑا خوار کرتی ہے۔ انسان نہ اپنا رہتا ہے نہ بیگانہ۔ یہ جادو ہے۔ یہ ایسا سحر ہے جو جس پر طاری ہو جائے اس کے نصیب میں بس آبلہ پائی ہی لکھ دی جاتی ہے۔ نہ بچی نہ......اس ظالم محبت سے دور رہنا۔"

وہ خود کلامی کیے گئیں اور زیور ان کی خود کلامی سے بے خبر میٹھی نیند سوتی رہی۔

☆☆☆

آج بہت دن بعد اس نے ماموں کے ہاں چکر لگایا تھا۔ وہ گھر پر نہیں تھے۔ مینو پچھلے احاطے میں تھی۔ وہ پرندوں کی بہت شیدائی تھی۔ اس نے بے شمار رنگ برنگی چڑیاں، کبوتر اور طوطے وغیرہ پال رکھے تھے۔ اس وقت بھی وہ ایک اونچے سے اسٹول پر چڑھ کر بیٹھی تھی، ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پنجرہ تھا جس میں طوطے کا ایک ننھا سا بچہ موجود تھا، جو غالباً نیا نیا خریدا تھا۔ وہ اسی سے باتیں کرنے میں مگن تھیں۔

"مٹھو میاں! تمہارا نام کیا ہے......؟"

"بولو تمہارا نام کیا ہے......؟"

"بولو بنی......بنی" وہ اسے بولنے پر اکسا رہی تھی مگر طوطا اجنبی ہونے کی وجہ سے تھوڑا ہراساں لگ رہا تھا۔

"مٹھو! میری جان! تمہارا نام کیا ہے......؟"

"چوری کھاؤ گے......؟ بولو چوری کھاؤ گے......؟" ایک سے سوالات کی تکرار سن کر فیضان کا ضبط جواب دے گیا۔

"میرا نام فیضان ہے اور میں چوری کھاؤں گا۔" وہ اچانک سامنے آ کر بولا تو وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔

"ہائے اللہ! تم کب آئے......؟"

"بس ابھی ابھی......اور تم نے یہ کیا اس ننھے بچے کو بھی قید کر رکھا ہے......!" اس کا اشارہ مٹھو کی جانب تھا۔

"یہ وہاں دکان پر بھی قید ہی تھا۔ یہاں تو پھر بہت اچھے حالات میں رہ رہا ہے۔" اس نے پنجرہ کو ایک طرف نہایت احتیاط سے رکھا۔

"آخر کیا ضرورت ہے اتنا بڑا چڑیا گھر پال رہی ہو......؟"

"فیضان! ان پرندوں کی کمپنی بہت اچھی ہوتی ہے۔ اتنی پیاری باتیں کرتے ہیں۔ تم کچھ وقت ان کے ساتھ گزار کر تو دیکھو!"

"میں یہاں ان کی کمپنی انجوائے کرنے نہیں آیا۔ تم سے اور ماموں جان سے ملنے آیا ہوں۔ اس ویک اینڈ پر گاؤں جا رہا ہوں۔"

"ہائے اللہ گاؤں! میرا بھی بڑا دل چاہتا ہے گاؤں جانے کو۔

سمسٹر بریک میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ تم آتے ہوئے پھوپھو کو لیتے آنا۔ میں ان سے ملنے کو بڑی بے چین ہوں میں۔"

"وہ نہیں آتیں۔ کئی بار کہا ہے۔ ان کو شہر کی آب و ہوا راس نہیں آتی۔" اتنے میں باہر گیٹ پر گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ "لو بابا بھی آ گئے۔ تم ہاتھ منہ دھو لو۔ میں بخشو بابا سے کہہ کر کھانا لگواتی ہوں۔" وہ دونوں اندرونی حصے کی جانب چل دیے۔

☆☆☆

آج کا دن نسبتاً کچھ گرم تھا۔ دوپہر بھی تپ رہی تھی۔ زیور اپنی ساتھی لڑکیوں کے ہمراہ ڈیوٹی پر تھی۔ وین کی بریک کچھ مسئلہ کر رہی تھیں، اس لیے ڈرائیور نے اسے مین روڈ پر ہی کھڑا کر دیا تھا اور وہ سب اپنے

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

اپنے بیگ سنبھالے پیدل ہی چل پڑی تھیں۔ عام طور پر وہ چھ لڑکیاں ہوتی تھیں۔ آج دو نے اچانک چھٹی کرلی تھی۔ اس لیے اب وہ کل چار تھیں۔

ان چاروں نے گڑیاں بانٹ لی تھیں۔ کومل اور زبور کو پچھلی جانب جانا تھا۔ وقت بچانے کی خاطر اس نے کومل سے کہا کہ وہ سامنے والی گلی میں چلی جائے اور وہ خود اس سے اگلی گلی میں چلی جاتی ہے۔ پسینہ بہہ رہا تھا۔ وہ رومال سے پونچھتی جارہی تھی۔ پہلے دو گھروں پر تو تالا پڑا تھا۔

اس نے تیسرے گھر کی بیل بجائی۔ کافی دیر بعد ایک لمبے تڑنگے لڑکے نے دروازہ کھولا۔ اس نے پروفیشنل انداز میں، چائے پتی کے ڈبے اس کے سامنے کرتے ہوئے بولنا شروع کیا۔ لڑکے نے شائستگی سے گھر کے اندر آنے کی دعوت دی کہ خاتون خانہ کی طبیعت ناساز ہے اور وہ دروازے تک نہیں آسکتیں، وہ بھی گھر کے اندر نہیں جاسکتی تھی۔ کمپنی کی طرف سے اجازت بھی نہیں تھی اور وہ خود بھی اس کو مناسب خیال نہیں کرتی تھی۔ اس لیے معذرت کرتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد اسے اپنے پیچھے تیز قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے ذرا سا گردن موڑ کر دیکھا وہی لڑکا چلا آرہا تھا۔ وہ نظر انداز کرکے آگے بڑھتی رہی۔ گلی بھی کچھ سنسان تھی۔ اچانک اس کے کندھے کو شدید جھٹکا لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتی وہی لڑکا بیگ اس کے بازو سے دبوچ کر بھاگ نکلا۔ وہ چیختی چلی گئی۔

ٹھیک اسی وقت فیضان گاؤں سے واپس آرہا تھا۔ ابھی گلی کے نکڑ سے کافی دور تھا جب اسے نسوانی چیخوں کی آواز سنائی دی اور پھر اس نے گلی سے ایک لڑکے کو بھاگ کر دوسری جانب جاتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں براؤن بیگ تھا۔

براؤن بیگ دیکھ کر اس کے دماغ میں گھنٹی سی بجی۔ صرف ایک ہی لمحہ لگا اسے، صورت حال سمجھنے میں مگر وہ جتنا بھی تیز بھاگتا لڑکے تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ایک تو فاصلہ زیادہ تھا۔ دوسرے اس نے بھی ایک وزنی بیگ اٹھا رکھا تھا۔ اماں نے آتے وقت نجانے کون کون سی سوغات اس میں بھر دی تھیں۔ اس نے ایک ہاتھ میں کولڈ ڈرنک کی بوتل تھام رکھی تھی جو اس نے راستے میں خریدی تھی۔ اس نے بیگ ایک طرف رکھتے ہوئے بھاگ کر وہی بوتل اس لڑکے کی جانب پھینکی خوش قسمتی سے نشانہ فٹ بیٹھا۔ بوتل لڑکے کے عین ٹخنے پر جا لگی۔ اس نے کراہ کر بیگ وہیں پھینکا اور خود بھاگ کھڑا ہوا۔

فیضان نے بیگ اٹھایا۔ بغیر زپ کے اس بیگ کے اندر سے چائے کی پتی کے کئی ڈبے جھانک رہے تھے۔ پھر واپس آکر اس نے اپنا بیگ بھی اٹھایا اور گلی کے اندر داخل ہوا۔ سامنے سے ہراساں سی زبور چلی آرہی تھی۔

"یہ لیں مس!" اس نے بیگ اس کے حوالے کیا۔

"وہ اچانک ہی چھین کر بھاگ گیا تھا۔ میں کچھ کرہی نہ سکی۔" اس نے کسی قیمتی متاع کی طرح بیگ پکڑ لیا۔ اس کے اندر جتنا سامان تھا وہ اپنی تین ماہ کی سیلری دے کر بھی قیمت پوری نہیں کرسکتی تھی۔

"مس! اس طرح کے حادثے اچانک ہی ہوتے ہیں۔ اب اس نے آپ کو بتا کر تو نہیں بیگ چھیننا تھا۔" وہ اس کے اُڑے اُڑے حواس دیکھ کر ملکے پھلکے لہجے میں کہنے لگا۔ اتنے میں کومل بھی اپنا کام ختم کرکے آپہنچی، اس واقعہ کا معلوم ہوا تو وہ بھی سخت پریشان ہوئی۔

"تھینک یو مسٹر.....؟" وہ ممنون نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"فیضان" فیضان نے ذرا سا سر جھکا کر تعارف کروایا۔

"ویسے شکریہ تو ان کی طرف سے بنتا تھا۔" اس نے گم صم سی زبور کو دیکھ کر شرارت سے کہا۔

"جی! شکریہ" وہ دھیرے سے نظریں ملائے بغیر بولی اور پھر کومل کا ہاتھ پکڑ کر، تیزی سے آگے بڑھ گئی جبکہ وہ وہیں کھڑا انہیں دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ دونوں گلی کا موڑ مڑ گئیں۔

☆☆☆

مینو کی سالگرہ آرہی تھی۔ اس نے ایک ہفتہ پہلے سے ہی شور مچا رکھا تھا۔ "میرا گفٹ بھول نہ جانا۔"

"کیا لوگی.....؟"

"بس کچھ بہت اچھا اور منفرد سا۔"

"کوئی جیولری آئٹم.....؟"

"ہرگز نہیں۔"

"تو پھر میک اپ کا سامان؟"

"بالکل نہیں۔"

"شعر و شاعری کی کوئی کتاب۔"

"وہ بھی نہیں..... شاعری میرے کئی فٹ اوپر سے گزر جاتی ہے۔"

"تو پھر کیا.....؟"

"بس کچھ اچھا اور منفرد سا۔"

"تو پھر سائیکل کا ٹائر لے لیتا ہوں وہی منفرد سا ہوگا۔" وہ چڑ کر بولا۔

اس دن وہ بازار گفٹ خریدنے آیا تھا اور کچھ منفرد اور اچھا سا ڈھونڈتے ہوئے دکان دکان پھر رہا تھا۔ ایک جگہ وہ ڈیکوریشن پیس دیکھ رہا تھا، جب اس کے کانوں میں ایک باریک سی نسوانی آواز ٹکرائی۔

"ہیلو مسٹر فیضان..... آپ.....؟"

اس نے مڑ کر دیکھا۔ ایک لڑکی شناسائی سے مسکرا رہی تھی۔ ذرا سا ذہن پر زور ڈالا تو یاد آیا کہ یہ وہی دوسری والی لڑکی تھی۔ وہ خوش دلی سے مسکرایا۔

"کیا شاپنگ ہورہی ہے.....؟"

"جی! دراصل میری کزن کی برتھ ڈے آرہی ہے تو اسی کے لیے گفٹ پسند کررہا تھا۔ آج آپ کے ساتھ مس زبور نہیں ہیں۔" اس نے کچھ جھجکتے ہوئے اس کے اردگرد، متلاشی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

وہ اس کی بے چینی کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"وہ بھی ہے۔ ابھی جوس کارنر سے جوس لینے گئی ہے۔"

زبور جب جوس لے کر آئی تو کومل فیضان سے گپ شپ کررہی تھی۔ اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا، کیونکہ تھوڑی دیر پہلے اس نے واویلا مچا رکھا تھا کہ اس کا بی پی لو ہورہا ہے تو وہ اس کے لیے جوس لینے گئی تھی۔ اب وہ بھلی چنگی گپیں ہانک رہی تھی۔

"زبور! یہ اپنے فیضان صاحب ہیں۔ شاپنگ کے لیے آئے ہیں۔" اس نے "اپنے" اور "فیضان صاحب" یوں کہا جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ زبور کی خونخوار نظروں کو وہ قطعی خاطر میں نہیں لارہی تھی۔

"مس زبور اور مس کومل! اب آپ دونوں میری مدد کریں کہ میں، اپنی کزن کے لیے کیا گفٹ لوں جو اچھا بھی ہو اور منفرد بھی۔"

فیضان نے بھی بے تکلفی سے کہا۔ زبور تو لاتعلقی سے ایک جانب کھڑی رہی جب کہ کومل نے گھوم پھر کر دکان کا جائزہ لیا اور پھر اس کی نظر ایک خوب صورت سے پنجرے پر پڑی، جس پر ننھی منھی آرائشی لائٹس لگی ہوئی تھیں۔

"فیضان صاحب! آپ بتا رہے تھے کہ آپ کی کزن، پرندوں کی شوقین ہے تو آپ یہ پنجرہ خرید لیں۔ انہیں بہت پسند آئے گا۔"

"واؤ امیزنگ! یہ واقعی منفرد تحفہ ہوگا۔" فیضان کو بھی آئیڈیا پسند آیا۔ وہ دکان دار سے بھاؤ تاؤ کرنے لگا اور زبور کومل کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"شرم تو نہیں آتی۔ ایک اجنبی سے اتنا بے تکلف ہونے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ اسے دبی دبی زبان میں ڈانٹنے لگی۔

"اجنبی کہاں! اتنی بار تو مل چکے ہیں۔ اتنے اچھے تو ہیں۔ فیضان صاحب" وہ لاپروائی سے بولی۔

"اچھا! بتاتی ہوں میں تمہارے منگیتر کو۔" وہ دھمکی دیتے ہوئے بولی۔

"میرے منگیتر کا یہاں کیا ذکر.....؟ انہیں تو لگتا ہے تم پسند آئی ہو۔ مجھے دیکھتے ہی سب سے پہلے تمہارے بارے میں پوچھا تھا۔" وہ ایک آنکھ میچ کر شرارت سے مسکرائی۔

"بس کردو کومل، یہ لن ترانیاں۔ دیکھو، ہم پروڈکٹ گرلز ہیں۔ گلی محلوں میں پھر کر اپنی روزی کمانے والیں۔ ہم یہ سب افورڈ نہیں کرسکتیں۔"

"کیا افورڈ نہیں کرسکتیں۔ محبت..... ہاں کیا ہمارا حق نہیں ہے کہ ہم کسی کو پسند کریں یا کوئی ہمیں

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

چاہے۔" کومل دل گرفتگی سے مسکرائی۔

"ہاں بس یہی سمجھ لو....."

☆☆☆

اس دن تو اس نے ڈپٹ کر کومل کو چپ کروادیا تھا۔ مگر اپنے ہی دل کو چپ نہ کروا سکی جس کے تار نجانے کب، کیسے اور کس طرح فیضان کے دل کے تاروں سے جڑ گئے۔ انہی گلیوں میں آتے جاتے، سرراہ ٹکراتے، کچھ اتفاقاً کچھ ارادتاً وہ دونوں اس شے سے گھائل ہوگئے جسے دنیا عشق محبت کا نام دیتی ہے۔

زبور کو تو اپنی ہی سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس نے خود کے لیے جس جذبے کو بیحد ممنوعہ قرار دے رکھا تھا اس کا سحر اتنی آناً فاناً اس پر کیسے طاری ہوسکتا تھا۔ ہنوز وہ اس حقیقت کو جھٹلانے پر مائل تھی۔ جب کہ فیضان بغیر جراحت کیے چاروں شانے چت ہو چکا تھا۔ ویسے بھی اسے زبور کی طرح اپنی ہی ذات سے جنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

وہ مرد تھا۔ اسے دنیا اور معاشرے کا خوف بھی نسبتاً ایک نازک اندام لڑکی سے خاصا کم تھا۔ دوسرے وہ اس محبت کو پورے خلوص سے خوش آمدید کہہ چکا تھا اور اپنے اس نئے نویلے جذبے کی بھرپور پذیرائی بھی چاہتا تھا۔ پہلے پہل تو زبور نے بہتیرا دامن چھڑایا۔ خود کو سمجھایا، روکنا چاہا مگر کب تک۔ پھر تھک ہار کر خود کو خود سے ہی ہارنے دیا۔

☆☆☆

زیست کی راہ میں
وفا کی چاہ میں
دل بے قرار کو
دل بے اعتبار کو
نہ کوئی چاند تارا
نہ کوئی موتی ستارا چاہیے
بس مٹھی بھر محبت چاہیے
تاریک راہیں ہیں اور
منزلیں گم شدہ
نہ کوئی کہکشاں
نہ آفتاب سارا چاہیے
بس مٹھی بھر محبت چاہیے

کیا خوب صورت شاعری ہے۔ اس کے لب پڑھتے پڑھتے آپوں آپ مسکرا اٹھے۔ آنکھوں میں جیسے کسی نے جگنوؤں سے بھر دیے ہوں۔

"کیا بات ہے؟ زبور بڑی خوش لگ رہی ہو....."

بی جی، اس کا کمبل اٹھا کر اندر آئیں تو وہ آنکھیں بند کیے مسکرا رہی تھیں۔ انہوں نے ٹٹولتی نظروں سے اسے دیکھا کچھ تھا جو ان کی معصوم بچی کو بدل رہا تھا۔

"ہاں بی جی! آج میں بہت خوش ہوں۔" اس نے کتاب بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"آپ کو پتا ہے آج چیئرمین صاحب نے میری بہت تعریف کی۔

آج ہماری میٹنگ تھی۔ میں نے انہیں کچھ تجاویز پیش کیں جو ان کو بے حد پسند آئیں۔ میں نے کہا کہ ایک تو ہمارے سروے کی ٹائمنگ بہت غلط ہے۔ ہم عین دوپہر میں جاتے ہیں جب گھریلو خواتین دوپہر کی باندی روٹی سے نبرد آزما ہوتی ہیں۔ وہ دروازہ ہی نہیں کھولیں گی اگر کھول دیں تو ڈھنگ سے ہماری بات سننے کا ان کے پاس ٹائم نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ صرف قیمت کم کرنے سے کام نہیں چلے گا ہمیں ساتھ میں فری ساشے بھی دینے ہوں گے۔ اور آخری تجویز تھوڑی مہنگی ہے۔

وہ یہ کہ اگر ہم شام کے وقت اسٹال لگا کر گھر کے کاموں سے تھکی ہاری خواتین کو ایک کپ فری چائے بنا کر پلائیں تو شاید ان کو ہماری برانڈ کا ٹیسٹ پسند آجائے۔ اس طرح کمپنی کا تھوڑا خرچا تو ہوگا مگر اس کے اثرات دیرپا ہوں گے اور کامیابی کے امکانات بھی ہیں۔ پھر چیئرمین صاحب کے ساتھ ساتھ سپروائزر اور میری ساتھی لڑکیوں کو بھی میرے پیش کردہ نکات بہت اچھے لگے۔ یوں چیئرمین کی سفارش پر میری سیلری میں دس فیصد اضافہ بھی ہوگیا ہے۔"

وہ خوشی خوشی بتا رہی تھی۔ بی جی نے اس کا سر چوم کر اسے گلے لگا لیا۔

☆☆☆

فیضان گاؤں آیا ہوا تھا۔ پچھلے دنوں اماں جان کی کچھ طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ انہوں نے تو اسے اور ماموں جان کو خبر بھی نہیں ہونے دی تھی۔ وہ تو گاؤں سے ایک آدمی کسی کام سے اس کے دفتر آیا تھا تو اس نے تذکرہ کیا تھا۔ اسی شام وہ یہاں آنے کے لیے روانہ ہوگیا تھا۔ اماں کی طبیعت تو سنبھل چکی تھی مگر وہ کچھ کمزور لگ رہی تھیں۔

دراصل انہیں انجائنا کا مسئلہ تھا۔ کبھی کبھار دل میں درد شروع ہوجاتا تھا۔

"اماں! اس بار میں آپ کو اپنے ہمراہ لے کر ہی جاؤں گا۔" وہ ٹرے میں چائے کے دو کپ رکھے اندر داخل ہوا۔

"میں یہیں ٹھیک ہوں۔ تم میری فکر نہ کرو اور ہاں یہ تم آج کل کچھ زیادہ ہی چائے نہیں پینے لگ گئے ہو۔"

"اماں! یہ نیا برانڈ ہے۔ بڑے مزے کا ٹیسٹ ہے۔ آپ پی کر تو دیکھیں۔" اس کے لب کسی کا تصور کر کے مسکرائے۔

"وہ اماں! مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔" وہ ذرا سا ہچکچا کر بولا۔ گھر سے ہی ارادہ کر کے آیا تھا کہ اس بار اماں کو زبور کے بارے میں بتائے گا۔

"ضروری بات تو میں نے بھی کرنی تھی۔" وہ بولیں۔

"اچھا تو پھر پہلے آپ بتائیں۔"

"نہیں تم بتاؤ۔"

"اماں! وہ ایک لڑکی ہے زبور....." اس نے اٹک اٹک کر بامشکل جملہ پورا کیا (ہائے اللہ کتنا مشکل ہے ماں کو اپنی محبت کے بارے میں بتانا) اماں! وہ بہت اچھی ہے۔ اماں! آپ اس سے ملیں گی نا تو..... اماں..... وہ زبور..... وہ"

"بس کردو فیضان..... خاموش ہوجاؤ....." وہ اپنی رو میں بولے جا رہا تھا جب اماں نے اسے ڈپٹ کر چپ کروادیا وہ نا سمجھی سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"پچھلے ہفتے تمہارے ماموں آئے تھے۔" وہ حیران رہ گیا۔ انہوں نے تو اس سے ذکر ہی نہیں کیا تھا۔

"وہ تمہارے اور مینو کے بارے میں کرنا چاہ رہے تھے۔ کھل کر تو نہیں کہہ سکے مگر میں سمجھ گئی کہ وہ مینو کے لیے تمہیں منتخب کر چکے ہیں۔

سچی بات یہ ہے کہ میری بھی یہی خواہش تھی مگر میں نے از خود اس لیے نہیں کہا کہ ہم ان کے ہم پلہ تو ہیں نہیں۔ کہیں ان کو برا ہی نہ لگ جائے مگر اب تو وہ خود ایسا چاہ رہے ہیں تو تم مجھے کوئی اور کہانی سنا رہے ہو۔"

"اماں! میرے اور مینو کے بیچ ایسا کچھ نہیں ہے۔ ہم نے صرف ایک اچھی کزن شپ انجوائے کی ہے۔ ایک دوسرے کے بارے میں ہم ایسا ہرگز نہیں سوچتے۔ ماموں جان نے بھی مینو کا عندیہ جانے بغیر یہ بات چھیڑی ہوگی، ورنہ اب تک وہ قیامت اٹھا دیتی۔ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ وہ ایسا کچھ نہیں چاہتی۔"

اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ اس وقت اسے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ وہ خود سو فیصد غلط ہے۔

☆☆☆

اس بار وہ سیدھا ماموں کے ہاں آیا تھا۔ اب اس معاملے میں مینو کو اعتماد میں لینا بے حد ضروری تھا۔ ایسا نہ ہو کہ ماموں اور اماں بالا ہی بالا اس کی اور مینو کی بات ہی پکی کردیں۔ اس نے موبائل چارجنگ پر لگایا اور شاور لینے واش روم میں گھس گیا۔

جب باہر نکلا تو مینو اس کا موبائل پکڑے بیٹھی تھی۔ وہ اپنے موبائل پر پاس ورڈ وغیرہ تو لگاتا نہیں تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلف تو تھے۔ جب جی چاہتا ایک دوسرے کے موبائل کو کھنگال لیتے تھے۔

"فیضان! یہ زی کے نام سے تم نے کس کو سیو کر رکھا ہے۔" وہ کچھ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔ اس نے زی کے نام سے زبور کو سیو کر رکھا تھا۔ مینو نے غالباً چند ایک میسج وغیرہ پڑھ لیے تھے۔

"ہے ایک دوست" وہ مبہم سا مسکرایا۔

"صرف دوست" وہ خالی خالی نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

"نہیں دوست سے زیادہ ہے۔ سمجھ لو مائی لو" اب کے وہ کھل کر مسکرایا۔

"کیا.....؟" مینو کے منہ سے سرسراتی آواز نکلی اور پھر اس نے موبائل پوری قوت سے اٹھا کر سامنے دیوار میں دے مارا۔ فیضان اس شدید ردعمل پر بھونچکا رہ گیا۔

☆☆☆

وہ بیڈ پر چت لیٹا تھا۔ موبائل اس کے سامنے تھا جس کی جگہ جگہ سے تڑخی ہوئی تاریک اسکرین میں اسے اپنا ستا ہوا چہرہ ہزار ٹکڑوں میں بٹا ہوا نظر آ رہا تھا۔ آج پورے چار دن ہو چکے تھے مینو نہ تو اس کی کال اٹھا رہی تھی اور نہ ہی اس کے کسی میسج کا جواب دے رہی تھی۔ ماضی کے شب و روز اس کے ذہن میں کسی فلم کی مانند چل رہے تھے۔

مینو اس سے پورے آٹھ برس چھوٹی تھی۔ اس نے اسے گود میں کھلایا تھا۔ وہ اس سے لاڈ اٹھواتی تھی۔ فرمائشیں کرتی تھی۔ وہ اس کی اچھی کزن اور دوست تھی۔ دوست سے بڑھ کر اس کے جذبات کب بدلے، اسے کچھ خبر نہ ہو سکی۔ ایک دو بار اماں نے اشاروں کنائیوں میں کہا بھی تھا کہ ماموں شاید اس سے رشتے کے لیے خواہاں ہیں۔

مگر اس نے سوچا تھا کہ مینو خود ہی آگے بڑھ کر انکار کر دے گی اور اسے کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ مگر شاید ماموں کو بھی اپنی بیٹی کے جذبات کی کچھ بھنک پڑ چکی تھی جو انہوں نے از خود اماں سے ان دونوں کے رشتے کی بات کی تھی۔ ایک وہ ہی بے خبر تھا۔ اور اب اس کو بالکل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس معاملے کو کیسے سلجھائے۔

اس نے تو سوچا تھا کہ وہ اماں کو زبور کے لیے راضی کر لے گا۔ زبور نے بتایا تھا کہ اس کی بی جی محبت و جت کے سخت خلاف ہیں۔ اس لیے وہ اماں سے کہے گا کہ وہ رشتہ مانگتے وقت یوں ظاہر کریں، جیسے انہوں نے سر راہ ہی زبور کو دیکھ کر اپنے بیٹے کے لیے پسند کیا ہے۔ یوں یہ ایک بظاہر ارینج مگر حقیقتاً لو میرج ہو گی۔

بعد میں وہ دونوں اس بات کو خوب انجوائے کریں گے۔ زندگی شاید کہانیوں اور ڈراموں میں ہی اتنی آسان اور سیدھی سادی ہوتی ہے۔

عملی زندگی تو ڈور کی مانند الجھی ہوئی ہوتی ہے۔ جس کا نہ پہلا سرا ہاتھ آتا ہے اور نہ آخری۔

☆☆☆

وہ دیوار سے ٹیک لگائے گم صم سی بیٹھی تھی۔ کتاب اس کی گود میں کھلی پڑی تھی مگر اس کی نظریں خلا میں کسی غیر مرئی چیز پر بھٹک رہی تھیں۔ ذہن تاریکیوں میں ڈوبا محسوس ہو رہا تھا۔ کل ہی وہ فیضان سے ملی تھی۔ اس نے ایسی فرمائش پہلی بار کی تھی ورنہ زیادہ تر رابطہ فون پر ہی ہوتا تھا، یا راستے میں کہیں آتے جاتے گھڑی دو گھڑی بات ہو جاتی۔

وہ اتنا الجھا ہوا اور دل گرفتہ سا لگ رہا تھا کہ وہ انکار نہ کر سکی۔ پھر ملنے پر جو کچھ اس نے بتایا وہ اس کی روح فنا کرنے کے لیے کافی تھا۔

"اب کیا ہو گا.....؟" سرسراتا ہوا صرف ایک ہی جملہ اس کے منہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر برآمد ہوا۔

"زبور! میں نے تمہیں اس لیے بتایا ہے کہ میں نے تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کا فیصلہ کیا ہے تو کچھ بھی چھپانا نہیں چاہتا۔ تم فکر نہ کرو۔ یہ میری جنگ ہے اور میں خود ہی لڑوں گا۔"

اپنے اندر کے غبار کو نکالنے کے بعد اب وہ خود کو خاصا ہلکا پھلکا سا محسوس کر رہا تھا۔ زبور کو اس کے خلوص پر کوئی شک نہ تھا۔ اس نے اس کی ذات پر اعتماد کرتے ہوئے سب کچھ کھول کر بتایا تھا۔ اسے اپنا آپ انمول لگ رہا تھا۔ مگر وہ آنے والے وقت سے بھی خائف تھی۔ سو اندیشے ناگ کی مانند ڈس رہے تھے۔

"مگر مینو کا کیا ہو گا.....؟" اس نے کچھ جھجکتے ہوئے اپنے خدشے کو زبان دی۔

"میں اس کو بھی سمجھا لوں گا۔ بہت لاڈلی ہے نا تو محبت کو بھی کھلونا سمجھتی ہے۔ مگر محبت کوئی کھلونا نہیں ہوتی کہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کے ضد کر کے حاصل کر لی جائے۔ یہ تو دو دلوں کی رضامندی کا نام ہے۔ یک طرفہ تو صرف ہٹ دھرمی ہی ہوتی ہے۔"

"اسے میری اور آپ کی انوولمنٹ سے بھی کوئی فرق نہیں پڑا۔"

"شاید نہیں....." وہ دھیرے سے بڑبڑایا۔

"زیبو! بیٹا..... کن سوچوں میں گم ہو۔"

بی جی نے اس کا کندھا ہلایا تو وہ ہوش میں آئی۔

"آج کام پر نہیں جانا کیا.....؟"

"نہیں بی جی..... آج دل نہیں چاہ رہا۔ کومل سے کہہ دیا ہے درخواست جمع کروا دے گی۔" وہ ستے ہوئے لہجے میں بولی اور گود میں دھری کتاب کو بند کیا۔

"یہ کیا پڑھتی رہتی ہو ہر وقت....." انہوں نے کتاب کو ناگواری سے دیکھا۔

"اماں! بہت خوب صورت شاعری ہے۔ "مٹھی بھر محبت۔"

اس نے کتاب کے سرورق پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اداسی سے کہا۔

"زیبی بچے! یہ محبت وجت کچھ نہیں ہوتی۔ یہ سراب ہوتی ہے۔ بڑی بے یقین شے ہے یہ۔ کسی کسی کو راس آتی ہے۔ ورنہ سدا کے لیے جان کا روگ بن جاتی ہے۔" وہ اکھڑے اکھڑے لہجے میں بولیں۔

"بی جی! آپ نے کبھی کی ہے محبت.....؟" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"ہاں! میری جان کی تھی!" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولیں اور وہ ان کو ایک ٹک دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

"میں ایک گارمنٹ فیکٹری میں کام کرتی تھی۔ وہ سپروائزر کا بیٹا تھا۔ خوبرو اور شان دار..... نجانے کیسے مجھ جیسی عام سی شکل وصورت والی لڑکی پر مر مٹا۔ شروع میں تو میں کچھ کترائی، آخر کب تک، الہڑ عمر کے تقاضے اور ہوتے ہیں۔ بالآخر میں بھی دام الفت میں جکڑی گئی۔ وہ شریف النفس تھا۔ پہلے تو اپنے والدین کو مناتا رہا۔

وہ ایک معمولی ورکر کے لیے نہ مانے تو میرے والدین کے گھر کی چوکھٹ پکڑ لی۔ اماں ابا نے سوچا کہ شادی کے بعد والدین بھی مان ہی جائیں گے۔ ایسا اچھا رشتہ پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔ یوں ایک دن وہ اپنے چند دوستوں اور نکاح خواں کے ہمراہ آیا اور مجھے رخصت کروا کر لے گیا۔

ایک چھوٹے سے گھر میں رکھا۔ ارادہ تھا کہ آہستہ آہستہ والدین کو بھی راضی کر ہی لے گا۔ مگر بات اس سے پہلے ہی کھل گئی۔ جو دوست گواہ کے طور پر لایا تھا ان میں سے ہی کسی نے اس کے باپ اور بھائیوں کو خبر کر دی۔

باپ نے آگ بگولا ہو کر جائیداد سے عاق کر دیا۔ فیکٹری کی ملازمت بھی جاتی رہی۔ اس کی بھی اور میری بھی۔ میں نے گھر میں سلائی مشین سنبھال لی اور وہ نوکری کے لیے مارا مارا پھرنے لگا۔ سارا شہر تو باپ اور بھائیوں کا واقف تھا۔ وہ کہیں نوکری لگنے ہی نہیں دیتے تھے۔

میکہ کبھی مضبوط نہیں تھا۔ وہ بھی زیادہ مدد نہیں کر پائے تھے۔ کھینچ تان - کر گزارہ ہونے لگا۔ میں تو عادی تھی اس کھینچ تان کی مگر وہ تو ناز و نعم میں پلا بڑھا تھا۔ سہولتوں کے بغیر اس کا گزارا مشکل تھا۔

کچھ خونی رشتوں کی بھی اداسی تھی، کئی بار گیا۔ معافی تلافی کے واسطے دیے۔ مگر ادھر سے ایک ہی شرط تھی کہ اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر آؤ۔ پہلے پہل تو یہ ڈٹا رہا مگر آخر کب تک.....!!

اتنی ساری محبتوں کے مقابلے میں ایک محبت کم پڑ گئی تھی شاید پھر ایک روز گیا تو لوٹ کر ہی نہیں آیا۔ چند ماہ بعد ڈاک کے ذریعے طلاق نامہ بھیج دیا۔ میں ٹی پی سی دوبارہ اماں ابا کے گھر آ پڑی انہوں نے مجھ پر دوبارہ گھر بسانے کے لیے بہتیرا زور دیا۔ دوڑ بھاگ کر کے رشتے بھی تلاش کیے مگر میرا مردہ دل مانا ہی نہیں۔ تنگ آ کر انہوں نے چھوٹے بھائی کی شادی کر دی۔

بھاوج اچھی تھی میرے وجود کو بھاری نہ جانا۔ پھر ہمارے آنگن میں تم بہار بن کر اتریں۔ میرا جی بھی بہل گیا۔ مگر شاید خوشیاں نصیب میں نہ تھیں۔ ایک حادثے میں بھائی بھاوج گزر گئے۔ میں نے تمہیں ان کی نشانی سمجھ کر سینے سے لگا لیا (یہ انکشاف اس کے لیے نیا نہ تھا۔

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

وہ جانتی تھی کہ وہ اس کی ماں نہیں پھوپھو ہیں۔ مگر انہوں نے اس پر اتنی ممتا لٹائی تھی کہ اسے کبھی بھولے سے بھی ماں کی کمی محسوس نہیں ہوئی تھی۔)

''تمہاری صورت میں مجھے جینے کا سہارا مل گیا۔'' انہوں نے اپنی نم آنکھیں پونچھیں میں نے ایک سلائی سینٹر میں نوکری کر لی۔ اس کے بعد بھی کئی ایک نے ہاتھ تھامنا چاہا۔ ایک آدھ تو کہیں بھی قبول کرنے کے لیے تیار تھا مگر........'' وہ ذرا سا رکیں۔

''مگر آپ نے ایک تصویر کو دیکھتے زندگی بتادی'' اس نے تلخی سے ان کا جملہ مکمل کیا۔ اس نے کئی بار انہیں ایک تصویر پر آنسو بہاتے دیکھا تھا۔ مکمل کر تو اسے کچھ پوچھنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی، مگر وہ یہ ضرور جانتی تھی کہ شاید یہی شخص ان کی نارسائیوں کا ذمہ دار ہے۔

☆☆☆

کہنے کو تو اس نے زیور سے کہہ دیا تھا کہ وہ مینو کو سمجھائے گا مگر یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ ماموں کے ہاں آیا تو اس میں مینو کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ کافی دیر تک وہ ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھا رہا۔ ملازم نے بتایا تھا کہ وہ پچھلے احاطے میں ہے۔

پھر اس نے اپنی ہمت یکجا کی اور قدموں کو گھسیٹتا ہوا وہاں چلا آیا۔ وہ کبوتروں کو باجرہ ڈال رہی تھی۔ چہرہ ستا ہوا تھا اور بال بکھرے تھے جیسے کب سے نہ سلجھائے ہوں۔ وہ ملگجے سے ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس تھی۔ ہر وقت تک سک سے تیار رہنے والی مینو کا یہ حلیہ دیکھ کر اس کا دل کٹ گیا۔

''منال'' اس نے دھیرے سے پکارا۔ وہ اس کے قدموں کی مانوس چاپ سے جان تو چکی تھی کہ کون آیا ہے مگر بدستور پنجرے کے پاس ہی کھڑی رہی۔

''مینو'' اس نے خشک حلق کو تر کر کے پھر پکارا۔

اب کے اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں گلے شکوؤں کے اتنے رنگ تھے کہ وہ نظریں چرا کر رہ گیا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی قریب آئی۔ وہ جو سوچ کر آیا تھا کہ یہ کہے گا وہ کہے گا سب بھول گیا۔ منہ سے غیر ارادی طور پر فقط ایک بے ربط سا جملہ برآمد ہوا۔

''مینو! پلیز...... میں...... میں...... اور زیور......''

''زیور'' لفظ زیور پر یک لخت اس کے گم صم سے تاثرات میں تندی آئی اور وہ لفظ چبا کر بولی۔

''آخر کیا ہے اس دو ٹکے کی پروڈکٹ گرل میں جو تم اسے میرے اور اپنے بیچ میں لے آئے ہو۔'' لہجہ زہر بھرا تھا۔

''تمیز سے بات کرو مینو!'' وہ تحمل سے بولا۔

''ہمارے بیچ کچھ تھا ہی نہیں...... تم غلط سمجھ......''

''کیا کچھ نہیں تھا۔'' وہ ترنت اس کا جملہ کاٹ کر بولی۔ صدمے سے اس کی آواز پھٹ گئی۔

''بہت کچھ تھا فیضان! بہت کچھ...... ہم نے کتنا وقت ساتھ گزارا...... وہ ہنسی مذاق...... تحفے تحائف...... ملنا ملانا تم نے کتنی بار کہا کہ مینو تم بہت اچھی ہو...... کتنی بار تم نے......'' پھر وہ اٹکی اور آنسوؤں بھری آواز میں بولی۔

''خدا کے لیے فیضان! اپنی بے وفائی کو بے خبری کا نام نہ دو۔''

اسی پل اسے احساس ہوا کہ غلطی اس کی بھی تھی۔ محض دوست سمجھ کر وہ جو کچھ کرتا رہا مینو اسے نجانے کب سے کچھ اور سمجھ رہی تھی۔ وہ بھول گیا تھا کہ وہ چھوٹی سی مینو ایک نوجوان لڑکی بھی ہے اور لڑکیوں کے نازک اور کومل جذبات بھی ہوتے ہیں۔ اسے فاصلہ رکھنا چاہیے تھا۔ ٹھیک ہی کہا ہے کسی نے کہ مرد اور عورت کبھی بھی محض دوست نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنی ہی ادھیڑ بن میں الجھا تھا۔

وہ ایک ایک قدم اٹھاتی قریب آئی۔ اتنا قریب کہ فاصلہ رکھنے کے لیے اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے، اس کی شرٹ کے کالر کو نرمی سے پکڑا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''فیضی! پلیز چھوڑ دو اس کا پیچھا...... وہ چار دن پہلے تمہاری زندگی میں آئی ہے اور میرا تمہارا جنم جنم کا ساتھ ہے۔ میں تمہارے بن نہیں رہ سکتی۔'' پھر وہ بری طرح سے سسک اٹھی۔ وہ سن سا جہاں کا تہاں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆

شام کو اماں کا فون آیا۔

''فیضی بیٹا! اگلے ہفتے ہانیہ اور عامر آ رہے ہیں۔ میرا اور تمہارے ماموں کا خیال ہے کہ ان کے آنے پر تمہاری اور مینو کی منگنی کر دی جائے۔''

''اماں! مگر میں نے آپ سے اپنی اور زیور کی بات کی تھی۔'' ماں کی لاتعلقی پر اسے شدید غصہ آیا۔

''خدا کے لیے فیضان! میرے ان سفید بالوں کا کچھ لحاظ کرو۔ میں مینو کے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ اپنے ماموں کے احسانات بھول گئے۔ تمہیں اور ہانیہ کو پالا پوسا، تعلیم دلوائی ہانیہ کا اتنی اچھی جگہ رشتہ کروایا۔ تمہیں پاؤں پر کھڑا ہونے میں کتنی مدد کی۔ ورنہ آج تم ٹین ڈبے بیچ رہے ہوتے۔''

''ہاں تو اس میں بھی ان کی غرض ہی چھپی ہوئی تھی'' وہ تنفر سے بولا۔

''مجھ جیسے تانبے کو پگھلا کر ہیرا بنایا تا کہ وہ اسے اپنی بیٹی کے سر پر سجا سکیں۔''

''فیضی! بکواس مت کرو۔ مینو کا معاملہ نہ بھی ہوتا تو میں اس گلی گلی چیزیں بیچنے والی کو اپنی بہو کبھی نہ بناتی۔''

انہوں نے تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک دی۔

☆☆☆

وہ دونوں کتنے دن بعد پھر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ گم صم سے چپ چاپ جب کہنے کو کچھ نہ رہے تو پھر خاموشی باتیں کرتی ہے۔ کئی پل یوں ہی سرک گئے۔ پھر زیور نے ہی اسے پکارا۔

''فیضان'' اس کا لہجہ لرز رہا تھا مگر آنکھوں میں امید اور آس ڈول رہی تھی۔

فیضان بدستور، سر جھکائے اپنے ہاتھوں کی مٹھیوں کو کھول اور بند کر رہا تھا۔

''فیضان! پلیز کچھ تو کہو۔'' اس نے گھبرا کر اس کا شانہ ہلایا فیضان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور صرف چار دن پہلے اس کی زندگی میں آنے والی زیور اس کے تاثرات دیکھ کر سمجھ گئی کہ اس کے پاس کچھ اچھا نہیں ہے۔ وہ شاید جنگ ہار آیا تھا۔

''زیور!'' وہ دھیرے سے بولا اتنا دھیرے کہ زیور بامشکل سن پائی۔

''میں تمہارے اور اپنے لیے کچھ کر تو نہیں سکا مگر ابھی بھی ایک راستہ ہے۔ اگر تم میرا ساتھ دو تو۔''

''ہاں! اگر تم میرا ساتھ دو۔'' اس نے اپنے الفاظ دوبارہ دہرائے اور پھر میز پر دھرے اس کے دونوں یخ ٹھنڈے ہاتھوں کو تھام لیا۔

''ہم شادی کر لیتے ہیں۔ آج یا کل...... میرا ایک دوست وکیل ہے۔ وہ مدد کرے گا۔ بعد میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

چند ثانیے وہ اسے دیکھتی رہی اس کا شان دار سراپا، خوب صورت چہرا، دلکش نین نقوش، اس کی روشن کالی سیاہ آنکھیں اور آنکھوں میں جلتے بجھتے دیے......

''تم فکر نہیں کرو زیور! بعد میں سب ٹھیک ہو جائے گا'' وہ اس کے ہاتھوں کو ہلکا سا جھٹک کر بولا۔

وہ ہڑبڑا گئی۔ اس نے ایک بار پھر اپنے سامنے بیٹھے مرد کو دیکھا پھر خود سے سوال کیا۔ کیا یہ اپنے سے جڑے رشتوں کے بغیر رہ لے گا۔ اس بار اس کے اپنے پاس اور سامنے موجود شخص کے پاس بھی شاید اس سوال کا جواب نہیں تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی ہے۔ اس نے پھر نظریں جھکائیں اور اس نے تیزی سے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکالے، اپنا بیگ اٹھایا اور وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

☆☆☆

آج کی رات بہت بھاری تھی۔ فیضان نے فیصلہ اس پر چھوڑا تھا۔ اور فیصلے تو پھر مشکل ہی ہوا کرتے ہیں اور ایسا فیصلہ تو روح کھینچ لینے کے مترادف تھا۔ وہ دوسرے کمرے میں آئی۔ بی جی دوا کھا کر سو رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر زمانوں کا کرب جھلک رہا تھا۔

کیا وہ ایک بار پھر ان کی کہانی دہرانے جا رہی تھی؟ فیضان نے کہا تھا کہ وہ سب ٹھیک کر لے

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

گا۔اگر وہ کچھ بھی ٹھیک نہ کر سکا تو۔اس کی زندگی میں ایک رشتہ تھا، بی جی کا۔اور اس کی زندگی میں کتنے رشتے تھے۔مینو، ماموں، ماں، بہن......

کیا وہ ان کے بغیر جی لے گا......؟اس کا جواب تو آنے والے وقت کے پاس تھا۔تو کیا اپنی زندگی آنے والے بے یقین وقت کے پاس گروی رکھوادی جائے۔پھر اچانک اس کی نظر میز پر دھری کتاب پر پڑی۔"مٹھی بھر محبت" شاعر نے کہا تھا کہ مٹھی بھر محبت کافی ہوتی ہے کون جانے مٹھی بھر محبت کس کے لیے، کب تک کافی ہوتی ہے۔

☆☆☆

رات بے حد سرد اور خنک تھی۔ٹھنڈی یخ ہوا چل رہی تھی مگر ہوٹل کے اندر کی فضا گرم تھی۔حرارت سکون بھری گرمائش فراہم کر رہی تھی۔اندرونی ہال کی تزئین و آرائش بڑی منفرد تھی کیونکہ اسے عام برقی قمقموں کی بجائے ننھی ننھی موم بتیوں سے سجایا گیا تھا۔

میزوں پر بھی خوب صورت کینڈل اسٹینڈز میں موم بتیاں روشن تھیں۔ہال کا یہ نسبتاً الگ تھلگ سا پورشن صرف نئے شادی شدہ جوڑوں کے لیے مخصوص تھا۔پرائیویسی کے خیال سے میزوں کے درمیان خاصا فاصلہ رکھا گیا تھا۔

آخری کونے والی میز پر دولہا دلہن سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔دلہن نے موم بتیوں کے شعلوں سے ہم آہنگ سنہری میکسی زیب تن کر رکھی تھی۔گولڈن کلر کے ہلکے پھلکے زیور میں اس کی سانولی سلونی رنگت دمک رہی تھی۔وہ خاصی پراعتماد دکھائی دے رہی تھی کیونکہ اب وہ ایک عام سی پروڈکٹ گرل نہیں بلکہ عورتوں کے سیکشن کی سپروائزر تھی۔اس کے سامنے بیٹھا اس کا دولہا بھی بلیک تو پیس میں بہت وجیہہ اور شان دار دکھ رہا تھا۔وہ بھی اس کی طرح کا ایک سیلف میڈ انسان تھا۔اس کا نام احتشام تھا۔

بی جی کی ایک پرانی دوست اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔

بی جی کو احتشام بہت اچھا لگا تھا۔انہوں نے جھٹ آمادگی ظاہر کر دی تھی۔اس نے بھی ان کے فیصلے پر سر جھکا دیا تھا۔اس نے محبت کو آزمایا نہیں تھا۔وہ اس کی قسمت میں نہیں تھی، نہیں ملی تو اس نے اسے روگ اور سوگ نہیں بنایا تھا۔آگے بڑھ جانے میں ہی عافیت تھی۔

شروع میں فیضان نے اس کے فیصلے کی شدید مخالفت کی تھی، پھر جب جذبات کی پٹی اتار کر دیکھا تو دونوں کے حق میں یہی بہتر لگا۔دیر سے ہی سہی اسے بھی سمجھ میں آ ہی گیا تھا کہ وہ شاید ایک دوسرے کے نصیب میں نہیں تھے۔اور جو کچھ ان کے نصیب میں تھا وہ انہیں مل گیا تھا۔فیضان کا تو اسے پتا نہیں مگر وہ خود اپنے نصیب سے بہت خوش اور مطمئن تھی۔دل کی کسک کا کیا ہے وہ بھی اک دن ختم ہو ہی جاتی تھی۔

"زیور ڈیئر! مجھے کینڈل لائٹ ڈنر بہت پسند ہے۔" دولہا اس کی جانب محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

(مجھے بھی پسند ہے مگر اس سے پہلے میں افورڈ ہی نہیں کر سکتی تھی)

"تم پہلی نظر کی محبت پر یقین رکھتی ہو۔مجھے تم پہلی نظر میں ہی اچھی لگی تھیں۔" وہ مسکرایا۔

(میں پہلی تو کیا دوسری اور تیسری نظر کی محبت پر بھی یقین رکھتی ہوں)

ہم ساری زندگی ساتھ رہیں گے۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"ان شاء اللہ" وہ اس کی جانب جھک کر ذرا سا مسکرائی۔وہ بھی مسکرایا، دونوں کی نظریں ملیں تو دونوں کو ہی ایک دوسرے کی آنکھوں میں ایک دوسرے کا ہی حسین عکس نظر آیا۔دونوں ایک دم کھلکھلا اٹھے اور اردگرد کی فضا بھی ان کے سنگ سنگ مسکرانے لگی۔

☆☆

ریحانہ وقاص

چپ

جان شاید لبوں تک آ چکی تھی۔آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں تیر رہی تھیں۔بستر پر پڑی اماں ایک خوف ناک ڈھانچہ لگ رہی تھیں۔جن کی بس ہلکی ہلکی چلتی سانس زندگی کا پتا دے رہی تھی۔میں ان کو دیکھتی اور پھر اور اونچی آواز سے سورہ یٰسین پڑھنے لگتی۔بھائی بھی چارپائی کی پائنتی پر بیٹھا ماں کی ٹانگیں دبا رہا تھا۔ساتھ ساتھ ایک ہاتھ سے آنسو پونچھنے لگتا۔

ہمارے ہاتھ سے زندگی کا آخری سرا بھی چھوٹنے جا رہا تھا۔ظالم ایک بار پھر مظلوم بن رہا تھا۔وقت کا پہیہ ایک بار پھر گھومنے لگا۔

پچھلے چار دنوں سے ماں کی حالت بہت نازک ہو گئی تھی محلے والے آتے دو، چار تسلی کے الفاظ بولتے اور پھر آنے کے لیے چلے جاتے۔

وقت نے پلٹا کھایا تھا اور ماں بالکل اسی دوراہے پر آ چکی تھیں جہاں چار سال پہلے ابا تھے۔روتے، بلکتے آہ و زاری کرتے کھانا مانگتے، پیاس سے بلکتے لیکن انہیں سننے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔ہم سنی ان سنی کر دیتے لیکن اللہ نے ساری سزائیں موت کے بعد کی نہیں رکھیں، کچھ کا حساب دنیا میں بھی دینا پڑتا ہے۔عبرت ناک کہ شاید کوئی ہدایت پا لے۔

☆☆☆

اماں ہر روز، اپنی طرف سے اچھا کھانا بنانے کی کوشش کرتیں لیکن ابا تھے کہ ان کو کچھ پسند ہی نہ آتا تھا۔اگر کبھی کچھ پسند آ بھی جاتا تو چپ کر کے کھا لیتے جو ہمارے لیے غنیمت ہوتا۔لیکن تعریف کے دو الفاظ بولنا تو سمجھو گناہ کبیرہ سمجھتے، ہاں اگر کھانا ان کے مزاج کے مطابق نہ ہوتا تو ماں کی خیر نہ ہوتی، ماں کے بالوں کو

UUNovels.com

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر زور زور سے جھنجھوڑ کر، دھکا دیتے سالن کی پلیٹ ماں کے اوپر انڈیل دیتے۔

"کھامر یہ خود ذلیل عورت پتا نہیں کیا گھٹا وا گھول کر میرے آگے رکھ دیتی ہے" دروازے کو ٹھوکر مارتے ہوئے باہر نکل جاتے۔

بعد میں ماں کی سسکیاں اور نہ ختم ہونے والی بددعاؤں کا سلسلہ شام تک چلتا رہتا۔ میں اور احمد ماں کو چپ کرانے کی کوشش کرتے وہ ہمیں دو، چار تھپڑ لگا کر اپنا غصہ کم کرنے کی کوشش کرتیں، ہمارے لیے زندگی ڈری، سہمی، گالیاں کھانے، سننے، مار کھاتے گزر رہی تھی۔ ماں اور باپ کا یہ روپ ہمارے لیے ڈراؤنا تھا۔

اماں، ابا کو شروع ہی سے ناپسند تھیں کیونکہ ان کی پسند محلے کی لڑکی تھی۔ جسے ابا دل دے بیٹھے اور ماں اپنی بہن کو زبان دے بیٹھی۔ اب دونوں ہی زبان کے پکے ٹھہرے۔

اپنی جگہ سے ایک انچ ہلنے کو تیار نہیں تھے۔ لیکن ماں تو ماں ہوتی ہے۔ جان دینے کی دھمکی دے کر راضی کرلیا۔

ابا کے بعد اس لڑکی نے بھی اپنے خاندان میں بیاہ کرلیا لیکن جب وہ اپنے میکے آتی تو ابا کا دبا ہوا پیار جاگ پڑتا اور غصے کے بھانبڑ ماں کو برداشت کرنے پڑتے۔

اماں نے اپنی طرف سے بہتیری کوشش کی ابا کو اپنی طرف مائل کرنے کی لیکن ابا کا دل نہ جیت سکیں۔ آخر تنگ آ کر اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔

ابا کا ایک ہی بھائی تھا۔ چاچی کے ساتھ بھی ماں کی اتنی نہیں بنتی تھی، سو وہ چاچے کی وفات کے بعد اپنا حصہ لے کر گاؤں چلی گئی۔

اماں ابا کا مقابلہ تو نہیں کرسکتی تھیں لیکن ہر وقت منہ میں، بڑبڑانے کی عادت پڑ گئی، اپنے اور ابا کے اگلے پچھلوں کو کوستی رہتیں۔ اماں کا وجود سلگتے آتش فشاں بن چکا تھا جو سوائے ابا کے ہر ایک پر پھٹ پڑتا۔ حالانکہ اماں قبول صورت تھیں ہاں جب تیار شیار ہوتیں، ابا ذرا دھیما ہو جاتے۔ ماں کے ساتھ ہنس بول لیتے۔

کھانے پینے اور خرچے کی ابا نے کبھی تنگی نہیں کی تھی۔ میں نے پانچویں کے بعد اسکول کو خیرباد کہہ دیا تھا، میرا دل پڑھائی میں بالکل نہیں لگتا یہی حال احمد کا تھا پڑھائی سے بھاگا اور سارا سارا دن گلی میں لڑکوں کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ میری سہیلیاں اب میٹرک میں پہنچ چکی تھیں اور میں سارا دن گھر میں ہی بیٹھی، اماں ابا کے مزاج پر غور کرتی رہتی کہ کون غلط ہے۔ لیکن زیادہ قصور مجھے ابا کا ہی لگتا۔

ابا صبح صبح اٹھ کر، سبزی منڈی سے سبزی لا کر اپنی دکان سجا کر بیٹھ جاتے۔ محلے کی ہر عورت ان سے سبزی خریدنا پسند کرتی کیونکہ ایک تو وہ زبان کے میٹھے اور تازہ سبزی، باقی سبزی والوں سے کم قیمت پر دیتے تھے۔ ماں صرف کھانا پکاتیں اور باقی سارا کام میرے ذمے ہوتا۔

☆☆☆

"دو دن ہو گئے ہیں۔ ابا کام پر نہیں جا رہے کیا بخار زیادہ ہو گیا ہے۔"

میں نے ماں سے استفسار کیا۔

"کچھ نہیں ہوتا اسے، ہم سے پہلے نہیں جائے گا ہمیں بھیج کر ہی جائے گا۔ لے رہا ہے دوائی ہو جائے گا ٹھیک۔ جا جا کر اپنا کام کر میرا دماغ نہ کھا۔" ماں نے مجھے غصے سے لتاڑا۔

آج کل ابا کا زیادہ وقت گھر میں اپنے کمرے میں گزرتا، مجھے ابا کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے ڈر لگتا جب تک وہ گھر پہ ہوتے منہ سے گالیاں نکالتے رہتے لیکن گھر سے نکلتے ہی وہ بالکل میٹھے شہد بن جاتے۔ اس طرح بات کرتے جیسے ان سے مہذب تو کوئی ہے ہی نہیں اور میں ان کو حیرت سے تکتی رہ جاتی کہ کاش، ابا ہم سے بھی اسی لہجے میں بات کریں اور اب ہم تینوں نفوس کی خواہش ہوتی کہ اللہ کرے ابا گھر نہ آئیں اور اگر آئیں تو جلدی چلے جائیں، جیسے ابا کے گھر آجانے سے آکسیجن کی کمی ہو جاتی ہو اور ہم سانس نہ لے پاتے ہوں۔

ابا کی حالت شاید سنبھل نہیں پا رہی تھی تب ہی اپنے دوست سعید کو فون کر کے بلایا۔

"یار! میرے موشن نہیں رک رہے اور کمزوری بڑھتی جا رہی ہے، تو مجھے کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس لے چل۔" یہ میں نے کمرے میں ابا کے لیے پانی کا گلاس رکھتے ہوئے سنا۔

ابا اس حالت میں بھی ہماری مدد لینا اور ہمیں کچھ بتانا گوارا نہیں کر رہے تھے۔

"ابا کو ہم سب سے بالکل بھی محبت نہیں ہے۔" میں نے دل گرفتہ ہوتے ہوئے اپنے آپ سے کہا۔

انکل سعید آتے۔ ابا کو رکشے میں بٹھا کر ڈاکٹروں کو دکھاتے پھر رہے تھے لیکن ابا کی حالت سنبھلنے کے بجائے بگڑتی جا رہی تھی۔ آخر ایک دن اماں نے انکل سعید کو روک کر پوچھ ہی لیا کہ "آخر کیا بات ہے؟ کوئی مسئلہ ہے۔ زیادہ پریشانی کی تو بات نہیں۔"

انکل سعید، ماں کو خاموشی کا اشارہ کر کے دوسرے کمرے میں لے گئے اور میں نے دروازے پر اپنے کان لگائے۔

"بہن جی! میں آپ کو اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا آپ میرے دوست کا بہت خیال رکھیں، اسے مسلسل سگریٹ نے ان کے اندر کافی نقصان پہنچایا ہے۔ آپ اس کو نہیں بتائیے گا اس کو پرہیزی کھانا کھلائیے گا اور وقت پر دوائیاں بھی۔ یہ سب میں آپ کو لا دوں گا اور بھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتائیے گا۔" میرے پاؤں سے زمین سرک گئی کہیں نہ کہیں دکھ کی لہر اٹھی تھی۔

اب انکل روز آتے۔ ابا کے پاس کچھ وقت بیٹھتے اور ڈاکٹر سے باقاعدگی سے چیک کرواتے، کبھی کبھی انکل کی بیوی بھی ان کے ساتھ آنے لگی تھیں۔ اماں کو بھابھی بھابھی کہتے نہ تھکتیں ان کے آنے سے اماں کے چہرے پر مسکراہٹ آنے لگی۔ ماں کو اب ان کا انتظار رہنے لگا تھا لیکن ابا کی حالت، دن بدن بگڑنے لگی تھی۔

ماں اتنا خیال نہیں رکھتی تھیں اکثر دوائی دینا بھول جاتیں۔ اور کبھی کھانا دینا۔ ابا کی جتنی جان ہوتی بستر پر چلاتے رہتے۔ تھک ہار کر خود ہی چپ ہو جاتیں کبھی کبھی رونے لگتے معافیاں مانگتے اور کبھی بددعائیں دینے لگ جاتے۔ بس ریڈیو کی طرح بج بج کر خود ہی چپ ہو جاتے۔

مار نے کی سکت رہی نہیں تھی، اس لیے اماں کھانا رکھتیں اور چپ کر کے سائیڈ پر ہو جاتیں۔ کمزوری نے ٹانگوں سے جیسے جان نکالنا شروع کر دی تھی اگر ابا واش روم جاتے جاتے گر جاتے تو اماں چیخنا شروع کر دیتیں۔

اب اماں کا ایک نیا روپ سامنے آ رہا تھا۔ ابا کی جگہ اماں نے لے لی تخت تاراج ہو گئے۔

اب اماں کی حکومت تھی، ابا کی شکل تھی خوف ناک، پیلی زرد رنگت، اڑتے ہوئے بال، منہ پر بس آنکھیں ہی آنکھیں، چارپائی پر لیٹے ہوئے ہونق زدہ کسی اور دنیا کی مخلوق لگنے لگے تھے۔

خیر پرواہ تو مجھے بھی ابا کی کوئی نہ تھی، محلے کی دو چار سہیلیاں بنالی تھیں جن کے ساتھ شام کے دو، چار گھنٹے اچھے گزر جاتے۔ ماں کے بھی پہناوے میں تبدیلی آ رہی تھی، بھائی تو بس کھانے کے لیے گھر آتا ورنہ وہ ہوتا اور اس کے آوارہ دوست۔ سب کو جیسے کھلی چھٹی ملی ہوئی تھی۔

انکل خرچے کے لیے امی کو پیسے بھی دینے لگے تھے۔ اس لیے ابا کے بغیر بھی سب معاملات چل رہے تھے۔

ابا کی رات سے ہی طبیعت کچھ زیادہ خراب لگ رہی تھی۔ خرخراہٹ کی آوازیں، ساری رات پورے گھر میں گونجتی رہیں۔ اماں نے اب ہمارے کمرے میں سونا شروع کر دیا تھا کہ رات کو ابا کی وجہ سے نیند خراب ہوتی ہے۔

☆☆☆

صبح ناشتہ دینے کے بعد اماں نے چادر لپیٹی اور گھر سے نکل گئیں۔ میرے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا ٹوٹی وی لگا کر بیٹھ گئی۔

پانی، پینے کے لیے اٹھی تو ایسے ہی ابا کے کمرے کے پاس جا کر رک گئی دل چاہا کے اندر جاؤں ابا کے پاؤں دباؤں لیکن ہمت نہیں پڑی اور نہ حوصلہ ہوا اور دوبارہ واپس آ کر، ٹی وی میں دل لگانے

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

کی کوشش کرنے لگی لیکن دل تھا کہ گھبرائے جا رہا تھا۔

میں نے گھبرا کر ٹی وی بند کیا اور ابا کے کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھا تو آہ! ابا ایک طرف لڑھکے پڑے تھے۔

وہ اس دنیا میں نہیں رہے جہاں ان کا اپنا کوئی نہیں تھا، میری چیخیں نکل گئیں پاس جانے کی ہمت تو اب بھی نہیں ہو رہی تھی۔ گرتے پڑتے ساتھ والے گھر پہنچی لیکن اماں وہاں نہیں تھیں نجانے کس طرح میں گھر پہنچی۔

محلے والوں نے ابا کو اٹھایا۔ صاف ستھرا کیا اماں کو اطلاع پہنچائی گئی۔ اتنا شور مچاتا شخص کتنی خاموشی سے چلا گیا۔ اماں نے اپنے اگلے پچھلے سب حساب چکا دیے، مار پیٹ، غصے کا رج کر بدلہ لیا۔ ساتھ میں ہم بھی شامل تھے۔ ہم نے ابا کے مرنے کا انتظار کیا تو ابا نے بھی زیادہ انتظار نہ کرایا۔ نہ کوئی بین تھے اور نہ کوئی اتنا رونے والا کہ جس کو محلے والے آگے بڑھ بڑھ کر چپ کراتے بس دنیاداری نبھاتے ہوئے سب کام کیے گئے۔

اماں نے پانچویں دن ہی ابا کا کمرہ صاف ستھرا کر کے غیر ضروری سامان اور کپڑوں کو ٹھکانے لگا دیا، گھر اور زندگی میں گھٹی گھٹی سی لگتی تھی نہ کوئی ڈر اور نہ خوف۔

زندگی پھر ڈگر پر چلنے لگی اماں نے عدت نہیں کی۔

”میرے بچوں کے سر پر ہاتھ رکھنے والا کون ہے؟ مجھے ہی ان کا سہارا بننا ہے گھر بیٹھ گئی تو میرے بچے بھی بھوکے مر جائیں گے۔“ اماں نے افسوس کرتے، آئی ہر عورت کو یہ موقف بیان کیا اور سعید انکل کے مشورے پر فیکٹری سے سستے کپڑے لے کر ہاتھ کی کڑھائی کروائی اور شہر میں عورتوں کو یا پھر بوتیک وغیرہ پر اچھے داموں پر بیچ دیتیں۔ اس کام میں اماں کو اچھا خاصا منافع ہو رہا تھا۔

اماں ناشتہ بنا کر چادر لے کر کام پر نکل جاتیں اور سارا دن گھر، میرے ذمے ہوتا میں دوپہر کا کھانا بنا کر فارغ ہو جاتی اماں نے احمد کو ورکشاپ ڈالنے کی کوشش کی لیکن وہ ٹک کر کام نہ کر سکا اور بھاگ آتا آخر ماں نے تھک کر، اسے کریانہ کی ایک چھوٹی سی دکان گھر کی بیٹھک میں کھول دی۔ جہاں اب اس کے دوستوں کا جمگھٹا رہتا، گاہکوں نے کیا خاک آنا تھا۔

مہینے میں ہی پوری دکان خالی کر دی ماں نے ڈنڈوں سے پٹائی کی۔ لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تو ماں نے تھک ہار کر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

شام کو اکثر اماں کی واپسی انکل سعید کی موٹر سائیکل پر ہوتی اور وہ چائے پی کر اماں سے گپ شپ لگا کر ہی جاتے۔ آنٹی بھی کبھی کبھار آ جاتیں اماں اب چونکہ کما رہی تھیں۔ اس لیے ان کے بچوں کو اچھی خاصی چیزیں لے کر دیتی رہتیں۔

☆☆☆

ایک دن جو بات میرے دماغ میں کلبلا رہی تھی سامنے آ گئی۔

”میں ایک کمانے والی عورت ہوں جسے باہر نکل کر ہر طرح کے لوگوں سے ملنا پڑتا ہے احمد میں نے بہت کوشش کی کہ تم کچھ کر کے دکھاؤ لیکن تم نے بھی مجھے مایوس کیا ہے۔ کل کو تم دونوں کی شادی ہو جائے گی تو میرا کیا ہوگا۔ مجھے اپنے لیے بھی تو سوچنا ہے آخر۔ جتنا تم دونوں کے لیے میں کر سکتی تھی میں نے کیا اور کر رہی ہوں۔ میں نے اور سعید نے نکاح کا فیصلہ کر لیا ہے کل چار بجے ہمارا نکاح ہے۔“

ماں نے اچانک ہمارے سر پر بم پھوڑ دیا تھا۔

”لیکن، اماں وہ تو آپ کے بھائی بنے ہوئے ہیں۔“ میں نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا......

”بنا ہے نا ہے تو نہیں۔ بھائی صرف اپنے ہوتے ہیں، ویسے بھی اس نے ہمارا بہت ساتھ دیا ہے۔“

ماں نے دوٹوک انداز میں بات ختم کی۔ احمد کو تو کسی چیز کی پروا نہیں تھی بس وہ پیسے کا دوست تھا۔

اگلے روز انکل سعید اپنے دوستوں کے ساتھ آئے اور اماں نے بھی اپنی دو، تین سہیلیوں کو بلایا ہوا تھا اور یوں یہ کام بخوبی انجام پا گیا۔

ایک ہفتہ یوں ہی گزر گیا۔ انکل سعید روز شام کو آ جاتے اور رات گئے تک ہمارے ہاں رہتے اور پھر چلے جاتے۔

آخر کار ایک دن آنٹی کو معلوم ہو گیا۔ انہوں نے گھر آ کر اماں کے ساتھ جھگڑا کیا اماں نے بھی دو بدو جواب دیے اور وہ اماں کو بددعائیں دیتی روتی چلی گئیں آخر ماں نے ان کے اعتماد کو توڑا تھا۔

آپ کسی کو تکلیف دے کر خوشیاں نہیں منا سکتے، ہاں بس خدا نے رسی دراز کی ہوتی ہے اور جب وہ کھینچتا ہے تو بچانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ خوشیوں کا جھولا جھولتے دو سال ہی گزر رہے تھے جس میں اماں نے اچھا خاصا کمایا تھا گھر کی حالت بھی بدل دی تھی اب ہمارے گھر میں ہر چیز تھی۔

☆☆☆

رات کو انکل سعید، ہمارے گھر سے ہنستے بولتے ٹھیک ٹھاک گئے لیکن اپنے گھر جا کر ان کی طبیعت خراب ہو گئی، دل میں درد سا اٹھا جو جان لیوا ثابت ہوا اسپتال جاتے جاتے ان کے دل کی دھڑکن ہی رک گئی ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ ہمیں اگلے روز پتا چلا تو ہم فوراً ان کے گھر گئے لیکن آنٹی نے ماں کو دیکھ کر چلانا شروع کر دیا۔

”اس نے مارا ہے میرے سعید کو۔ ڈائن ہے یہ، پہلے اپنا میاں کھا گئی، فریب سے اسے پہلے بھائی بنایا پھر نکاح رچالیا۔ اجاڑ دیا میرا گھر بھی۔ نکل جا میرے گھر سے۔ تجھے سعید کی شکل بھی نہیں دیکھنے دوں گی۔“

آنٹی نے ہمیں دھکے دے کر نکال دیا اور انہیں کسی نے نہیں روکا۔ سارا خاندان ان کے ساتھ تھا۔

اماں سارے راستے روتی رہیں اور گھر آ کر بھی بہت روئیں۔ دل کو دھچکا لگا تھا۔

اماں کے دل کو صدمہ لگ گیا تھا۔ اماں نے کام پر جانا چھوڑ دیا۔ تیار رہنا چھوڑ دیا۔ بس کمرے میں خاموش پڑی رہتیں۔

”اماں اس طرح کیسے چلے گا۔ گھر کا راشن ختم ہو رہا ہے گھر تو آخر چلانا ہے۔“

ماں نے میری بات سن کر آنکھیں موند لیں لیکن اگلی صبح، ماں نے اپنا کام شروع کر دیا۔

☆☆☆

وقت یوں ہی گزرتا گیا۔ اماں اب سست رہنے لگی تھیں۔

”میں چاہتی ہوں کہ بس تیرے ہاتھ پیلے کر دوں۔ کوئی اچھا رشتہ مل جائے۔ احمد کی تو خیر ہے مجھے بس تیری فکر ہے زندگی کا کیا ہے۔“

میں اماں کی یہ بات سن کر گھبرا گئی ہمارے لیے تو پوری دنیا ماں ہی تھی، اماں کے بنا تو ہم کچھ بھی نہیں تھے۔ لیکن میں کچھ کہہ نہ سکی۔ کیونکہ ہمارے درمیان اتنے فاصلے حائل تھے یا کہنا مشکل تھا۔

آئے روز اماں کی طبیعت خراب رہنے لگی۔

اماں خود سے دوائی لے لیتیں یا قریبی محلے کے ڈاکٹر سے ٹیکا لگوا لیتی، چار دن گزرتے ٹھیک اور پھر حالت خراب ہونے لگتی۔ ڈاکٹر نے ماں کو ٹیسٹ لکھ کر دیا، رپورٹ نے ماں سمیت ہمیں بوکھلا دیا۔ تقدیر جیسے ہمارے ساتھ مذاق کر رہی تھی اتنی بھیانک حقیقت ہمارے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

اماں کو بھی کینسر نے دبوچ لیا تھا۔ ہماری خوشیوں کے دن جیسے تھوڑے سے تھے۔ اماں کی حالت دن بدن بگڑتی جا رہی تھی۔

جو بویا وہ کاٹنے کا وقت، ہم سب پر آ گیا تھا کیونکہ اگر ابا ظالم تھے تو محتاج بھی بنے۔ شاید ہم ان کی خدمت کر کے اپنی دنیا اور آخرت سنوار سکتے تھے۔ لیکن اب تو دیر ہو چکی تھی۔ اماں نے جانے میں دیر نہیں لگائی۔

اب ہمارے سر پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہیں تھا تو چاچی آگے بڑھیں انہوں نے اپنے بوڑھے رنڈوے بھائی سے میرا نکاح پڑھانے کا پلان بنایا جس کو روکنے والا کوئی نہیں تھا اور بھائی کا بھی اپنے خاندان کی ایک بڑی عورت سے نکاح پڑھوا دیا اور یوں چپ چاپ ہم دونوں کا بھی انجام ہوا۔

جو خاموشی ہم نے اپنے ابا کے لیے کی تھی وہ اب ساری عمر ہمیں چپ لگ گئی۔

☆☆

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

مکمل ناول

سنیعہ عمیر

مسافت

ایک اہم ای میل چیک کرتے ہوئے اس کے فون کی بیٹری جواب دے گئی۔ موبائل اس کے ہاتھوں میں بند ہوا تو لمحہ بھر کو لگا زندگی ہی بند ہو گئی۔ اس کے قریب موجود لیپ ٹاپ بیگ میں بیٹری پیک موجود تھا۔ دل تو یہی چاہا کہ فوراً موبائل کو اس کی سانسیں لوٹا دے۔ پھر اس نے چلتی گاڑی کے باہر کا منظر دیکھا۔ موبائل بند ہوا تو دنیا کھل گئی۔ دکانیں ان کے باہر کا رش، گلیاں ان کا سکوت ایک بار پھر اسے دم بخود کر گیا۔ تیس سال بعد یہ منظر اس کو پھر سے دلچسپ لگ رہا تھا۔ تیس سال پہلے وہ یہاں آیا تھا تو ایسے ہی سر اٹھا کر اس شہر کو دیکھتا تھا۔ پھر اس نے اس شہر کو قدموں تلے روندنا سیکھ لیا۔ وقت کہاں سے کہاں آ گیا تھا۔ ابھی اسے ایک بزنس میٹنگ کے لیے بیرون ملک جانا تھا۔ واپسی پر اس کی شادی کی بیسویں سالگرہ کی دعوت تھی۔

ایک دم سے اسے تھکاوٹ محسوس ہونے لگی۔ اس کے پاس اتنا پیسہ تھا کہ آرام سے زندگی گزار سکتا تھا۔ بچے بھی مہنگے کالجوں سے پڑھ کر اب باہر کے ملکوں میں پیسے لٹا رہے تھے۔ بڑا بیٹا باہر سے ایم۔ بی۔ اے کا ٹھپا لگوا کر آتا اور آرام سے اس کی جگہ کمپنی میں بیٹھ جاتا۔ مگر سوال یہ تھا کہ کیا وہ اٹھنا چاہتا تھا۔ اس کے اڑنے کی بھوک ختم ہو گئی تھی یا نہیں؟ وہ باہر دیکھتے ہوئے یہ سوچنے لگا۔

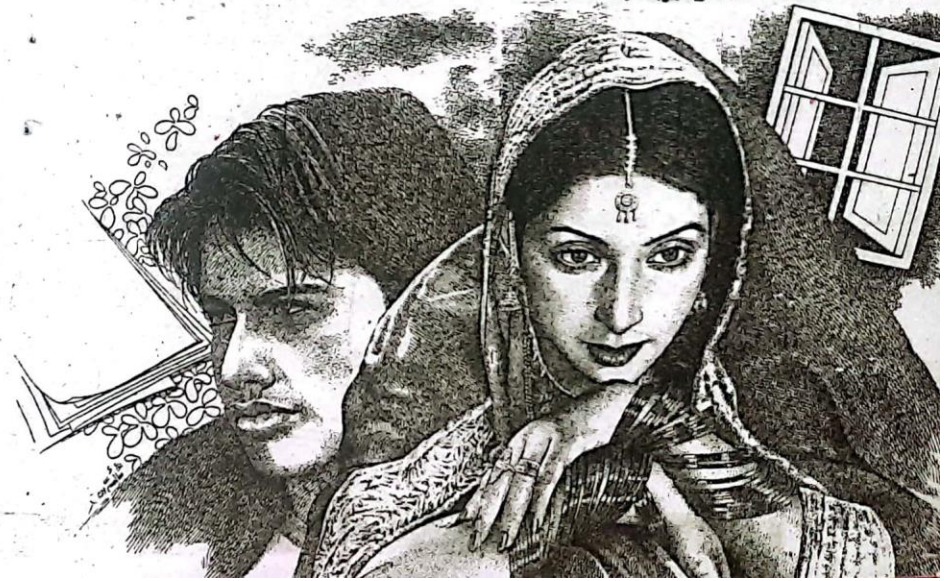

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

شہر ناز، اس کی بیوی اب بھی سوچتا تھا تو چونک جاتا تھا۔ محلوں میں پلی وہ شہزادی کیسے اصطبل میں کام کرنے والے لڑکے کی شریک سفر بن گئی۔

"شہر ناز مائی لو۔" اس کے منہ سے بے خیالی میں نکلا۔

اسے ڈرائیور کی موجودگی کا احساس ہوا تو وہ اسی وقت اکڑ کر سیدھا ہو گیا۔ آج اسے نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ وہ کسی ٹین ایجر کی طرح ہر جذبہ لبوں پر لیے بیٹھا تھا۔ اس نے لیپ ٹاپ بیگ کھول کر موبائل چارج کے لیے لگایا۔ مگر آن نہیں کیا۔ اب اسے ایئرپورٹ جا کر ہی آن کرے گا۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے سیٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ آنکھوں کے سامنے وہ نازک ہونٹ نظر آئے جن کے پاس تھا تل تھا۔ اس تل کو دیکھنے کے لیے وہ بہانے بہانے سے اس سے بات کرتا تھا۔ باریک لٹیں اس کی چٹیا سے آزاد ہو کر سر پر لیے دوپٹے سے باہر جھانکنے لگتی تھیں۔ سب سے حسین تھیں اس کی بار بار جھکتی بار بار اٹھتی آنکھیں اور وہ کپکپاتی پلکیں جن سے دل ڈوب ڈوب کر ابھرتا تھا۔ اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں اور ایک دم سے سیٹ سے الگ ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ ہانپنے لگا اے۔ سی سے ٹھنڈی گاڑی میں اسے یوں پسینہ آیا جیسے اندر کا شریف انسان جاگ گیا ہو۔

"سر آپ ٹھیک ہیں؟" ڈرائیور نے بھی اس کی حالت پر غور کیا۔

"پانی۔" اس نے دقت سے سانس لیتے ہوئے کہا۔ جب کہ دھڑکنیں اب تک بے ترتیب تھی۔ آنکھیں بند کرنے پر اسے اپنی بیس سالہ بیوی شہر ناز کی جگہ تیس سال پرانی نیلم نظر آئی تھی۔

☆☆☆

وہ اپنے یونیفارم میں تھی۔ بائیں ہاتھ سے اپنا پہیوں والا سوٹ کیس سرکاتی وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ یونیفارم کا دوپٹہ پنوں سے فکس تھا اور بالوں کا جوڑا اتنا مضبوط تھا کہ گھنٹوں قائم رہتا تھا۔ ایئرپورٹ کے دروازوں سے داخل ہوتے ہی اس کے چہرے پر مہربان مسکراہٹ سج جاتی تھی کیبن کریو المعروف ایئر ہوسٹس کو گھنٹوں کے حساب سے تنخواہ ملتی تھی۔ وہ گھنٹے جہاز کے دروازے بند ہونے کے بعد شروع ہوتے تھے۔ پھر بھی وانیا ایئرپورٹ پر قدم رکھتے ہی ڈیوٹی کے فارم میں آجاتی تھی۔ مگر آج وہ جو سنجیدہ گفتگو کر رہی تھی، اس نے تمام مسکراہٹوں کو چہرے سے نوچ پھینکا تھا۔

"محبت قربانی مانگتی ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"لیکن محبت کرنے والے کو قربانی نہیں مانگنی چاہیے۔ ورنہ لگتا ہے محبت مطلبی ہے۔" اس نے بھی سنا دیا۔

"تم وہاں پہنچو ہم تسلی سے بات کریں گے۔ کوئی حل نکالیں گے۔" وہ نرمی سے بولا۔

"نہیں ابھی مجھے خود فیصلہ کرنے دو کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ میں اگر خود تم سے رابطہ کروں گی۔" وانیا اپنا سوٹ کیس چیک ان کروا کر ایئر کرافٹ کی طرف جا رہی تھی۔

اس کی نظر، اچانک اس گوری چٹی پختون بچی پر پڑی، جس کے سنہری بال خوراک کی کمی کے باعث روکھے اور پھیکے تھے۔ جبکہ اس کی جیکٹ اور پینٹ بالکل نئی تھی۔

"تم ایک آفیسر کی بیوی ہو گی۔ میں نہیں چاہتا میری بیوی ویٹرسوں والے کام کرے۔ لوگوں کو پانی کھانا پیش کرتی پھرے۔ ان کی بیلوں پر جی سر جی میڈم کرتی آئے۔ تم کوئی عزت دار جاب کر سکتی ہو۔" وہ پھر سے انہی باتوں پر آ گیا جو وانیا کو چبھتی تھیں۔

وہ بچی بھی اس جیسی غیر آرام دہ تھی۔ ورنہ بچے تو ایئرپورٹ پر بھاگتے ہیں۔ جہاز دیکھتے ہیں۔ کسی کھلونوں کی دکان سے زیادہ ایئرپورٹ انہیں اپنے سحر میں جکڑتا ہے۔

"میرا کام ویٹر لینگ نہیں ہے۔ یہ عزت دار پیشہ ہے۔ مجھ پر ہر فلائٹ میں پچاس لوگوں اور اکثر اس سے بھی زیادہ لوگوں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ میرا کام انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ محفوظ پہنچانا ہے اور باقیوں کا کام ہے کہ اس یونیفارم کی عزت کریں۔"

وانیا نے کہا اور فون کاٹ دیا۔ ایئر کرافٹ میں جانے کے بجائے وہ اس پختون بچی کے پاس گئی۔ جو بورڈنگ پاس لیے اپنے گیٹ کھلنے کا انتظار کر رہی تھی۔

"کیا میں آپ کے ڈاکیومنٹس دیکھ سکتی ہوں؟" اس نے بچی کے ساتھ موجود آدمی سے مطالبہ کیا۔ وہ آدمی اس بچی کا باپ لگتا تھا مگر وہ بچی جیسے قابو میں کر رہا تھا۔

وانیا کو دیکھ کر بچی اور ڈر گئی اور آنکھیں نیچے کر لیں۔ آدمی نے فوراً ڈاکیومنٹس دکھائے۔ ان کے کاغذات پورے تھے۔ یہ روٹین پروسیجر تھا۔ وہ وانیا کی فلائٹ میں نہیں تھے پھر بھی اسے یہ ڈیوٹی کا حصہ لگا۔

"ماں کہاں ہے؟" وانیا نے پوچھا۔

"وہ دو ہفتے بعد آئے گی۔ اس کے اسکول ہیں اس لیے ہم جلدی واپس جا رہے ہیں۔ کیوں فریال۔" باپ نے تحمل سے کہا۔ اس کے چہرے پر کوئی خوف نہیں تھا۔

وانیا نے بھی اپنی بہترین مسکراہٹ چہرے پر سجالی۔

"کون سی کلاس میں ہو آپ؟" اس نے جھک کر بچی سے پوچھا۔

"گریٹ ٹو۔" آدمی نے کہا اور بچی کو پیار سے پکڑ کر اس کے بال چومے۔ ہر انداز سے باپ کی محبت چھلکتی تھی۔

"اپنا خیال رکھنا۔" وانیا نے محبت سے بچی کا گال تھپتھپایا اور جانے لگی۔ اسی لمحے بچی نے نیلی کانچ سی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں منت تھی کہ مجھے بچالو۔ مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔

"میں چلتی ہوں۔" وانیا نے کہا۔ پھر وہ پلٹ کر آگے بڑھی اور کیمرے کی بند سکرین میں عکس دیکھا۔ اس آدمی نے سکھ کا سانس لیا۔ بچی تو رونے کو تھی مگر ایک بار پھر سر جھکا لیا۔

"یہ پیچھے نیلی آنکھوں والی بچی ہے۔ یہ کلیئر ہیومن ٹریفکنگ کا کیس ہے۔" وانیا اب بھی موبائل میں پیچھے دیکھ رہی تھی کہیں وہ جگہ نہ بدلے اور سیکیورٹی والے کو بتا رہی تھی۔

"وہ اکیلی ہے اس لیے؟" سیکیورٹی نے سینئر کو اطلاع دے کر پوچھا۔

"نہیں اس لیے کیونکہ وہ آدمی اسے نہ کھیلنے دے رہا ہے نہ بولنے اور لپٹا لپٹا کر پیار کر رہا ہے۔ ہم دونوں جانتے ہیں سفر کی ٹینشن میں ماں باپ ایسا پیار نہیں جتاتے۔ دھیان رکھنا۔" وانیا رپورٹ کر کے اپنے ایئر کرافٹ میں چلی گئی۔

☆☆☆

اس نے پہلے فلائٹ لسٹ چیک کی۔ باقی سامان چیک کیا اور دوسرے کریو سے ملی۔ فلائٹ کے دوران فون کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن اس سے پہلے اور بعد میں سینئر سے پوچھ کر فون استعمال کر سکتے تھے۔ وانیا نے سینئر سے پوچھ کر موبائل پکڑا کہ اس نیلی آنکھوں والی بچی کا پوچھ لے۔ مگر انگلیاں خود بخود ولید کے نمبر کی طرف چلی گئیں۔ اس نے وہ نمبر بلاک کر دیا تاکہ غیر جانب داری سے سوچ سکے۔

"ہیلو مس وانیا، ہمارا سٹار کیبن کریو۔ وہ اس بچی کو دبئی لے کر جا رہا تھا اور آپ سچ تھیں۔ وہ اس کا باپ نہیں تھا۔" کیپٹن آصف نے کاک پٹ سے نکل کر بتایا۔

ابھی پلین میں مسافر نہیں آئے تھے۔ سارا عملہ وانیا کے اردگرد جمع ہو گیا۔ سب نے یہ کتابوں اور ٹریننگ میں پڑھ رکھا تھا۔ مگر ایسا واقعہ شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔

"وہ ایک غریب گاؤں کی بچی تھی۔ جسے انہوں ایک معقول جوڑے کی مدد سے لیگلی اڈاپٹ بھی کر رکھا تھا مگر بچی نے سچ بتا دیا کہ اڈاپٹ کرنے والا جوڑا، یتیم خانے سے لے جانے کے بعد نظر ہی نہیں آیا۔ یہ شخص اسے باہر لے جا کر بیچنے والا تھا۔" کیپٹن آصف نے مزید تفصیل بتائی۔

"شکر۔" وانیا کی جان میں جان آئی۔

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

"شکریہ تو آپ کا۔" فرسٹ آفیسر (کو پائلٹ) ہارون نے بہت لگاؤ سے دیکھا اور پہلی تالی بجائی۔ پھر باقی سب نے بھی وانیا کے لیے بے تحاشا تالیاں بجائیں۔ بس وقاص کونے میں کھڑا کڑھ رہا تھا۔ وہ جیتنا اس کو ذلیل کرنا چاہتا تھا۔ اتنا وہ معتبر ہوتی جارہی تھی۔ وانیا نے سارے جھرمٹ میں نظر اٹھا کر ہارون کو دیکھا۔ جواب بھی لگاتار اسے دیکھ رہا تھا۔

"چلیں ایوری ون۔ بیک آن ڈیوٹی۔" کیپٹن آصف نے کہا۔

خندہ پیشانی سے، مسافروں کو ویلکم کرتی ہوئی وانیا کا اپنی جاب کے بارے میں نظریہ ولید سے بہت مختلف تھا۔

☆☆☆

اناؤنسمنٹ ہونے کے بعد، اس نے اپنی کرسی کی پیٹی کھول دی اور پیشانی رگڑی۔ جبران کی سمجھ سے باہر تھا اسے نیلم کیوں نظر آئی۔

"تم اس کے مقروض ہو۔" دل اس پر ہنسا۔

"ایکسکیوزمی بریک فاسٹ۔" وانیا ٹرالی لے کر پاس آئی اور ناشتہ دینے لگی۔

"میں پیکٹ کا جوس نہیں پیتا۔ مجھے فریش جوس چاہیے۔" جبران کا موڈ ٹھیک نہیں تھا اس نے غصے سے جوس کا ڈبہ دور کیا۔

"سر اس وقت یہی میسر ہے۔ آپ کہیں تو گلاس میں ڈال کر لادوں۔" اس نے ادب سے پوچھا۔ آواز اس کی ویسے ہی نرم اور میٹھی تھی۔ انداز بھی نوکری کے باعث حد درجہ مہربان ہو گیا تھا۔

"گلاس میں ڈالنے سے اجزا تو نہیں بدل جائیں گے۔ ملاوٹ والا جوس سرو کرتے ہیں۔ یہ تمہاری بزنس کلاس کا اسٹینڈرڈ ہے۔" اس نے ڈبہ بیک جوس کو تقریباً پھینکتے ہوئے ٹرالی پر رکھا۔

ان آوازوں پر وقاص کے کان بھی کھڑے ہو گئے۔

"یہ بہت مشہور کمپنی ہے دیکھیے لکھا ہوا ہے سو فیصد خالص جوس۔" وانیا نے جوس کا ڈبہ پلٹ کر دکھایا۔

اس پر جبران کو آگ ہی لگ گئی۔ وہ زیادہ تر فلائٹ ایئر لائنز استعمال کرتا تھا۔ مگر اس بار لوکل پرائیویٹ ایئر لائن میں سفر کرنا پڑ رہا تھا۔ دن ویسے ہی برا گزر رہا تھا۔ اوپر سے ایئر لائن کا گھٹیا معیار۔ گو کہ جبران - گزشتہ کئی برسوں سے ایلیٹ کلاس کا حصہ تھا مگر اس وقت اس میں نو دولتیوں والی انا آ گئی۔

"کل کی بچی ہو تم، نہ جانے کیسے کیسے لوگ اٹھ کر آجاتے ہیں۔ ڈبہ میں بھی پڑھ سکتا ہوں۔ میں ایسے ڈبے بنانے والوں کے اوپر بیٹھتا ہوں۔ یہ سو فیصد خالص والے جھوٹ مجھ جیسوں نے ہی گھڑے ہیں۔ میں ان میں نہیں پھنسنے والا۔" اس کا دل پھر سے ہنس پڑا اور کہنے لگا اب بھی وقت ہے ان سارے غلط کاموں پر توبہ کرلو، جو یہاں تک لائے ہیں۔ مگر جبران نے مزید چلانا شروع کر دیا تاکہ اسے دل کی آواز سنائی نہ دے۔

"دیکھیے اگر آپ کو اس ایئر لائن میں اتنا ہی مسئلہ ہے تو یہاں آئے کیوں؟ آئندہ مت آیئے گا۔" اب وانیا بھی سنبھل گئی تھی۔

اتنے میں وقاص دوڑتا ہوا آیا۔

"سر! آپ مجھے بتائیں۔ میں اس کی لمبی کمپلین بنا کر بھیجوں گا۔ اس کی تو نوکری جائے گی۔" وقاص کو وانیا سے پرانی خار تھی۔

جبران بول بول کر اب چپ ہونے والا تھا۔ مگر وقاص تو جیسے منہ میں انگلیاں ڈال کر لفظ نکلوانا چاہتا تھا۔ وانیا وہاں سے آگے بڑھ گئی اور باقی مسافروں کو ناشتہ دینے لگی۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ دوبارہ اپنی سیٹ پر پہنچی تو اندرونی اذیت سے، کان کی لویں گلابی ہو رہی تھیں۔ جبکہ جبران ناشتہ سامنے رکھ کر یاد کر رہا تھا۔ وہ ٹاپس جو اس نے نیلم کے لیے خریدے تھے، نہ جانے کہاں رکھے تھے۔ دونوں ہی ماضی میں چلے گئے۔

☆☆☆

وہ سینئر کلاس کے جمیل کے ساتھ بائیک پر بیٹھ کر کالج سے واپس آیا تھا۔ جمیل نے دو گلیاں پہلے ہی اسے اتار دیا۔ ویسے تو سائیکل کی جگہ بائیک پر بیٹھنا ترقی تھی۔ مگر وہ سارا راستے اپنے بچپن کے دوست کامران کو صلواتیں دیتا آیا۔ کامران اپنا فضال اس کے حوالے کر کے، خود کالج مشاعرے کی تیاری میں لگ گیا تھا۔ جبران سارا راستہ اس کی بال، بائیک پر اپنے سینے اور جمیل کی کمر کے بیچ پھنسائے غیر آرام دہ ہوتا آیا تھا۔ وہ اچھا خاصا لبرل ہوتا تو یہ سب انجوائے کرتا۔ کبھی گیند ہاتھ سے اچھالتا، تو کبھی پیر سے۔ مگر وہ اس معاملے میں کورا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ پیر آزمانے کے لیے ہی گیند لی تھی۔ جو کہ اب گلے پڑ چکی تھی۔ وہ ناخوشی سے گیند کو بغل میں پھنسائے قدم اٹھا رہا تھا۔ جب مین روڈ کے کنارے پر لڑکیوں کی بس رکی۔ تین یونیفارم میں ملبوس لڑکیاں اتریں۔ مگر اس کی نظر ایک پر ہی ٹھہر گئی۔

لمبا چہرہ، شرمیلی آنکھیں، نازک سی لمبی بار بار دودھیا گالوں سے چپک رہی تھیں۔ ہاتھ میں رضیہ بٹ کا ایک ناول تھا۔ جسے یقیناً وہ بس میں پڑھتی آئی تھی۔ کتاب کو سینے سے لگائے وہ اپنے گھر کی طرف چل دی۔ جبران نے بھی لمحہ بھر کو نظر ہٹائی۔ دوسری دونوں لڑکیاں تو پہلے ہی جا چکی تھیں۔ اب اس رضیہ بٹ کی ہیروئن کو دیکھ کر، جبران نے بھی وہی راستہ پکڑ لیا۔ وہ اس کے قریب سڑک کے دوسرے کنارے چلتا ہوا گیند زمین پر مار مار کر کیچ کر رہا تھا۔ لڑکی نے کن انکھیوں سے دیکھا تو جبران کو فضال پر پیار آ ہی گیا۔ پھر مزید تاثر جمانے کے لیے اس نے فضال کو دائیں پیر سے ٹھوکر مار کر بائیں پیر سے پکڑنا چاہا۔ اس بار اس کے اناڑی قدموں سے چوک ہو گئی اور بال دور جا کر سڑک کنارے پھنس گیا۔

اس لڑکی نے قدم تیز کر لیے۔ سڑک کے ایک طرف گھر اور دوسری طرف دکانیں تھیں۔ بال رینگتی ہوئی دوبارہ جبران کے پاس آ گئی۔ اس نے بال اٹھائی اور مسکرا دیا۔ یعنی وہ بھی اس پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ وہ ویسے ہی مسکراتے ہوئے اسے دیکھے گیا۔ لڑکی تیزی سے قدم بڑھا کر سبز دیواروں والے مکان پر پہنچ گئی۔ گیٹ کے اندر جانے سے پہلے اس نے مڑ کر جبران کو دیکھا پھر شرما کر گیٹ عبور کر گئی۔

☆☆☆

"نیلم نام ہے۔ وہ سرکاری آڈیٹر کرم دین کی بیٹی ہے۔ اسکول ماسٹرنی شبنم کی چھوٹی بہن۔ وہی شبنم جس کو ایک لڑکے نے تحفہ دیا تو اس نے بنا کھولے بڑی سڑک کے جلتے کچرے کے ڈھیر پر پھینک دیا تھا۔ شریف بھی ہے اور خون خوار بھی۔ سوچنا بھی مت۔" کامران نے اسے ایسے ڈرایا جیسے اس زمانے کے والدین بچوں کو خدا سے ڈراتے تھے۔

"اس نے بال کو کک ماری تھی۔ مسکرائی بھی تھی۔" جبران سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر خوابیدہ ہوا۔ ساتھ ہی دکان کے واحد چمڑے کے صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔

کامران کے ابو کی گلی کے کونے پر کیسٹوں کی دکان تھی۔ کالج کے بعد کامران چند گھنٹے وہاں بیٹھتا تھا۔ ساتھ ہی جبران انیس اور شکیل عرف شکی بھی آجاتے۔ ان کیسٹوں کی مانگ اس نئی نسل میں ہی تھی۔ اس لیے لڑکوں کی موجودگی سے کاروبار مندا ہونے کا خدشہ نہیں تھا۔

"مسکرائی نہیں ہو گی تمہارا انجام سوچ کر ہنس رہی ہو گی۔ شبنم کی بارات دیکھی تھی کتنا بڑا افسر بیاہنے آیا تھا۔ لڑکیاں بے وقوف نہیں ہوتیں جو گلی کے پیچھے پھرنے والے لڑکوں کو ہاں کر دیں۔" کامران ابھی سے کاروباری ہو گیا تھا۔

"ہر کام نفع نقصان دیکھ کر نہیں ہوتا۔" جبران نے کہا اور اٹھ کر دکان کے دروازے سے باہر نکلا۔ دکان کی اس اونچی چوکھٹ کی خاصیت تھی کہ یہاں سے نیلم کے گھر کی چھت صاف نظر آتی تھی۔

☆☆☆

کامران صحیح تھا۔ اس کے بعد نیلم بس سے اتر کر تیزی سے گھر چلی جاتی۔ جبران کونے میں کھڑا دیکھتا

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

رہتا۔ کبھی شام میں وہ نکلتی تو جبران کیسٹ کی دکان سے باہر آ جاتا۔ وہ نہ مسکراتی نہ ہی نظر اٹھاتی۔ کسی ناول کی ہیروئن کی طرح اسے بھی سمجھ میں آ گئی تھی کہ جذبے سچی ہوتے ہیں۔ راہ چلتوں پر نہیں لٹائے جاتے۔ پھر جبران نے راستے میں رکنا چھوڑ دیا۔ وہ بس سے آ کر چاروں طرف نظریں گھماتی وہ کہیں نہ ہوتا۔ وہ چھت پر جاتی تو منڈیر کے سوراخوں سے باہر نظر ڈالتی۔ اب وہ کیسٹ کی دکان پر بھی نہیں آتا تھا۔ دوسرے لڑکے گھنٹہ بھر باہر کھڑے رہتے مگر جبران نہ ہوتا اس نے منہ ہی منہ میں شکر کیا کہ جان چھٹی۔

☆☆☆

"میں ان محلے کے بچوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ روز ٹائر کی ہوا نکال جاتے ہیں۔ دیکھو اب ٹائر کی ٹیوب پھٹ گئی۔" کرم دین بائیک پر جھنجھلا پڑے گئے اور غصے سے پیر پٹختے پیدل واپس آ ئے تھے۔

نیلم اور صنم بھی صحن میں آ گئے۔ امی نے پانی دیا جو وہ غٹاغٹ پی گئے۔

"اس نئی نسل کو قدر نہیں ہے چیزوں کی۔ ہر چیز بگاڑنے میں لگے ہیں۔ نہ بڑوں کا لحاظ ہے۔ نہ شرم۔" وہ غصے میں بولے جا رہے تھے۔

"لیکن اب کہاں گئی موٹر سائیکل؟ زیادہ نقصان ہو گیا؟" امی فکرمند ہوئیں۔ "وہ بھلا سا لڑکا آتا ہے نماز پڑھنے۔ کہنے لگا وہ ٹھیک کروا لاتا ہے۔ نئی ٹیوب ڈلے گی۔" کرم دین نے بتایا۔

تھوڑی دیر میں موٹر سائیکل کا ہارن ہوا۔ "دیکھو آ گیا وہ لڑکا۔" امی نے دروازہ کھولا۔ اس کے ابو کی موٹر سائیکل پر اجلے کرتے میں بڑی شان سے بیٹھا جبران اندر آیا۔ پھر ادب سے اتر کر چابی کرم دین کو تھمائی۔

"جیتے رہو بیٹا۔" کرم دین نے انعام دینا چاہا۔

"نہیں چچا، کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ تو میرا فرض تھا۔"

وہ سر ہلاتا رہا اور چار فٹ دور کھڑی نیلم کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ مگر نیلم کیا کرتی اس کی تو نظر جبران سے ہٹنا بھول گئی تھی۔ وہ پیچھا کرنے والا آوارہ لڑکا نہیں رہا تھا۔ وہ بقول اس کے ابو کے نمازی لڑکا تھا۔ وہ جو کئی دنوں سے دل کے جذبوں کو آڑے ہاتھوں لے رہی تھی۔ اس دن ہار گئی۔ اس شام مسجد کے پیچھے کھیلنے والے بچوں کو، جبران نے برف کے گولے کھلائے۔ انہیں ہوا نکالنا اور کس موٹر سائیکل کی ہوا نکالنی ہے یہ جبران نے ہی تو سکھایا تھا۔

☆☆☆

"بہت مشکل پیشہ ہے۔ صرف گھومنا پھرنا نہیں ہے۔"

"ہر قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑے گا۔ چوبیس گھنٹے، وہ بھی سات دن۔ تہواروں پر بھی کام کرنا پڑتا ہے۔"

وانیا نے کیبن کریو بننے کی بات کی تو ہر طرف سے اعتراض ہوئے۔ لیکن اس کے ارادے پکے تھے۔ وہ محنت سے نہیں گھبراتی تھی۔ وہ لوگوں کو سمجھتی تھی اور لوگ اسے پسند کرتے تھے۔ بی کام کے آخری سال میں تھی جب ایک پرائیویٹ ایئرلائن کے کیبن کریو کے لیے اپلائی کر دیا۔ جب اس کی سلیکشن ہوئی تو گھر والے زیادہ خوش نہیں تھے مگر اس کے خوابوں کی یہی تعبیر تھی۔ اس کا بچپن ایک عرب ملک میں گزرا تھا۔ ان کی عالی شان ایئر لائنز، شاہانہ اسٹاف دیکھ کر وہ ہمیشہ سے ہی اس شعبے میں آنا چاہتی تھی۔ مگر قسمت نے اسے واپس پاکستان بھیج دیا۔ یہاں معاملات کافی بدل گئے۔ خواری زیادہ تھی اور عزت کم۔ اس نے پہلے ایک ایئرلائن جوائن کی جس میں صرف لڑکیاں تھیں۔

اس نے بہت کچھ سیکھا بہت کچھ دیکھا۔ ملک کے تمام اہم شہر دیکھ لیے۔ کبھی کوئی مسافر اتنی عزت دیتا جیسے وہی ایئرلائن کی مالک ہو۔ کبھی کوئی کھڑے کھڑے ذلیل کر دیتا جیسے جاہل ملازمہ، وہ چہرے پر مسکراہٹ سجائے سب برداشت کرتی۔ گلف میں

UUNovels.com

ہوتی تو وہاں پر ہر نیشنلٹی کا کیبن کریو ہوتا۔ اکثریت اس کی طرح اڑنے کی خواہش مند ہوتیں۔ مگر یہاں اکثریت ان لڑکیوں کی تھی جنہیں فیملی کو سپورٹ کرنا تھا۔ کچھ سنگل مدرز تھیں۔ کچھ ڈائیورسڈ تھیں۔ وانیا جیسی کم تھیں۔ مگر لوگ انہیں دیکھ کر بھی یہی سمجھتے تھے کہ مجبوری کی خاطر آئی ہیں۔ مسافر اپنی زندگیوں کا غصہ لاد کر جہاز میں آتے اور فرض سمجھ کر کیبن کریو کے اوپر غصہ نکالتے تھے۔ وانیا سوچتی تھی کہ کھانا سرو کرنے والے پر اتنا غصہ کیوں؟ انسان پیدا ہونے سے مرنے تک اس خوراک کے بارے میں تو فکرمند رہتا ہے۔ اس کے لیے نوکری کرتا ہے۔ ملک بدلتا ہے۔ تگ و دو کرتا ہے۔ پھر وہ عورت جو گھر میں کھانا پکاتی ہے اور وہ لڑکی جو جہاز کی کرسی پر مسکرا کر کھانا پیش کرتی ہے ان سے اتنی حقارت کیوں؟

مگر وہ بدظن نہیں ہوئی۔ اس نے لگن سے اپنا کام کیا۔ اسے ایک پرائیویٹ ایئرلائن میں بہتر نوکری مل گئی۔ جس میں ٹریول کے بہت مواقع تھے۔ تنخواہ اور مراعات بھی اچھی تھیں۔ ٹریننگ میں ہی اسے واضح کر دیا گیا تھا کہ کیبن کریو کے عملے میں اتحاد بہت ہے۔ وہ باہر سے آئی لڑکی تھی۔ اس عملے کا حصہ نہ بن سکی تو باقیوں نے اس کے گرد گھیرا کر لیا۔

☆☆☆

"وہ دیکھو میرا بھائی آ گیا۔" اقرا نے ہوٹل سے نکل کر ایک گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

"تم نے خواہ مخواہ اسے زحمت دی۔ ہم خود ٹیکسی کر لیتے۔ شہر ہی تو دیکھنا ہے۔" وانیا بہت غیر آرام دہ ہو رہی تھی۔ بے شک اقرا کا بھائی تھا مگر ان کے لیے انجان تھا۔ پھر وہ ننھی بچیاں تو نہیں تھیں۔ خود آرام سے شہر دیکھ کر واپس آ سکتی تھیں۔

"چلو زیادہ نازک نہ بنو۔" مریم نے کہا اور پیچھے کی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

ساتھ ہی اقرا بھی دوڑی اور مریم کے ساتھ والی سیٹ سنبھال لی۔ وانیا ان کا منہ دیکھ رہی تھی۔ صرف ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ خالی تھی۔ وہ دونوں اس کو دیکھ کر ہنس رہی تھیں کہ کیسا اسے پھنسا دیا۔ وانیا نے جی کڑا کیا اور اقرا کے بھائی کے ساتھ والی نشست سنبھال لی۔ اپنی اس نئی نوکری کے چند دنوں میں ہی اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس کو جو ٹیم ملی ہے ان کے ذہنوں میں کچرا بھرا ہے۔

☆☆☆

"ایکسکیوزمی، یہ ہوٹل کی طرف سے ہے۔" ایک ویٹر نے ان کی ٹیبل پر کیک رکھا۔

"شکریہ دوست تم بہترین آدمی ہو۔ منیجر کو بھی تھینکس کہنا۔" تب وقاص ان کے سینئر کیبن کریو تھے۔ وہ ہمیشہ اسی ہوٹل میں آتے تھے اس لیے سارا عملہ انہیں جانتا تھا۔

مگر وانیا کا یہ فرسٹ ٹائم تھا۔

"آپ لوگوں کی سائیٹ سینگ کیسی رہی؟" علی نے وانیا سے ضرورت سے زیادہ ہی دوستانہ رویہ رکھا ہوا تھا۔

وانیا خاموشی سے کیک کھانے لگی۔ جیسے علی کو سنا ہی نہ ہو۔

"اچھا تھا۔ اقرا کا بھائی بھی آیا تھا۔ آدھی جگہ اس نے دکھا دی۔ باقی ہم خود چلے گئے۔" مریم نے بتایا۔

اقرا ایک دم سے غیر آرام دہ ہو گئی اور وقاص کو دیکھا۔ وانیا نے بھی دونوں کی نظروں کی الجھن دیکھی۔

"کافی منگواتے ہیں۔" وقاص ویٹر کو اشارہ کرنے کے بجائے، خود اٹھ کر کاؤنٹر پر چلا گیا۔ اقرا بھی اس کے پیچھے پہنچی۔ جیسے کوئی وضاحت دینی ہو۔

"میں تھک گئی ہوں۔ آپ لوگ کافی پئیں میں صبح فلائیٹ کے ٹائم ملتی ہوں۔" وانیا نے سوچا نکلنے کا اچھا موقع ہے۔ اس سے پہلے کہ علی اور مریم روکتے وہ جلدی سے ریسٹورنٹ سے نکل گئی۔

وہ دوستی کرنے نہیں آئی تھی۔ اگر اس کو اپنے مزاج کے لوگ نہیں مل رہے تھے، تو وہ صرف انہیں خوش کرنے کے لیے اپنے اصول نہیں توڑے گی۔

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

یہی سوچتے ہوئے وہ کمرے کی طرف گئی۔ سلائیڈنگ خود بخود کھل گیا۔ اسے اپنے پیچھے کسی کی آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے ان سنا کیا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ پرس سائیڈ پر رکھا۔ گلے سے دوپٹہ اتارا تو اسے احساس ہوا کہ پیچھے دروازہ بند ہونے کی آواز نہیں آئی۔ اس نے جھٹ مڑ کر پیچھے دیکھا۔ دروازے میں علی کھڑا تھا۔ وہ بہت معنی خیز مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”میں نے کہا آپ سے پوچھ لوں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔“ یہ کہتے ہوئے وہ اندر تک آ گیا۔ اس کے چہرے کی گندی مسکراہٹ دور ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

”دیکھیں علی! میں ایک حد کے بعد فرینکنس کو پسند نہیں کرتی۔ آپ باہر لابی میں جا کر بیٹھیے۔ میں آ کر آپ سے بات کرتی ہوں۔“ اس نے تھوک نگلا اس کے چہرے سے خون خشک ہو چکا تھا۔ علی چونک گیا اسے ایسے روکھے جواب کی توقع نہیں تھی۔

”آپ باہر نکلو میں آ رہی ہوں۔“ وانیا نے پھر کہا۔

علی غصے سے دیکھتا ہوا پیچ و تاب کھاتا باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

”اتنا کیوٹ تو ہے ایسے ہی تم نے اس کا دل توڑ دیا۔“ صبح کوریڈور میں اقرا ملی تو رات والا واقعہ سنا دیا کہ کیسے اس نے علی کو سمجھایا تھا کہ وہ صرف کام میں دلچسپی رکھتی ہے۔ اچھے خاندان سے آئی ہے۔

مگر اقرا کو وہی غلط لگ رہی تھی۔

”میں آگے بڑھوں گی تو اپنے کام کے بل بوتے پر۔“ اس نے واضح کیا۔

”میرے بھائی کے ساتھ تو بہت آرام سے اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھیں۔ اب بہت نیک پروین بن رہی ہو۔“ اقرا نے باقاعدہ غصہ کیا۔

وہ حیران پریشان تھی۔ اس نے ڈرتے ہوئے رات گزاری تھی۔ علی کی گھناؤنی مسکراہٹ یاد آتی تو لگتا، کوئی اس پر کیچڑ اچھال رہا ہے۔ لیکن اقرا کے لیے یہ معمولی بات تھی۔

”تمہیں اپنے بھائی کے ساتھ بیٹھنا چاہیے تھا۔ تم نے خود مجھے آگے دھکیلا۔ ویسے بھی اگر ہم ٹیکسی لیتے پھر بھی کسی ایک کو آگے بیٹھنا پڑتا۔ ہم میل کولیگز کے ساتھ بھی کام کرتے ہیں۔ مگر ہماری حد کام تک ہے۔ دن کے اجالے میں، مجبوراً فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کا یہ مطلب نہیں کہ میرے ذاتی کمرے کا دروازہ بھی کھلا ہے۔“ وانیا کو غصہ آ گیا۔

”تم بہت دقیانوسی ہو۔“ اقرا کے پاس صرف طنز تھے۔

”ماڈرن تم بھی نہیں ہو۔ جس کو تم ترقی سمجھ رہی ہو۔ اس سے بڑی پستی کوئی نہیں ہے۔“ وانیا نے کرخت لہجے میں کہا۔

”علی سے بنا کر رکھنا نہیں چاہتی۔ مجھ سے بھی بگاڑ رہی ہو۔ تمہیں مستقبل سے خوف نہیں آتا۔“ اقرا نے آنکھیں دکھائیں۔ وانیا کو لمحہ بھر کے لیے حقیقی خوف آیا تھا۔

”ایک بات بتاؤ وہ جو کل تمہیں شہر دکھانے آیا تھا وہ تمہارا بھائی نہیں تھا نا؟“ وہ سمجھ گئی تھی کہ اقرا نے کئی جگہ تعلق بنا رکھے ہیں۔

”سفر کی یہی تو اچھی بات ہے۔ جو مرضی کر لو کسی کو پتا نہیں لگتا۔“ اقرا نے پرسوچ انگڑائی لی۔ وانیا شاکڈ رہ گئی۔ وقاص اور اقرا کے درمیان کیا چل رہا تھا اسے یہ سمجھنے میں بھی دیر نہیں لگی تھی۔

☆☆☆

ٹیڑھے کاموں کے لیے سیدھے راستے میسر نہیں آتے۔ اب لڑکیوں کی کالج بس کے آنے کے بعد مجمع لگ جاتا تھا۔ کچھ نئی لڑکیاں آ گئی تھیں۔ جن کو گھر والے لینے بس اسٹاپ تک آتے تھے۔ سیکنڈوں میں وہ اپنے اپنے راستے ہو لیتیں۔ مگر جبران کے لیے مجمع لگا رہتا۔

نیلم کے ساتھ ایک نئی لڑکی اسماء آ چکی تھی۔ جس کا گھر نیلم کے بھی بعد آتا تھا۔ کبھی ایک تیسرا شخص بھی مجمع بن جاتا ہے۔ نیلم پگھلنے والی ہی تھی کہ اسماء دیوار بن کر ایستادہ ہو گئی اور جبران کے جذبوں کی حرارت کو دور ہی روک دیا۔ اسماء دبنگ لڑکی تھی بڑے شہر سے آئی تھی۔ پہلے ہی دن اس نے دور کھڑے جبران کو تکتے دیکھا تو منہ پر ہی پوچھ لیا کہ کیا کام ہے۔ جبران گڑبڑا گیا۔ پھر وہ کیسٹ کی دکان سے دیکھنے لگا کہ کسی دن نیلم اکیلی ہو تو بات کرے۔ مگر اسماء تو چپک ہی گئی تھی۔

☆☆☆

”اپنی امی کی لپ اسٹک لگا لو۔ کانچ کی چوڑیاں بھی پہن لو۔ اوپر چادر لے لینا۔ کوئی نہیں دیکھے گا۔“ اسماء اپنے چاچو کے ساتھ بائیک پر اسے لینے آئی تھی۔

”کالج فنکشن ہے شادی پر تو نہیں جا رہے۔“ نیلم نے اعتراض کیا۔

مگر اسماء کے کہنے پر لپ اسٹک لگا لی۔ کالی چادر لپیٹی تو گلابی ہونٹ اور دمکنے لگے۔ جبران نے ہوش مند لڑکوں کی طرح پہلے ہی کالج سے چھٹی کر لی تھی۔ چھ ستمبر کا دن تھا۔ لائق بچوں نے تقریریں کرنی تھیں۔ بھولے بھالے بچوں نے تالیاں بجانی تھیں۔ وہ دونوں میں نہیں آتا تھا۔ اس لیے صبح ہی کامران کی دکان پر آ بیٹھا۔ بائیک پر اڑتی کالی چادر، کپکپاتی پلکیں اور گلابی ہونٹ اس نے بھی دیکھے تھے۔

☆☆☆

چادر سنبھالتے ہوئے کب اس کا جوتا ڈھیلا ہوا۔ اس نے غور نہیں کیا۔ وہ تو جب چپل سڑک پر گر گئی تو اس نے شور مچا دیا۔ پہلے اسماء نے سنا پھر جب تک اس کے چاچو نے سنا، بائیک کافی آگے جا چکی تھی۔ چاچو کام سے لیٹ ہو رہے تھے۔ بڑی مشکل سے انہوں نے بائیک موڑی واپس آئے۔ مگر چپل نہیں ملی۔ اتفاق سے اسماء ہیل والی جوتی بیگ میں لے کر آئی تھی اور کالج کے عام کینوس شوز پہن رکھے تھے۔ اس نے اپنے کینوس شوز نیلم کو دے دیے۔ سارا دن صحیح گزر گیا۔ واپسی پر وہ بس سے اتری تو رفتار زیادہ ہی سست تھی۔

”اس اونچی ایڑی والی جوتی نے پاؤں سجا دیے ہیں۔“ اسماء زمین سے دو انچ اوپر ڈول رہی تھی۔

”تم کینوس شوز لے لو۔ میں یہ ہیل پہن لیتی ہوں۔“ نیلم نے پیشکش کی۔

”بہت نیک خیال ہے۔ چلو بدلو۔“ اسماء نے دائیں جوتا اتار کر اس کی جانب بڑھایا۔

”سائیڈ پر آ جاؤ۔“ نیلم نے خوفزدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

”جوتا ہی تو بدل رہے ہیں۔ تم ڈرتی بہت ہو۔“ اسماء نے ایک پاؤں پر کھڑے اسے ٹھڈا مارنے کی کوشش کی۔

ابھی یہ بحث، جاری تھی کہ کیسٹ کی دکان کے اندر سے جبران برآمد ہوا۔ اس نے ہاتھ سینے پر باندھ رکھے تھے۔

”نیلم، بات سنیں۔“ جبران نے عجلت میں کہا۔ کہیں وہ پھر نہ چلی جائے۔ اسماء دونوں جوتے اتار کر ننگے پاؤں کھڑی تھی۔

”نہ بی بی، نہ بہن، نہ صاحبہ سیدھا نام لے لیا۔ بھائی تمہارا مسئلہ کیا ہے؟“ اسماء نے آستین اوپر کر لیں۔

نیلم گھبرا گئی کہ اب تو تماشہ لگا ہی لگا۔

”مجھے ان سے ضروری بات کرنی ہے۔“ جبران بھی چل کر سامنے آ گیا۔ نیلم ہر روز صبح خود کو اچھی شریف لڑکی ہونے کا درس دیتی تھی۔ مگر دن ڈھلنے کے بعد نہ چاہ کر بھی اسے سوچتی تھی۔ اگلے دن پھر وہی خیال اور درس دہراتی۔ وہ سامنے نہیں ہوتا تھا تو دل کو سمجھانا کتنا آسان تھا۔ وہ سامنے آ جاتا تھا تو اندر کی اچھی شریف لڑکی، اس کو اچھا شریف لڑکا ثابت کرنے پر تل جاتی تھی۔

”دیکھیں جبران! آپ سمجھ دار ہیں۔ یوں راستے میں بار بار آنا آپ کو زیب نہیں دیتا۔ میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔ میرے ماں باپ نہایت شریف لوگ ہیں۔ آپ کو شرم آنی چاہیے۔“ وہ جو روز خود

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

سے کہتی تھی اس کو کہہ سنایا۔

"ہاں بالکل ٹھیک آوارہ لڑکا ہے۔ باپ کلرک اور بھائی الیکٹریشن۔ خود یہ سارا دن دکان پر بیٹھا رہتا ہے۔" اسماء نے دوبارہ ہیل پہن کر چڑھائی کردی۔

جبران کا رنگ اڑ گیا۔ وہ تو دن میں دس بار اپنی صورت دیکھتا تھا۔ اس جیسا ہینڈسم لڑکا پورے محلے کیا۔ پورے شہر میں نہیں تھا۔

"چلو اسماء، میں نے بات کرلی ہے۔" نیلم نے اس کے خاندان کے ذکر پر اس کا اڑتا رنگ محسوس کرلیا تھا۔ وہ دونوں وہاں سے جانے لگیں۔ اسماء اب بھی بڑبڑا رہی تھی۔

"نیلم، بات سنیں۔" جبران نے پھر کہا۔ اس بار اس کی آواز کھائی سے آتی محسوس ہورہی تھی۔

"دیکھیں جبران، میں بتا چکی ہوں کہ میرے نزدیک یہ اشارے دوستیاں گناہ ہیں۔ اگر ذرا سی بھی شرافت ہے تو میرے راستے میں آئندہ مت آیئے گا۔" نیلم نے مڑ کر دوبارہ کہا۔

جبران بولا نہیں، اس نے سینے پہ بندھے ہاتھ کھول کر بغل میں سے ایک شاپر نکالا۔ پھر نکال کر نیلم کی طرف بڑھایا۔ شاپر میں نیلم کی وہ چپل تھی جو صبح بائیک سے گر گئی تھی۔

"میں تو یہ دینے آیا تھا۔" جبران نے کہا۔ نیلم نے اس سے کیا کہا اور خود کو کیا سمجھایا وہ سب بھول گئی۔ اس نے چپل پکڑی۔ جبران چلا گیا۔ اب اس چپل کو سینے میں دبوچنے کی باری نیلم کی تھی۔

☆☆☆

"مجھے مسٹر علی کی شکایت کرنی ہے۔" وانیا بہت سوچ سمجھ کر اپنی مینیجر کے پاس آئی تھی۔

"بیٹھو۔" منیجر اس کی توقع کررہی تھی۔

"کچھ گندی مچھلیوں نے اس ایئر لائن کا ماحول خراب کردیا تھا۔ دس میں سے کوئی ایک لڑکی اقرا جیسی ہوتی تھی۔ مگر اس ایک لڑکی کی شہرت باقی سب پر حاوی رہتی تھی۔"

"جب میں نے مردوں کے ساتھ کام کرنا شروع کیا تو اصول بنالیا تھا کہ کسی کام کے لیے اس لیے انکار نہیں کروں گی کیونکہ میں عورت ہوں اور دوسرا مرد۔ اپنی ذمہ داری پوری کروں گی۔ ایک اور اصول بھی بنالیا تھا کہ دوسروں کی ذاتی زندگی میں دخل نہیں دوں گی۔ دوسرے اپنے فارغ وقت میں کس سے دوستیاں کرتے ہیں میں اسے نظر انداز کررہی ہوں۔ مگر مسٹر علی کو میرے انکار کی سمجھ نہیں آرہی۔"

ورک پلیس ہراسمنٹ کا الزام بہت گمبھیر ہوتا ہے۔ مگر اس کے پاس اب کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔

"میں ایک بار پھر پوچھنا چاہتی ہوں کہ تم فارمل کمپلین کرنا چاہتی ہو یا صرف اپنا مسئلہ مجھ سے ڈسکس کرنے آئی ہو؟" مینیجر ایک مہربان سمجھ دار خاتون تھیں۔ انہوں نے کچھ سال فلائنگ کے بعد اب گراؤنڈ جاب اختیار کرلی تھی۔

"مسٹر علی اور ان کے دوستوں نے تو چیلنج بنالیا ہے کہ میں گھٹنے ٹیک دوں اور ان کی بات مان لوں۔"

وانیا نے تہذیب سے علی کو منع کیا تھا۔ مگر وہ بدتہذیب انسان حدیں پار کررہا تھا۔ اقرا نے تو ایک ٹرپ میں، ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا کہ وانیا اور علی روم شیئر کرلیں۔ وانیا کو ہر طرف سے اپنی عزت پکڑ کر چلنا پڑ رہا تھا پر اب وہ بھی مشکل ہورہا تھا۔ اللہ نہ کرے کہیں کسی دن حالات اتنے دشوار ہوجائیں کہ وہ کوئی غلط قدم اٹھانے پر مجبور ہوجائے۔

"تم کمپلین کررہی ہو اور میں اس پر ایکشن بھی لوں گی۔ مگر اس کے بعد تمہارے لیے فلائٹ کا ماحول بدل جائے گا۔" مینیجر نے سچائی سے کہا تھا۔

"میں سامنا کرلوں گی۔" وانیا بھی پرعزم تھی۔

☆☆☆

ٹیک آف کے پہلے سات منٹ اور لینڈنگ کے تین منٹ کریٹیکل الیون منٹ کہلاتے ہیں۔ وانیا ٹیک آف کے وقت، اپنی سیٹ پر بیٹھی ایمرجنسی عوامل دہرا رہی تھی۔ اس کا سٹ ابھی اپنی چار لوگوں پر مشتمل تھا۔ اب ان میں ایک نیا لڑکا کلیم شامل ہوچکا تھا۔ کلیم ہنسنے کھیلنے والا ایک شوخ لڑکا تھا جو جلد سب سے گھل مل گیا تھا۔ جبکہ سچ بولنے کی سزا کے طور پر باقی دوسروں نے وانیا کا جینا حرام کررکھا تھا۔ اس کے ہر کام میں جان بوجھ کر مسئلے پیدا کیے جانے لگے۔ سب کا پسندیدہ مشغلہ اس کی برائی کرنا تھا۔ اس کی ہر ذاتی بات کو بڑھا چڑھا کر اس کا ڈھنڈورا پیٹا جانے لگا۔ وہ صرف اس لیے صبر کررہی تھی کیونکہ اسے اپنے کام سے پیار تھا۔

"وانیا! یہ دیکھو تو صحیح۔" کلیم نے فون اس کے منہ کے آگے کردیا۔

وانیا کام کو عبادت سمجھ کر کرتی تھی اس کو شدید الجھن ہوئی۔ پھر جب موبائل پر نظر پڑی تو ہوش اڑ گئے۔ اسکرین پر ایک فحش ویڈیو چل رہی تھی۔ ہر کوئی اس کی دشمنی میں اتنا گر گیا تھا کہ اوچھی حرکتیں فخر سے کررہا تھا۔

"اپنا یہ موبائل بند کرو تمہیں ایک موقع دے رہی ہوں۔ آئندہ مت کرنا۔" وانیا نے بہت سختی سے کہا۔

"سختی کمپلینز کریں گی۔" کلیم ڈھٹائی سے ہنسا۔

وانیا کا تو دماغ شل ہوگیا۔ سب مل کر اسے ہراس کرنے میں لگے تھے۔ اس فلائیٹ کا ایک ایک لمحہ اس کے لیے دوبھر ہوگیا تھا۔

☆☆☆

وہ سنگل آئل ایئر کرافٹ تھا۔ درمیانی راستے کے دونوں طرف تین سیٹیں تھیں۔ وقاص اور اقرا فرنٹ گیلی میں کام کررہے تھے۔ کلیم علی اور وانیا پیچھے کی گیلی میں تھے۔

"میں ذرا وقاص سے بات کرکے آتا ہوں۔" علی وہاں سے نکل گیا۔

"ہیلو مس وانیا۔" کلیم نے جیب سے موبائل نکال کر لہرایا۔

"اوہ نو موبائل، اوچ۔" پھر وہ موبائل کو اچھالنے لگا جیسے موبائل نہ ہو بم ہو۔ وانیا اس کا منہ دیکھنے لگی۔ کیا وانیا کی وارننگ اسے مذاق لگی تھی۔ اسے اب ذہنی ٹارچر محسوس ہورہا تھا۔

"آل کیبن کریو رپورٹ ٹو فرنٹ گیلی۔" ایک دم سے ان کے اسپیکر پر وقاص کی کال آئی۔

یہ کال کوئی اچھی علامت نہیں تھی۔ ایسا صرف ایمرجنسی سچویشنز میں ہوتا تھا۔ وانیا اور کلیم بھی فرنٹ گیلی کی طرف دوڑے۔ وقاص ایمرجنسی لینڈنگ کی چیک لسٹ لیے کھڑا تھا۔

"انجن میں مسئلہ ہوگیا ہے۔ ایمرجنسی لینڈنگ کرنی پڑ رہی ہے۔" وقاص نے کہا۔

"جہاز میں کوئی ہینڈی کیپ مسافر نہیں ہے۔ مگر بچوں اور بوڑھوں کے بارے میں یہ ہدایات ہیں۔" وقاص سب کو چیک لسٹ پڑھ کر سنا رہا تھا اور بہت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

اقرا گھبراہٹ میں پسینہ صاف کررہی تھی اور علی بے چینی سے ہاتھ مل رہا تھا۔ یقیناً ایمرجنسی لینڈنگ ہونے والی تھی۔ وانیا کا یہ ایمرجنسی لینڈنگ کا پہلا تجربہ تھا۔ شاید اس لیے وہ دوسروں کی طرح حواس باختہ نہیں ہوئی تھی۔ وہ بہت توجہ سے ہدایات سن رہی تھی۔ تاکہ ایسے ہی سارے عمل مکمل کرسکے۔

"آکسیجن بوتل اور فرسٹ ایڈ کٹ لے کر جانی ہے۔ کھانا اور دوسری چیزیں ثانوی ہیں۔" وقاص سب کے سامنے چیک لسٹ پڑھ رہا تھا۔

وانیا سب کچھ ذہن نشین کرتی جارہی تھی۔ پہلے ڈور کو آرام کرنا ہے۔ ڈور آٹو میٹک سیٹنگ میں چلا جائے گا۔ پھر ڈپلائے کرنا ہے۔ دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی چھ سیکنڈ میں ایمرجنسی سلائیڈ ہوا بھر کر کھل جائے گی۔ "ہمیں تمام مسافروں کو ایئر سلائیڈ سے ہی اتارنا ہوگا۔" وقاص ہر بات پر زور دے رہا تھا۔

وانیا نے ٹریننگ کے دوران یہ عمل کئی بار کیا تھا ہر بار انہوں نے پائلٹ کے سامنے چیک لسٹ پڑھی تھی۔ کیا اس ایئر لائن میں بھی یہ عمل پائلٹ کے سامنے نہیں ہونا چاہیے تھا؟ اس نے سوچا۔ مگر زیادہ سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ علی اور کلیم ویسے ہی بوکھلاہٹ سے اسے بیک گیلی تک لے آئے تھے۔ وانیا کا ذہن

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

پوری طرح الرٹ تھا۔ وانیا اپنے ڈور کی انچارج تھی۔ اس نے نظر موڑ کر علی کو دیکھا۔ وہ لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا اور پریشانی سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ لینڈنگ ہوئی اور وہ دونوں اٹھ کر اپنے اپنے دروازوں تک آئے۔ علی نے تو ہینڈل ایسے جھپٹا جیسے فوراً دروازہ کھولنے لگا ہو۔

وانیا کیپٹن کے آرڈر کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے لگا شاید علی آرڈر کے بغیر ہی ڈور کھول دے گا۔ اس کا ڈور مسلسل آرمڈ پوزیشن میں تھا۔ یعنی سلائڈ نکلنے کو تیار تھی۔ اپنی ماہرانہ اداکاری سے علی پوری طرح سے یہ دکھا رہا تھا کہ وہ دروازہ کھولنے والا ہے۔ تاکہ اس کی دیکھا دیکھی وانیا اپنا دروازہ کھول دے۔ مگر وانیا نے عقل مندی سے نظریں علی پر گاڑے رکھیں۔

"کیبن کریو، ڈس آرم یور ڈور اینڈ کراس چیک۔" کیپٹن کی آواز آئی۔

ڈس آرم کا مطلب ایمرجنسی سلائڈ کو منقطع کرنا تھا۔ انہیں کوئی ایمرجنسی سلائیڈ نہیں چاہیے تھی۔ کیونکہ یہ کوئی ایمرجنسی لینڈنگ نہیں تھی۔ اس کے اپنے ساتھیوں کی ایک بھدی حرکت تھی۔ باقی چاروں کیبن کریو اس میں شامل تھے۔ کسی بھی کیبن کریو کے لیے سب سے بڑی مشکل تب آتی ہے جب وہ سیکورٹی میں غفلت کرتا ہے۔ وہ سب مل کر وانیا کو سیکورٹی کا خطرہ ہی ثابت کرنا چاہتے تھے۔

"اوہ دیکھو تم تو ڈر گئی۔" علی ایمرجنسی ڈور کھلوانے میں ناکام رہا تھا۔ مگر مذاق اڑا کر محظوظ تو ہو سکتا تھا۔ وہ وہی کر رہا تھا۔

"میں بالکل نہیں ڈری۔ تم جانتے ہو ایمرجنسی سلائیڈ کھولنے سے ایرلائن کو کتنا بڑا مالی نقصان ہوتا ہے۔ اس بات پر لوگوں کو نوکری سے نکال دیا جاتا ہے۔" اس نے جواب مانگتے ہوئے آنکھیں دکھائیں۔

"یہ تو ایک پریکٹس تھا۔ یہاں تمہیں اب مذاق بھی برداشت نہیں۔" علی مسلسل اسے چڑانے کے لیے ہنس رہا تھا۔

"شکر کرو اس جہاز میں کیمرے نہیں ہیں۔" وانیا نے کہا اور اپنا دروازہ روٹین کے مطابق کھولنے لگی۔

"کیمرے ہوتے تو تمہاری ہوائیاں اڑی یہ شکل بار بار ریوائنڈ کر کے دیکھتا۔" علی اب آنکھیں پھاڑ کر اس کی نقل اتار رہا تھا۔

اس وقت اسے احساس ہوا یہ ہمیشہ اس میں کام کرنے والی عورتوں کی وجہ سے بدنام نہیں ہے۔ ان مردوں کی وجہ سے بدنام ہے جو دوسروں کو اپنی زندگی جینے نہیں دیتے۔ جو سمجھتے ہیں کہ لڑکی گھر سے باہر نکلی ہے تو ہر حد پار کر جائے گی۔ لڑکیوں کی مجبوریوں نے انہیں دوسروں کی جاگیر بنا دیا ہے۔ لیکن وہ مجبور نہیں تھی اور نہ ہی ڈرپوک۔

☆☆☆

محلے کی شکرن خالہ کا ایک ہی بیٹا تھا۔ جو سعودیہ چلا گیا تھا۔ پہلے تو شکرن خالہ کے ٹھاٹ ہو گئے۔ پھر بیٹے کی شادی ہوئی، بچے ہوئے، خرچے بڑھے تو ان کی دوبارہ سے پہلے والی حالت ہو گئی۔ اب شکرن خالہ بیمار ہوئیں۔ تو سارے محلے والوں نے ڈیوٹی لگوائی۔ تین دن ایک شخص کھانا بھیجے گا۔ اگلے تین دن دوسرا شخص۔ ایک اکیلی عورت تھیں۔ ایک کٹوری سالن اور دو روٹی کیا گراں گزرنی تھی۔ جو صاحب حیثیت تھے وہ خوشی سے فرض نبھانے لگے۔ مگر نتیجہ یہ نکلا کہ خالہ شکرن مزید بیمار ہو گئیں۔ کھانے کی ڈیوٹی لگائی گئی۔ مگر دوائی کا ذمہ کسی نے نہیں لیا تھا۔ دوبارہ محلے کی کمیٹی بیٹھی۔ اب فیصلہ ہوا کھانا دینے والا بیٹھ کر کھانا کھلائے گا۔ پھر دوائی کھلا کر آئے گا۔ اس دن دوسرا دن تھا کہ نیلم کو جانا پڑ رہا تھا۔

شکرن خالہ بستر پر خاموشی سے چھت گھورنے والی مریضہ نہیں تھیں۔ نوالہ گال میں دبا کر کھاتے ہوئے بھی مسلسل بولتی رہتیں۔ نیلم فریاں بردار کی گھر میں سکون سے بیٹھ کر ناول پڑھ رہی تھی۔ مگر امی نے کھانا پکڑا کر باہر دھکیل دیا۔

"خالہ جی، کھانا لائی ہوں۔" وہ شکرن خالہ کے

گھر پہنچی تو دروازہ کھلا تھا۔

اس نے برآمدے کی میز پر کھانا رکھا۔ آج میز پر کچھ رنگین کپڑے، ہاتھ سے کاڑھے میز پوش اور تانبے کے چند گل دان پڑے تھے۔ نیلم وہ ماضی کی یادگاریں دیکھنے لگی۔ اتنے میں کمرے سے دھڑام کی آواز آئی۔ کچھ زوردار گرا اور ساتھ ہی تانبے کی مزید چیزیں چھنکیں۔ نیلم اندر کو لپکی۔

"ہائے منڈا گر گیا۔ نالائقے، کہا بھی تھا چپل اتار لے۔" شکرن خالہ بستر پر ہی لیٹی دہائیاں دے رہی تھیں۔ سامنے پرچھتی کے ساتھ سیڑھی لگی تھی اور فرش پر جبران گرا کمر پکڑے ہائے ہائے کر رہا تھا۔

"خالہ، یہ سب کیا ہے؟" نیلم نے جائزہ لیا۔ کمرا کاٹھ کباڑ سے بھرا ہوا تھا۔

"یہ اس لڑکے سے دوائیاں منگوائی تھیں۔ سوچا پرچھتی بھی صاف کروالوں۔ مجھے کچھ ہو گیا تو سب بے کار جائے گا۔ کیسا نازک لڑکا آیا ہے بیس منٹ میں تھک گیا۔" خالہ شکرن الٹا اسے ڈانٹنے لگیں جس کا ہاتھ درد کے باعث کمر سے جدا نہیں ہو رہا تھا۔

"خالہ مجھے کام کرتے یہ تیسرا گھنٹہ ہے۔ ابھی میں چلتا ہوں۔ پھر آؤں گا۔" جبران نے رینگنے کی کوشش۔

"خبردار جو ہلے..... سارا سامان نکالو۔ پہلے دھوپ لگواؤں گی۔ پھر واپس سمیٹوں گی۔ چلو اٹھو مرد ہو کر ہائے ہائے کرتا ہے۔" جبران اور نیلم دونوں جانتے تھے کہ وہ پچھلی ملاقات کی بے عزتی کے باعث نکلنا چاہتا ہے۔ مگر خالہ شکرن یہ ہونے نہیں دے رہی تھیں۔ انہوں نے وہیں بستر پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ ساتھ جبران سے سامان نکلواتی رہیں۔ اپنے ہی کباڑ نما سامان پر وہ واری صدقے بھی جا رہی تھیں۔

"یہ کرتا دیکھو۔ میں نے کاڑھا تھا۔ یہ پان دان میری ساس کا تھا۔ ہر وقت لال ہونٹ اور نارنجی دانت رہتے تھے۔"

جبران سیڑھی پر چڑھتا تو سیکھے سے اس کی قمیض اڑنے لگتی۔ وہ ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر دوسرے سے سامان اتارتے ہوئے عجیب خجل ہو رہا تھا۔ جبکہ نیلم اس کے نیچے اترتے ہی نظر پھیر لیتی تھی۔ اس نے خالہ شکرن کو کھانا کھلا دیا دوائی بھی کھلا دی پھر نیلم بیٹھی خالہ شکرن کا خزانہ دیکھتی رہی۔

"بیٹا، کل بھی آ جانا شاباش۔ یہ میرے میاں کی ہاکی پڑی ہے۔ بالکل نئی تھور۔ تیس سال پہلے کھیلتے تھے۔ یہ تم رکھ لو۔" انہیں ایک دم سے احساس ہوا کہ یہ لڑکا دوڑ گیا تو سامان واپس کون سنبھالے گا۔

"تیس سال پرانی نئی تھور ہاکی؟ بہت شکریہ خالہ۔" جبران نے مجروح مسکراہٹ سے ہاکی پکڑی۔ اسے یک دم تیس سال پرانی خالہ شکرن اسی ہاکی سے اپنے شوہر کو پیٹتی نظر آئیں۔ اس نے لرز کر ہاکی واپس رکھی۔

"خالہ جی، کل لے جاؤں گا۔" جبران نے کہا اور گیٹ کی طرف چلا گیا۔

"رکیے ہو پیچھے سے نیلم بھی آ گئی۔ وہ رک گیا۔ اتنے قریب سے یوں تنہائی میں وہ پہلے ایک دوسرے کو سوچتے تھے۔ آج مل رہے تھے۔

"پہلے میں چلی جاتی ہوں۔ آپ میرے پندرہ منٹ بعد نکلیے گا۔" اس کو زمانے کا ڈر کچھ دیر سے ہی مگر محسوس ہوا۔

وہ برتن سنبھال کر جانے لگی۔

"رکیں۔" اس بار آواز جبران نے دی تھی۔ نیلم کی پلکیں پھر سے لرزنے لگیں۔

"کل بھی اگر آپ نے ہی کھانا لانا ہے تو ایک روٹی میرے لیے بھی لے آیئے گا۔" وہ محبت سے دیکھا شرارت سے مسکراتا فرمائش کر رہا تھا۔

نیلم نظریں جھکا کر چلی گئی۔ اگلے دن اضافی روٹی کے ساتھ وہ سلاد بھی لائی تھی۔

☆☆☆

ان کا دبئی میں تین دن کا لے اوور تھا۔ اتنے خطرناک پریکٹیکل جوک کے باوجود وہ اپنے ہی سٹ کے ساتھ اٹھ بیٹھ رہی تھی۔ ہوٹل کے بریک فاسٹ روم میں وہ کاؤنٹر پر اپنی کافی کپ کے بھرنے کا

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

انتظار کر رہی تھی، جب ہارون اپنا کپ لیے اس کے پیچھے آیا۔

"یہاں کی کافی کیسی ہے؟" ہارون نے پوچھا۔

یہ ان کی باقاعدہ پہلی ملاقات تھی۔ وانیا اسے نہیں جانتی تھی اس لیے کڑوا سا منہ بنایا۔ اس نے ہارون کو پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ جبکہ ہارون اسے کئی بار سٹاف ایریا میں دیکھ چکا تھا۔

"میرا کپ ابھی بھرا نہیں۔" اسے لگا یہ انجان آدمی بھی اپنی قسمت آزما رہا ہے۔

"مجھے لگا آپ پہلے ادھر آچکی ہوں گی اس لیے پوچھا۔" ہارون شرمندہ ہو کر ایک قدم دور ہو گیا۔

"شکلوں پر مت جائے گا ہر کوئی ایک جیسا نہیں ہوتا۔" وانیا نے غصے سے کہا۔

ان کی ایئر لائن ہمیشہ اس ہی ہوٹل میں ٹھہرتی تھی۔ ہوٹل اسٹاف بھی انہیں غلط نظروں سے دیکھتا تھا۔ وہ ہارون کو بھی ان میں سے ہی ایک سمجھی۔

"میں کیپٹن ہارون ہوں۔ آپ نے شاید پہچانا نہیں۔ آپ کی ایئر لائن میں نیا ہوں۔" ہارون نے باقاعدہ تعارف کروایا۔

ہارون ابھی فرسٹ آفیسر کے طور پر کام کر رہا تھا۔ اس وقت وہ کسی اور فلائٹ کے ساتھ آیا تھا۔ ان کی اس روز واپسی تھی۔ جبکہ وانیا اور اس کا کریو تین دن مزید وہاں تھا۔

"اوہ اچھا، سوری میں نے پہچانا نہیں۔ بس کام کی ٹینشن۔" وانیا نے ماتھا رگڑا۔

"میں بھی آپ کے کام سے ملتا جلتا کام کرتا ہوں۔ شاید آپ کی مدد کر سکوں۔" ہارون نے پیشکش کی۔

"کچھ خاص نہیں۔" وانیا نے کافی کا کپ اٹھا لیا اور پلٹی۔ تفصیل بتانے میں اس کی ہی سبکی تھی۔

"مس وانیا، آپ کے کتنے آورز ہو گئے ہیں؟" وہ گفتگو جاری رکھنا چاہتا تھا۔

اس ایئر لائن کے ساتھ مقررہ گھنٹے پورے ہو جاتے تو وہ کیپٹن بن جاتا اور وانیا کو مقررہ گھنٹے پورے کرنے کے بعد ایئر بس جہاز کا لائسنس مل جاتا۔ دونوں ترقی کے لیے اپنے گھنٹے پورے کر رہے تھے۔

"گھنٹے دور کی بات ہے۔ یہاں تو لمحہ لمحہ کر کے وقت گزار رہی ہوں۔" وہ مسکرا کر جانے لگی۔

"اتنی آزار ہیں۔ پھر بھی اسی ٹیبل پہ کیوں جا رہی ہیں؟" ہارون حیران کھڑا تھا۔

وانیا نے لمبی سانس لی اور فلائٹ میں ہونے والا سارا ایپی سوڈ بتا دیا۔

"میں کمزور نہیں ہوں کہ ان کا سامنا نہ کر سکوں۔" اب یہ وانیا کی انا کا مسئلہ تھا۔

"واپس پہنچ کر اس کا کوئی آفیشل حل نکالتے ہیں۔" ہارون اپنی کافی بھول کر وانیا کے ساتھ چلنے لگا۔

وانیا فروٹ والی ٹیبل پر رک گئی۔ وہ اتنے ہوٹلوں میں آتے جاتے تھے کہ اب وہاں کے عالی شان ناشتے سے بھی اکتا چکے تھے۔ بس روٹین کا تھوڑا سا ناشتہ کر لیتے۔ مگر آج وہ ٹیبلوں کے گرد اس لیے منڈلا رہی تھی کیونکہ وہ اپنی ٹیم کی شکل تک دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

"میں نے مسٹر علی کی کمپلین کی تھی۔ اسے صرف وارننگ ملی۔ مگر میری زندگی دشوار کر دی گئی۔ کمپلین کرنے سے الٹا نقصان ہوا تھا۔" وانیا نے کچھ تفصیل بتائی۔ ہارون بھی سوچ میں پڑ گیا۔

"میں دیکھتا ہوں۔" ہارون نے بہت اعتماد سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

☆☆☆

وہ اپنی کزن وجیہہ کے فلور میں داخل ہوئی تھی۔ اس کے پاس وقت تھا تو وجیہہ نے دفتر ہی بلوا لیا۔ زیادہ تر لوگ کام میں مصروف تھے، کہیں کوئی گٹار بجا رہا تھا۔ وہ مختلف کیبن اور کوریڈور عبور کرتے ہوئے گٹار کی آواز پر کھنچی چلی آئی تھی۔ وہ ایک لابی تھی جس کی ایک دیوار شیشے کی بنی تھی۔ شیشے سے دبئی شہر کی اونچی عمارتیں اور روشنی سے جگمگ کرتے میدان نظر آ رہے تھے۔ لابی میں گھیرا بنائے کھڑے لوگوں میں وجیہہ

بھی تھی اور گھیرے کے بیچ میں ایک میز پر بیٹھا، کرسی پر پاؤں جمائے وہ گٹار بجا رہا تھا۔

وانیا نے یہ گانا پہلے نہیں سنا تھا۔ اب سن رہی تھی تو دل میں اتر رہا تھا۔ جیسے گانے والا اس کو ہی پکار رہا ہو۔

"ساڈے دل مکھڑا موڑ وے پیاریا۔"

گانے والے کی وانیا کی طرف پیٹھ تھی۔ کانوں سے کچھ لمبے بال، آنکھیں بند کیے وہ گانے میں ڈوبا ہوا تھا۔

"آپے پایاں کنڈیاں تے آپے کھنچے ڈور...... وے پیاریا۔"

پھر وہ ان محسوسات میں ڈوب کر ابھرا، گانا ختم ہو گیا۔ آنکھیں کھولیں تو سامنے وانیا کھڑی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے ان کی نظریں ملیں۔ ستواں ناک، لمبا چہرہ، بلیک پینٹ سوٹ کے اوپر اس نے گلے میں سبز اسکارف لپیٹ رکھا تھا۔

"مرحبا۔" لڑکے نے اسے دیکھتے کہا۔

سارے مجمعے کی نظر وانیا پر گئی۔

"ہیلو یہ میری کزن وانیا ہیں۔" وجیہہ نے بھی تب ہی اسے دیکھا۔

"یہ میرے کولیگز ہیں۔" وجیہہ مختلف نیشنلٹی والے لوگوں کا تعارف کروا رہی تھی۔

"اور یہ ہیں ولید۔" آخر اس نے گٹار بجانے والے کا تعارف کروایا۔

"ولید، وانیا ایئر ہوسٹس ہیں۔" وجیہہ اپنے فلو میں بول رہی تھی۔ اس نے نہ وانیا کی خاموشی محسوس کی نہ ولید کی آنکھوں کی چمک۔

"یعنی آپ اڑنے والوں میں سے ہیں۔ تب ہی آپ پر پرستان سے آنے کا گمان ہوتا ہے۔" اس نے گٹار زمین پر ٹکایا۔

"آپ کی صحت کا راز ہیلدی فلرٹنگ تو نہیں؟" وانیا نے جواب دیا۔

ولید قہقہہ لگا کر ہنسا۔

وانیا کو ایجوکیشن میں پڑھی تھی۔ اب مردوں کے ساتھ نوکری کر رہی تھی۔ اس کی جاب بھی پبلک ڈیلنگ والی تھی۔ مرد اس کے لیے ہوا نہیں تھا۔ بس ایک مخلوق تھی۔ اس دن ولید نے بھی انہیں لنچ کے لیے جوائن کر لیا۔ یہ اس کے لیے کوئی بہت بڑی بات نہیں تھی۔

☆☆☆

وہ اجنبیوں کے ساتھ میٹھی تھی تو اپنوں کی فرماں بردار، لمبے سفر سے آنے کے بعد اس کی ویسے ہی خاص آؤ بھگت ہوتی تھی مگر اس دن تو امی زیادہ ہی واری صدقے جا رہی تھیں۔

"پاؤں اوپر کر لو ادھر ہی کھانا لا دیتی ہوں۔ آج تمہارے لیے پودینے والا لیموپانی بنایا ہے۔ دیکھنا پیتے ہی تر و تازہ ہو جاؤ گی۔" امی اپنا بڑا سا دوپٹہ سمیٹتی کچن میں چلی گئیں۔ وانیا نے یاد کیا نہ اس کی سالگرہ تھی نہ پروموشن ہوئی تھی۔

"امی سچ بولیں اتنی محبت کیوں جاگ گئی؟" وانیا نے کھانے کی پلیٹ پکڑ کر ڈرامائی انداز میں کہا۔

"چل ہٹ، اپنی بیٹی پر پیار آنے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔" امی مسکرائیں۔

وانیا ٹی وی دیکھتے ہوئے کھانا کھانے لگی۔ آج اس نے یونیفارم بھی نہیں بدلا۔ تیسرا نوالہ ہی لیا تھا کہ امی سے صبر نہیں ہوا۔

"وجیہہ بتا رہی تھی اس کا کولیگ ہے۔ وہ تم میں دلچسپی لے رہا ہے۔" امی نے خوشی سے کہا۔ بیٹی کے سینے پر کتنے ہی تمغے لگ جائیں۔ ماں کو خوشی اس کے ماتھے کا ٹیکہ دیکھ کر ہی ہوتی ہے۔ وانیا کو ولید یاد آیا۔ پھر اس کی سریلی آواز۔ وہ اس سے دوستی کرنا چاہتا تھا۔ اس نے شہر گھمانے کی آفر بھی کی تھی۔ مگر وانیا نے اسے ٹال دیا۔

"امی، وہ نہ پہلا انسان ہے نہ آخری شخص۔" وانیا کو اب جذبوں پر اعتبار نہیں رہا تھا۔

"میں نے وجیہہ کو کہہ دیا ہے کہ اگر فیملی کو ملوانا چاہتا ہے تو ہم بھی سوچتے ہیں سیدھی سادی شادی کی بات ہو گی۔" امی بھی پاس بیٹھ گئیں۔

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

"میرا شادی کا دل نہیں کرتا۔ لگتا ہے کوئی پر کاٹ رہا ہے۔" وانیا نے سچ کہا۔ بھانت بھانت کے لوگوں سے مل کر اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ کچھ عرصے پہلے ایک ایم این اے اس پر عاشق ہو گیا تھا۔ وہ وانیا کی فلائٹس میں آنے لگا۔ اسے کئی قسم کی پیشکش کرنے لگا۔ اپنے وسائل استعمال کر کے اس کا نام پتا سب معلوم کر لیا۔ وانیا نے حد بندی کی تو بھری فلائٹ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر چلانے لگا کہ تم خود کو سمجھتی کیا ہو؟ بڑی مشکل سے وانیا نے جان چھڑائی۔ فلائٹ کا وہ روٹ ہی لکھوانا چھوڑ دیا۔ سم کارڈ بھی بدلوا لیا۔ وہ سوچوں میں گم تھی تو امی پھر بولیں۔

"صحیح انسان ملے گا تو تمہیں اڑنے کو کھلی جگہ دے گا۔ جیسے تمہارے ابو نے مجھے دنیا دکھائی۔ ولید کو میں ابھی صرف پرکھ رہی ہوں۔ کیا اتنا سنجیدہ ہے کہ گھر والوں کو لے آئے گا۔ زبان سے تو سب کہتے ہیں۔ دیکھنے دو ولید کو زبان کا پاس ہے کہ نہیں۔" امی نے بہت مطمئن لہجے میں کہا۔ وانیا بھی شادی کے بہت خلاف نہیں تھی۔ ولید کا گانا ایک بار پھر اسے سنائی دینے لگا۔

☆☆☆

ان دنوں وقت اتنا ہوتا تھا کہ کاٹے نہ کٹے۔ امتحانوں کے بعد کی چھٹیاں تھیں۔ نیلم نے پہلے ابو کا سویٹر بنایا۔ پھر بہنوئی کا۔ تب گھر کے سویٹر ہی پہنے جاتے تھے۔ پھر خاموشی سے وہ ناول لے کر چوبارے پر جانے لگی۔ ان کا چوبارہ اسٹور کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ وہیں ایک ٹرنک کے اندر نیلم نے بنائی کی سوئیاں اور نیلی اون چھپا رکھی تھی۔ وہ خانہ خانہ ڈال کر جبران کے لیے سویٹر بنا رہی تھی۔ خالہ شکرن کی بیماری ان کے لیے امرت بن گئی۔ وہ ایک دوسرے پر کھلنے لگے۔ پرچھتی کا سامان واپس رکھتے ہوئے وہ دوست بن گئے تھے۔ اگلے روز ہی اس نے جبران سے پوچھ لیا تھا کہ یہ کیا ہے۔

"یہ وہ پہلی محبت ہے جس کے کرنے پر اختیار نہیں ہوتا۔" جبران کی نگاہوں میں کوئی بے حیائی نہیں تھی۔

"میں محبت کو اچھا نہیں سمجھتی۔" اس نے اپنی مجبوری بتائی۔

"جو چیز اتنی منہ زور ہو کہ سب دیواریں گرا کر اپنا راستہ بنا لے۔ اس کو قبول کر لینے میں ہی سمجھداری ہے۔" اب وہ کھل کر کہنے لگا تھا۔

"کیا خبر ہماری دیواریں ہی ناکارہ ہوں جو راستہ بن گیا۔" اس کی الجھن بھی سچی تھی۔

جبران خاموش ہو گیا اور خود کو کام میں مصروف کر لیا۔ نیلم کو لگا وہ ناراض ہو گیا ہے۔ خالہ شکرن کمرے میں تھیں۔ اور وہ دونوں صحن میں لحاف سمیٹ رہے تھے۔

"تمہیں مجھ سے ویسی محبت نہیں جیسی مجھے تم سے ہے۔ ورنہ یہ سب نہ کہتیں" وہ منہ موڑ کر کمرے میں چلا گیا۔ باقی سارا وقت اس نے نیلم سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ اب نیلم سویٹر کے ہر ریشے کو اپنے لمس سے سجا رہی تھی۔ اگلے چھ دن تک دوسرے لوگوں کی کھانا دینے کی ڈیوٹی تھی۔ ان چھ دنوں میں اسے یہ سویٹر مکمل کرنا تھا۔

☆☆☆

وہ بھی بہت عقل مندی سے اسی دن پہنچا تھا جو نیلم کے آنے کا دن تھا۔ آج خالہ شکرن نے اسے پنکھے صاف کرنے پر لگا دیا تھا۔ کفایت شعاری کے تحت خالہ نے پہلے پنکھے کے تینوں پر اتروائے۔ پھر الماری میں لپیٹ کر رکھ دیے اور پنکھے کے گھومنے والے حصے پر غلاف چڑھوا دیا۔ خالہ شکرن اس نسل سے تھیں جن کے لیے پنکھا بھی ایک لگژری تھا۔ جس کو سنبھال کر استعمال کیا جاتا تھا۔ جبران پورا سوچ کر آیا تھا کہ نیلم کو دیکھے گا بھی نہیں۔

اتنا کیا نخرا۔ مگر اس دن نیلم کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹ رہی تھیں۔ اس کی صورت پر ایک نئی ہی دمک تھی۔ اوپر سے وہ سہمی ہوئی بار بار ہونٹ کاٹنے لگتی۔ جبران کے جذبے اس کے اسی ڈرے روپ پر شیر ہو جاتے تھے۔ بہت مشکل سے وہ خود

سے کیا عہد نبھا کر جانے کو تھا۔ جب نیلم ایک طے شدہ چادر سینے سے لگائے صحن میں آئی۔ واپسی کے یہ دس منٹ ہمیشہ ان دونوں کے ہوتے تھے۔ مگر آج نیلم اسے بے بسی سے جاتا دیکھ رہی تھی۔ جبران بے صبرے نے بھی پلٹ کر جاتے جاتے دیکھ لیا۔ اس سے غلطی ہو گئی۔ ایک بار دیکھ لیا تو جا نہ سکا۔ نیلم ڈبڈبائی آنکھیں لیے اسے تک رہی تھی۔ وہ بھی رک کر دیکھنے لگا۔ وہ روایتی لڑکیوں کی طرح منگنی اور شادی چاہتی تھی وہ کیا بتاتا اسے تو دیکھنے سے آگے کچھ سوجھتا ہی نہیں۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" اس نے کہہ دیا۔

نیلم کی انگلیاں ایک دم اپنے کانوں پر گئیں۔ اس نے سونے کے بندے پہن رکھے تھے۔ دو لاکھی چتیوں کا پیالہ تھا۔ بیچ میں موٹا گول سفید موتی۔ تو یہ تھی اس کی دمک کی وجہ۔

"یہ میرے ہیں۔" اس نے شرما کر کہا۔ اب تک دوائی یا نانی کا زیور پہنتی آئی تھی۔ یہ بندے پہلا سونے کا زیور تھا جو اس کی پسند سے اس کے لیے لیا گیا تھا۔ وہ پھمارا نے بھی لگی تھی۔ "کاش میں بھی اتنا خوش قسمت ہو جاؤں کہ ایسی خوب صورت چیز میری ہو جائے۔" اس نے بندے دیکھتے ہوئے معنی انداز میں کہا۔

نیلم نے ہلکا سا مسکرا کر اپنی چادر کھولی۔ اندر اس کے ہاتھ سے نیلا سویٹر بنا تھا۔

"آپ کے لیے آپ پہنو گے تو یہ دنیا کا سب سے خوب صورت سویٹر ہو جائے گا۔" اس نے بہت محنت سے جملہ کہا تھا۔ جبران کو اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆

کچھ گھنٹے بعد، وہی نیلا سویٹر پہن کر سینہ اکڑاتا ہوا وہ کیسٹ کی دکان میں داخل ہوا تھا۔

"آج تو شہزادہ سلیم کے درشن ہو گئے۔" شکیل نے لہک کر اس کا خیر مقدم کیا۔

"شہزادہ ہی سمجھو۔ شہزادی صاحبہ نے اپنے ہاتھوں سے بن کر سویٹر دیا ہے۔" جبران کے کالر نہیں تھے اس نے کندھے اکڑائے۔

"یار، وہ تو بہت بھولی بھالی لڑکی ہے۔" کامران حیران ہوا۔

"میں بھی کوئی کم تھوڑی ہوں۔ یہ تمہارے فلمی ہیرو میں سے ایک بھی میرے جیسا نہیں۔" جبران نے بالوں کو کھڑا کرتے ہوئے شیشہ دیکھا۔

اس کی جیب میں خالہ شکرن کی دی چاندی کی سرمہ دانی بھی تھی دونوں طرف سے انعام کی بارش تھی مگر وہ خالہ شکرن کے تحفے دکھا کر اپنا مذاق نہیں بنوانا چاہتا تھا۔

"کب الو بنا رہا ہے ہمیں۔ باپ پانچ وقت کا نمازی ہے۔ وہ لڑکی اس کے جھانسے میں نہیں آنے والی۔" انیس کو جلن ہو رہی تھی۔

"مجھے بھی یہی لگتا تھا وہ نہیں مانے گی۔ پہلے پتا ہوتا تو تم سے شرط لگا لیتا۔ لگے ہاتھوں کمائی ہو جاتی۔" جبران فلمی ہیرو والے پوز بنا کر شیشہ دیکھ رہا تھا۔

"تم سارے فضول باتیں سوچتے رہو۔ میں تو جلد لاہور جا رہا ہوں۔ شادیوں کی فلمیں بنانے کا کام بہت چل پڑا ہے۔ ایک فنکشن اور ہزاروں کی گیم۔" کامران نے بتایا۔

جبران کے بالوں میں چلتے ہاتھ رک گئے۔ اس کے بھائی نے گیارہ جماعتیں پڑھ کر الیکٹریشن کا کورس کر لیا تھا۔ جبران ایم اے کر رہا تھا۔ مگر اس لیے نہیں کہ اسے پڑھائی کا شوق تھا۔ بلکہ اس لیے کہ وہ ایسے چھوٹے موٹے ٹیکنکوں والے کام کر کے اپنا رنگ روپ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"اپنا کام شروع کر دیا ہے مجھے بھی ملا لے۔" جبران سب بھول بھال کر کامران کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ابھی ابا کے ایک جاننے والے ہیں ان کے ساتھ کروں گا۔ کمرہ کرائے پر لیا ہے۔ آنے جانے کا خرچہ، پھر پہلے مہینے کا سب کھانا پینا اپنی جیب سے ہے۔ محنت کروں گا تو اپنا کام بھی شروع کر لوں گا۔

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

پہلے محنت آتی ہے پھر کمائی۔" کامران نے اپنے نکمے دوستوں کو مزید آئینہ دکھایا۔

"اصل دنیا میں شکل صورت یا باتوں سے گزارا نہیں ہوتا۔ کام کرنا پڑتا ہے۔" کامران کہہ رہا تھا۔ جبران کا موڈ صبح سے بہترین تھا اب خاک ہو گیا تھا۔

☆☆☆

وہ اسٹاف ایریا میں موجود ایک کمرے کے باہر کھڑی تھی۔ کمرے کے باہر تک کلیم کی چیخوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وانیا نے ہارون کے کہنے پر اپنی ڈی سی سی کو اس کی شکایت لگائی تھی۔ ڈی سی سی وہ کیبن کریو ہوتا ہے۔ جو باقی عملے کے لائسنس کے ٹیسٹ لیتا ہے۔ وہ کبھی بھی کسی بھی فلائٹ میں سرپرائز وزٹ کر کے عملے کو جانچ سکتا ہے اور ڈسپلن کا ایکشن لے سکتا ہے۔ ڈی سی سی کلیم کو باقاعدہ چھتروں سے مار رہا تھا۔ باہر موجود ہر شخص کمرے کے سامنے خوف زدہ کھڑا تھا۔ وہ جانتی تھی اتنا انتہائی ردعمل ہارون کے کہنے کے باعث ہو رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آیا کوئی اس کے لیے اتنا بڑا قدم بھی اٹھا سکتا ہے۔ اتنے میں کمرے کا دروازہ کھلا، سوجی لال آنکھوں کے ساتھ روتا ہوا کلیم باہر آیا۔ مجمع چھٹ گیا وہ اکیلی رہ گئی۔

"آئی ایم سوری۔" کلیم رندھی ہوئی آواز میں بولا اور آنکھیں پونچھتا ہوا چلا گیا۔ وانیا نے ڈی سی سی کو شکریہ کہا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ کمرے میں ہارون بھی موجود تھا۔

☆☆☆

"تم نے میری کمپلین کی ہے؟" حواس باختہ اقرا تن فن کرتی اس کے پاس آئی۔

"اس فلائٹ میں صرف میں اکیلی نہیں تھی۔" وانیا نے کندھے اچکائے۔

"دوسروں کو کیسے معلوم کہ میں نے تین دن کے لیے تم سے کمرہ لیا تھا؟" وہ غصے میں تھی۔

"تم نے مجھ سے کمرہ لیا نہیں تھا۔ بلکہ اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ میں تمہیں بتا کر ایک دن کے لیے اپنی کزن کے پاس گئی تھی۔ واپس آنے پر معلوم ہوا کہ تم نے ہمارے روم میں کسی کو بلا رکھا ہے۔ تمہارا فون بھی بند تھا۔ میں تین دن اپنے کزن کے کپڑے اور سامان استعمال کرتی رہی ہوں۔ دو دن مزید اس کے پاس رہنا پڑا۔ میرے لیے کتنا آکورڈ تھا۔" وانیا کو توقع تھی کہ اقرا معافی مانگے گی۔

"لے اوورز کی بات اور ہے۔ زمین بدلے اصول بدلے۔ مگر اب گراؤنڈ اسٹاف کو بھی معلوم ہو جائے گا۔ میں بدنام ہو جاؤں گی۔" وہ بہت ڈری ہوئی تھی۔

"تم کہتی تھیں کہ اب کچھ کر لو۔ کسی کو کیا معلوم ہو گا۔ تمہارے اس پلان میں ایک مسئلہ تھا کہ کسی کو معلوم ہو گیا تو؟" وانیا نے جتایا اور اپنا بیگ اٹھا کر منیجر کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ اقرا اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

"مجھے اپنا سٹ چینج کروانا ہے۔ اب مجھے کسی اور کے ساتھ فلائی کروا لیں۔ مگر اس گروپ کے ساتھ نہیں۔" اس نے منیجر سے کہا۔

فیک ہنگامی لینڈنگ کا قصہ سب کو معلوم تھا۔ مگر وانیا نے پھر بھی دہرایا۔ اس پر ایکشن اس لیے نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔ کوئی ثبوت بھی نہیں تھا۔ وانیا کرتی تو کمپلین کرتی۔ اور کمپلین کا نتیجہ وہ پہلے ہی دیکھ چکی تھی۔ اس لیے اس بار ٹیم ہی بدلنے کی بات کی۔

"ٹھیک ہے میں سٹ بدل دیتی ہوں۔ اب تو بات سیکیورٹی پر آ رہی ہے۔ میں بھی رسک نہیں لینا چاہتی۔" منیجر اس بار معاملے کی نزاکت سمجھ رہی تھی۔ سٹ بدلنا آسان کام نہیں ہوتا۔ مگر اس کو ممکن بنایا گیا۔

وانیا کی ڈیوٹی بدل دی گئی۔ دل اور دماغ یک دم آزادی محسوس کرنے لگا۔ وہ دوبارہ سے اپنے ساتھیوں پر اعتبار کر سکتی تھی۔ وہ دوبارہ سے کھل کر مسکرا سکتی تھی اور دوسرا اس کی مسکراہٹ کا غلط مطلب نہ

نکالتا۔ اس نے سیکھا تھا کہ انسان اپنا ماحول خود بناتا ہے۔ آگے اس کو بہت اچھے لوگ ملے۔ کچھ میل کریو ایسے بھی تھے، جو کسی بھائی یا باپ کی طرح ان کا خیال رکھتے تھے۔ کہ کہاں جا رہے ہو؟ کب واپس آؤ گی۔ اگر وہ لیٹ ہو جائیں تو فون کر کے ان کی خیریت پوچھتے تھے۔ اس نے اپنے لیے اپنا محفوظ ماحول بنا لیا تھا۔

☆☆☆

وہ اسٹاف لاؤنج میں بیٹھی گنگنا رہی تھی جب کیپٹن ہارون وہاں سے گزرا۔ سفید شرٹ، سیاہ پینٹ اور پائلٹ کی سیاہ کیپ۔ وہ تیس سال کے لگ بھگ تھا۔ کلین شیو لمبا قد اور شرافت۔

"کیا بات ہے بہت خوش ہیں؟" ہارون نے اسے گنگناتے دیکھا تو پوچھا۔

"میں نے اپنے پیشے کا حق ادا کیا ہے۔ سرخرو ہو گئی ہوں۔ میری نئی ٹیم میرے جیسی ہے۔" وہ سچ میں خوش تھی۔

"سوسائٹی پہلے ہی ہم پر بندوق تانے کھڑی ہوتی ہے کہ گھر سے نکل رہی ہے۔ اکیلے سفر کرتی ہے۔ ہر قسم کے لوگوں سے ملتی ہے تو آوارہ ہے۔ کوئی آ کر، دیکھے کیسے چاروں طرف بکھرے کانٹوں سے بچ کر سر بلند کر کے نکلتے ہیں۔" وانیا نے ہنس کر پانی پیا۔

"وہ ایک لڑکی جو آزادی کا غلط فائدہ اٹھاتی ہے۔ وہ دوسروں کے لیے بھی بدنامی لاتی ہے۔ میں بھی یہی مانتا ہوں۔ کوئی کام چھوٹا بڑا نہیں ہوتا ہم اسے چھوٹا بڑا بناتے ہیں۔" ہارون نے بھی تاسف سے کہا۔

"یہی کیبن کریو کا کام ایک لڑکا کر رہا ہو تو کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ لڑکی کرے تو حقیر مان لیا جاتا ہے۔ شکر اب کافی پڑھے لکھے لوگ ہیں جو عزت دینا بھی جانتے ہیں۔" وہ مطمئن تھی اور سمجھ گئی تھی کہ دوسروں کا رویہ ان کے کردار کی عکاسی کرتا ہے، آپ کے کردار کی نہیں۔

"آپ جیسے لوگ ڈٹ جائیں تو پھر راستے نکل ہی آتے ہیں۔" ہارون قریب کھڑا تھا۔

وانیا کو احساس ہوا اس نے بیٹھنے کو بھی نہیں کہا۔

"آپ کا بھی تھینک یو۔" وہ ایک دم سے بے حد مشکور محسوس کر رہی تھی۔ کلیم کو جیسے اس نے ہینڈل کیا تھا وہ کوئی بہت اپنا ہی کر سکتا تھا۔

"صرف خالی تھینک یو؟ انسان کم از کم، آفس کی نیند اڑا کر رکھ دینے والی کافی ہی پلا دیتا ہے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

مگر یہ مذاق نہیں تھا۔ وہ چاہتا تھا وانیا آگے سے کہے کہ دفتر کی دوائی جیسی کافی کی جگہ، وہ اسے اچھی کافی شاپ کی کافی پلائے گی۔ مگر وانیا کی دھیمی مسکراہٹ بالکل ہی غائب ہو گئی۔

"میں جن لوگوں کے ساتھ کام کرتی ہوں ان کے ساتھ دوستی نہیں کرتی۔" اس نے سادگی سے اپنا اصول دہرایا۔

ہارون کی بھی ہنسی چھن گئی۔ وہ اسے علی جیسا سمجھ رہی تھی؟

"آپ مجھے جانتی ہیں۔ میں ویسا نہیں ہوں۔ میں بھی آپ کی طرح کوئی اپنے جیسا ڈھونڈ رہا ہوں۔ کیا آپ موقع بھی نہیں دیں گی؟" ہارون نے بھی سچ بولا۔

"میں جانتی ہوں آپ بدنیت نہیں ہیں۔ مگر میں ہر دیکھنے والے کو یہ بات پکڑ کر نہیں بتا سکتی۔ آپ کو موقع دیا تو دوسرے سمجھیں گے کہ ان کو بھی موقع مل گیا۔" اس نے مزید کھول کر بتایا۔ وہ اس کا دل توڑ رہی تھی پھر اپنا دل کیوں دکھ رہا تھا؟

ہارون کا دل باقاعدہ درد کرنے لگا۔

"ہم مردوں کے ساتھ بھی یہی مسئلہ ہے۔ بدنیت کوئی ایک ہے، بھگتنا سب کو پڑتا ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ پھر شرافت سے سر جھکا کر ادا اسی سے چلا گیا۔

وانیا کتنی ہی دیر اس کے لفظوں کے حصار میں رہی تھی۔ ہارون اچھا تھا۔ وہ زیادہ بات نہیں کرتا تھا

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

کیونکہ وہ محتاط رہتی تھی۔ اس میں ایک ہی خامی تھی اور بہت بڑی خامی تھی کہ وہ اس کا کولیگ تھا۔

جب دانیا اس سوچ سے نکلی تو اسے ولید یاد آیا۔ اس کی فیملی مل کر گئی تھی۔ اچھے لوگ تھے۔ ولید کی والدہ نے کہا تھا۔ بچیاں نوکری کریں تو سمجھ دار ہو جاتی ہیں۔ پھر دانیا کی نوکری ہی تمیز اور تہذیب والی تھی۔ لوگ بہو میں یہی تو خوبیاں دیکھتے ہیں۔ جو کیبن کریو میں ہوتی ہیں۔ دانیا کو ان کا انداز اچھا لگا تھا اور اس کی امی تو اٹھتے بیٹھتے اب ولید کی بات کرتی تھیں۔ دفتر میں وہ ڈھونڈنا نہیں چاہتی تھی۔ خاندان میں جوڑ تھا نہیں تو ولید پر انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ جتنی پریکٹیکل وہ تھی اس میں ارینج میرج ہی واحد راستہ تھا۔ اس دن گھر جا کر اس نے ولید کے رشتے کو ہاں کر دی تھی۔

☆☆☆

وہ سنار سے سر کھپا رہا تھا۔

"میں کہہ رہا ہوں اصلی چاندی ہے۔ دوبارہ دیکھیں۔" سرمہ دانی اچھی وزنی تھی۔ جس کی سلائی مور کے پنکھ کی صورت تھی اور اچھے نقش و نگار سے بنی ہوئی تھی۔

"میرا روز کا کام ہے۔ تین سال کی عمر سے یہی کر رہا ہوں۔ صرف چاندی کی پالش ہوئی ہے۔ جتنی کے دام بیچتی ہے تو کونے میں کباڑی بیٹھا ہے۔" سنار آوازار ہو چکا تھا۔

"رہنے دیں میں کسی اور کو دکھا لوں گا۔" وہ رعب سے اٹھا۔

سچ یہ تھا کہ یہ تیسرا سنار تھا جس نے وہی بات کی تھی۔ سرمہ دانی جیب میں ڈال کر وہ باہر نکلا۔ یعنی خالہ شکرن کے گھر کی صفائیاں کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ یہ سرمہ دانی بھی ان کے میاں کی ہاکی کی طرح بے مول تھی۔ اس نے ہاتھ ملے پھر نیلم کی صورت یاد آئی۔ فائدہ تو ہوا تھا وہ اور نیلم دوست بن گئے تھے۔ ایک دوسرے کو چھیڑتے تھے باتیں کرتے تھے۔ قطرہ قطرہ اس کے دل کو یوں پگھلایا تھا کہ اس نے اظہار محبت بھی کر دیا تھا۔ جبران پھر ان بیٹھے خیالوں میں کھونے لگا جب انیس بھاگتا ہوا آیا۔

"جبران یار......" وہ ہانپ رہا تھا۔

اس کا چہرہ سفید لٹھے جیسا ہو چکا تھا۔

"بول۔" جبران رک گیا۔

"کرم دین صاحب کا انتقال ہو گیا۔ نیلم کے والد نہیں رہے۔" اس نے انہونی خبر کا بتایا۔

☆☆☆

پہلے سنا تھا اب دیکھ لیا کہ کیسے منٹوں میں انسان ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی امی عدت میں تھیں۔ بڑی بہن امید سے تھی۔ نیلم ہی مردانے میں جا رہی تھی۔ مردوں میں جبران کام میں پیش پیش تھا۔

"دریاں بچھائی ہیں عورتوں کو کہو اندر چلی جائیں۔" اس نے نیلم کو بھری محفل میں بلوا کر پیغام دیا۔

"اچھا۔" نیلم پلٹنے لگی۔

"کچھ کھایا؟" جبران نے اس کی اتری صورت دیکھ کر پوچھا۔ نیلم نفی میں سر ہلا کر چلی گئی۔ اگلی بار جبران مسجد سے، گٹھلیوں کی بوری لایا تو اسے ایک لفافے میں جوس اور بسکٹ بھی پکڑا گیا۔ مشکل وقت میں وہ اور پاس آ رہے تھے۔

☆☆☆

قل کے اگلے دن وہ گھر آیا تو معلوم ہوا کامران کا لاہور سے دو بار فون آ چکا تھا۔ اس نے دن کے وقت ہی کال بیک کی۔ جو کہ بہت بڑی بات تھی۔ ان دنوں رات گیارہ بجے کے بعد دوسرے شہر کی کالوں کا آدھا ریٹ ہوتا تھا۔ قریبی رشتہ داروں سے بات کرنے کے لیے بھی لوگ، گیارہ بجنے کا انتظار کرتے تھے۔

"کدھر تھا تو۔ میں کتنے دن سے فون کر رہا ہوں۔ تمہارے کام کی بات کی ہے۔" کامران نے چھوٹتے ہی کہا۔

جواب میں جبران نے اپنی مصروفیت کی روداد سنائی۔

"بڑا افسوس ہوا۔ اچھا سن میرے باس کو ایک لڑکا چاہیے۔ شادیوں میں تصویریں لینی ہیں۔ مجھے فوراً تمہارا خیال آیا۔" کامران نے کہا۔

"بات پکی ہے تو آ جاتا ہوں۔ تین ہفتے سے ویسے بھی کالج نہیں گیا۔" اس کو لگا کسی نے اس کے اندر دوبارہ جان پھونک دی۔

"پچھلے لڑکے کو سارا کام سکھایا۔ اس نے ٹریننگ لیتے ہی دوسرا کام پکڑ لیا۔ عرفان سر کہہ رہے تھے اسے کہو اپنا کیمرہ خریدے پھر کام سیکھے۔ رہنے کی تو فکر نہ کر۔ میرے ساتھ رہ لینا۔ بس ٹکٹ کیمرہ اور کھانے پینے جتنی رقم لے آؤ۔ سنہری موقع ہے۔ بہت گاہک ہیں۔ عرفان سر نے پانچ سالوں کے اندر برینڈ نیو گاڑی لے لی ہے۔" کامران نے مزید لالچ دیا۔

بڑے شہر کی چمک جبران کو ابھی سے دکھ رہی تھی۔ جبران تو پہلے ہی موقع چاہتا تھا۔ اس کے ذہن سے نیلم کا غم، کرم دین کی ناگہانی موت، پہلی محبت کا سرور سب نکل گیا تھا۔ اب وہ بس حساب کتاب کر رہا تھا کہ کسی طرح مقررہ رقم ہاتھ لگ جائے۔

☆☆☆

نیلم کے سب رشتہ داروں کو جبران کی شکل رٹ گئی تھی۔ موٹی توند والے ماموں کرسی پر بیٹھ کر اسے ہی آرڈر دیتے۔ چاچا جی جو پیسے تھماتے تھے، اس میں سے چونی بھی ادھر ادھر ہو جاتی تو شور مچا دیتے۔ اب وہ اپنے کام میں مصروف تھا۔ ادھار مانگتا پھر رہا تھا۔ مگر فوتگی والے گھر کے جھمیلے اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ نیلم کے ماموں نے اس کو ہی لسٹ پکڑائی کہ کیٹرنگ والے کا سامان پورا کر آئے۔ وہ لسٹ لے کر اندر گیا۔ نیلم کچن میں تھی۔

"آج بڑی خاموشی ہے۔" اس نے نیلم کو اکیلے دیکھ کر کہا۔

پچھلے دنوں وہ مجمع میں بھی کھل کر مل رہے تھے، ماحول ہی ایسا تھا اور ملنے کی نوعیت ہمیشہ کام کی ہوتی تھی۔ نیلم کا آنسوؤں سے دھلا چہرہ بہت دمک رہا تھا۔ جبران اسے دیکھے گیا۔ یہ محبت وہ پہاڑ تھی جو آنکھ اوجھل ہونے پر اوجھل ہونے لگی تھی۔ ابھی وہ سامنے تھی جبران دل کاٹ کر دے سکتا تھا۔ لیکن وہ دور جاتی تو بھولنے لگتی تھی۔

"سب خیریت ہے؟" جبران کو نیلم کا انداز غیر معمولی لگا۔

"چاچو نے ابا کے دفتر عرضی دی ہے کہ امی کی عدت تک ہمیں اس گھر میں رہنے دیں۔ اس کے بعد ہم شاید ماموں کے گھر چلے جائیں۔" نیلم نے بے چینی سے کہا۔

"دیکھو ابھی اتنی مشکل باتیں مت سوچو۔" جبران گھبرا گیا۔

"میں نہیں سوچ رہی باقی سوچ رہے ہیں۔ پھپھو نے میرا رشتہ مانگ لیا ہے۔ وہ دو ہفتے بعد سادگی سے نکاح مانگ رہی ہیں۔ رخصتی بعد میں۔" نیلم کی آنکھوں سے دو اور ہیرے ٹوٹ کر بہہ گئے۔ جبران کے دل پر بھی گھونسا پڑا۔

"تمہارے باپ کا کفن میلا نہیں ہوا۔ وہ شادی کی بات کیسے سوچ سکتے ہیں؟" جبران تڑپا۔

"فوتگیوں پر موت کو کوئی یاد نہیں کرتا۔ سب کو زندگی اور زیادہ عزیز ہو جاتی ہے۔ سب حساب لگاتے ہیں کہ جانے والا کیا چھوڑ کر گیا اور میرے ابا نے ذمہ داریاں چھوڑی ہیں۔ پھپھو وہی ادا کرنے میں مدد کر رہی ہیں۔" نیلم تو ان میں سے تھی جو محبت کے لیے جان دے دیں اور یہ محبت جان لینے پر تلی تھی۔

"میرے ابا کلرک ہیں۔ تمہارے پاپا افسر تھے۔ تمہاری امی نہیں مانیں گی۔" اس نے خود سے ہی عذر بتایا۔

"وہ میری خاطر مان جائیں گی۔ پھپھو ان کو بھی پسند نہیں۔ وہ اس شہر سے جانا نہیں چاہتیں۔ آپ کی صورت میں بیٹا مل جائے گا۔ چھوٹی کے میٹرک تک آرام سے کہیں کرائے پر رہ لیں گے۔ آپ بس اپنی امی کو لے آئیں۔ میری امی کے سارے اعتراض

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

حالات کے آگے گھٹنے ٹیک چکے ہیں۔" نیلم نے منت کی۔

"کامران نے لاہور میں ایک نوکری ڈھونڈی ہے۔ میرے پاس پیسے نہیں ورنہ کل ہی جاکر نوکری لے آتا۔ تمہاری امی تنگی ہی رضامند ہیں ایک بے روزگار کو بیٹی نہیں دیں گی۔" جبران نے سر جھکا کر جوتے کو زمین سے رگڑا۔

نیلم بھی سچ کے اس جملے کے آگے پتھر کی ہوگئی۔ پھر اس نے لمبی سانس لی اور اپنے کانوں کے بندے اتارے۔

"یہ بیچ دیں۔ شہر جائیں نوکری کریں۔ جمعہ کی چھٹی پر واپس آکر امی سے ہاتھ مانگ لیں۔ میں اگلے جمعہ سے پہلے کچھ نہیں ہونے دوں گی۔ میرا وعدہ۔" نیلم نے محبت بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔

جبران کرنٹ کھا گیا۔

"نہیں میں تمہارے بندے نہیں لے سکتا۔" جبران نے کہا۔

نیلم نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ہتھیلی پر وہ دو چیزیں میں سمائے سوتی رکھ دیے۔

"اب تیرا میرا کرنا چھوڑ دیں۔ اب سب ہمارا ہے۔" وہ اس اداسی میں بھی مسکرادی۔

"یہ میری طرف سے رکھ لو۔ چاندی کی ہے۔" جبران نے جیب سے سرمہ دانی نکال کر اس کو تھمائی۔

☆☆☆

فلائٹ مانچسٹر لینڈ کرنے والی تھی۔ وانیا اور جبران دونوں ہی حال میں آگئے۔ جبران نے اپنا مختصر سا سامان سمیٹا اور بیل بجائی۔ وانیا بے شمار فلائٹس کے بعد، ایک بار پھر وقاص کے ساتھ ٹریول کررہی تھی۔ اس لیے پچھلی تمام باتیں یاد آگئی تھیں۔ اب کی بار وہ بغیر مسکرائے۔ جبران کے پاس آئی۔

"واٹر۔" جبران نے مختصراً کہا۔ وانیا نے حکم کی تعمیل کردی۔ پھر لینڈنگ کی اناؤنسمنٹ ہوگئی۔ وانیا اپنی جنگ سیٹ پر جا بیٹھی۔ جبران کے پاس کوئی مصروفیت نہیں بچی تھی۔ وہ کیسے خود کو یاد کرنے سے روکتا کہ وہ اگلے جمعے، اس سے اگلے جمعے۔ بلکہ اگلے جمعے بھی واپس نہیں آیا تھا۔ بلکہ نیلم کی امی کی عدت ختم ہونے کے بعد بھی، دو ماہ تک گھر نہیں گیا۔ کہیں اس سے سامنا نہ ہوجائے۔ وہ تو کامران گھر ہوکر آیا تو اس نے بتایا نیلم جاچکی ہے۔ پھر جبران نے آنا جانا شروع کیا۔ اس کے بعد جبران نے کئی لوگوں کو بے وقوف بنایا۔ کئی دھوکے دیے۔ مگر اس پہلے دھوکے کی تکلیف سب سے بڑھ کر تھی۔ آج دنوں بعد محسوس ہوئی تو احساس ہوا تھا کہ یہ تکلیف وقت گزرنے کے ساتھ بھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اندر کسی پنہاں خانے میں بڑھتی رہی تھی۔

☆☆☆

فلائٹ میں ہی، اس کے دائیں کان میں شدید درد ہونے لگا تھا۔ پھر لینڈنگ کے وقت تو اتنا غضب ناک درد تھا کہ اسے چیخیں روکنی پڑیں۔ یہ اس کا مانچسٹر آنے کا پہلا تجربہ تھا اور وہ اس سفر کے لیے بہت پرجوش تھی۔ مگر پہلے ہی ساری خوشی ملیا میٹ ہوگئی۔ فلائٹ سے فارغ ہوکر۔ ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے اس کا دل کررہا تھا کہ بھاں بھاں کر کے روئے۔ پہلے ولید کا تلخ رویہ کیا کم تکلیف دہ تھا کہ اب یہ کان کا درد بھی آگیا۔ مگر وہ انسانی ہجوم میں کیسے روتی اس نے ضبط کرلیا۔ ہوٹل کی لابی میں ہی ٹی وی پر نیوز چل رہی تھی۔

"چائلڈ ٹریفکنگ کی ایک بڑی واردات کو فضائی عملے کی بروقت عقل مندی نے ناکام بنادیا ایک بچی بازیاب۔"

"گراؤنڈ اسٹاف، ڈیوٹی آفیسر، سکیورٹی گارڈ سب کی فوٹیج چل رہی تھی۔ بس نہیں تھی تو وانیا ہی کہیں نہیں تھی۔ ولید منگنی کے بعد ایک سو اسی کے زاویے پر پلٹ گیا۔ پہلے اسے آسمان کی پری کہتا تھا۔ اب پھرنے کی شوقین کہنے لگا۔ پہلے اس میں ایک مضبوط خود مختار لڑکی نظر آتی تھی۔ اب اس پر ہی نظر رکھتا تھا کہ کن

ہوٹلوں میں رہتی تھی اور ساتھ کون ہے۔ اعتبار نہیں تھا تو محبت کیسے ہوئی۔ وانیا کو لگا تھا یہ ہیومن ٹریفکنگ والا کیس، ولید کی نظر میں اس کا پیشہ معتبر کردے گا۔ مگر وہاں بھی وہ دودھ سے مکھی کی طرح نکال دی گئی تھی۔

"اس داستان میں تو میرا ذکر ہی نہیں۔" وانیا نے نیوز بلیٹن دیکھتے ہوئے، اپنی ساتھی فلائٹ اٹینڈنٹ سارا سے کہا۔

ایک بار پھر دل چاہا کہ رو دے۔ ایک بار پھر اس نے ضبط کیا۔

"ارے ایسے کیسے، میں ابھی اپنی اسٹوری لگاتی ہوں۔ سب کو معلوم ہونا چاہیے تم نے اتنا کارنامہ کیا ہے۔" سارا نے اس ہی وقت موبائل نکال لیا۔

"جو چھین کرلیا تو کیا ملا۔" وانیا ایلیویٹر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ سارا اس کے ساتھ آئی تھی اور مسلسل اپنے موبائل میں مصروف تھی۔ ہر رشتہ ایک مضبوط دیوار کی طرح ہوتا ہے۔ ہر دیوار کی سفیدی وقت گزرنے کے ساتھ مٹالی ہوجاتی ہے۔ کہیں انگلیوں کی نشان، کہیں گرد کے دھبے۔ پھر نئے سرے سے جذبے جگا کر دیوار پر نئی سفیدی کرنی پڑتی ہے۔ وقت کا چکر پھر چلنے لگتا ہے۔ ولید اور اس کے رشتے میں وقت کی گرد نہیں تھی۔ بے اعتباری کی نمی تھی۔ اس کی دیوار کی سفیدی، فنگس زدہ ہوکر پھول گئی تھی۔ کہیں سفیدی نئی نکور اجلی تھی۔ جہاں سے جھڑ رہی تھی وہاں بدنما پھوڑے جیسی سطح ہوگئی تھی۔ ولید بھی گہری محبت والا منگیتر بن جاتا۔ کبھی بے اعتبار رکھوالا۔ وانیا کا مسئلہ یہی تھا کہ اس سے پل پل کایا نہیں پلٹی جاتی تھی۔

"یہ کریڈٹ تو میں تمہیں دلوا کر ہی رہوں گی۔" سارہ نے کھٹ سے موبائل بند کیا اور کہا۔ دونوں ایلیویٹر میں سوار ہوگئیں۔

"فی الحال تو کوئی دوائی دلوادو، تین دن بعد واپسی کی فلائٹ ہے اور میرا کان پھٹ رہا ہے۔" وانیا نے دونوں ہاتھوں سے کان دبایا۔ درد اتنا زیادہ تھا کہ ایلیویٹر میں بھی ہو رہا تھا۔

"آئی ایم آن اٹ۔" سارا نے کہا۔

اس نے پاکستان رابطہ کرکے ایک ڈاکٹر سے دوائی پوچھی۔ وانیا کے کانوں میں ڈراپس ڈالے۔ خود وہ کئی بار مانچسٹر آچکی تھی۔ فوراً چینج کیا اور کافی پینے نیچے چلی گئی۔ کمرے میں وانیا اکیلی رہ گئی تھی۔ کان میں اب بھی درد تھا۔ دل بھی دکھا ہوا تھا۔ وہ چاہے چیختی چلاتی کوئی نہ سنتا۔ مگر اب آنسو کہاں سے لاتی۔ بروقت نہ بہاؤ تو وہ نمکین پانی اندر ہی کہیں، جم جاتا ہے۔

☆☆☆

"یہ دیکھو، کنال پر منت کے تالے لگا رکھے ہیں۔" سارہ نے اپنی بائیں جانب اشارہ کیا۔

"کالے؟ ہاں میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ ہم انگریزوں کو صرف گورا سمجھتے ہیں، مگر انگریز کالے بھی ہوتے ہیں۔" وانیا نے بے تکا جواب دیا۔

اس کے پاس دو ہی دن بچے تھے۔ اس لیے کان میں ڈراپس ڈال کر روئی ٹھونسی اور تفریح پر نکل آئی۔ وہ بچوں کی طرح سڑک کی بناوٹ تک سے خوش ہورہی تھی۔ جیسے وکٹورین دور کی اپنی پسندیدہ کتاب میں گھس آئی ہو۔ مگر سارہ کو لگ رہا تھا وہ اپنی اونچا سننے والی، پڑدادی کو لے کر نکل آئی ہے۔ اس نے وانیا کا بازو پکڑ کر اس کی توجہ جنگلے پر کروائی۔ جہاں ہر قسم کے اور ہر رنگ کے تالے تھے۔

"ہمارے دیس میں لوگ دھاگا باندھتے ہیں۔ یہاں تالے۔ انسانی فطرت ایک سی ہوتی ہے۔" وانیا نے چند تالوں کو چھو کر محسوس کیا۔

سارہ نے جواب دیا جو وانیا سن ہی نہیں سکی۔

"ویسے موسم کا اثر ہوتا ہے۔ ٹھنڈے ملکوں میں لوگ بھی کول اینڈ کام رہتے ہیں۔ دیکھو اجنبیوں کو بھی مسکرا کر دیکھتے ہیں۔" وانیا نے خوش ہوکر کہا۔ مگر سارہ کو اب غصہ آنے لگا۔ اس نے تین بار کی کہی بات دہرائی۔

"مجھے اپنے ریلیٹو سے ملنے جانا ہے۔" سارہ نے موبائل میں وقت دکھایا۔

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

"کریٹیو؟ کون کریٹیو؟" وانیا نے روئی سے بھرا کان اس کے آگے کیا تو، سارہ نے جھنجھلا کر اس کے کان سے روئی نکال لی۔

"میں نے اپنی آنٹی سے ملنے جانا تھا۔ مگر اب لگ رہا ہے تمہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ تمہیں میری زبان سمجھ نہیں آ رہی تو مانچسٹر والوں کا سنگوئین ایکسنٹ کیسے سمجھو گی؟" سارہ نے فکرمندی سے کہا۔

"یہاں پہلا ٹرپ ہے۔ مگر میں نے دنیا دیکھی ہے۔ تم جاؤ۔" وانیا نے سارہ کو کندھوں سے پکڑ کر واپسی کے راستے پر دھکیلا۔

"تم ساتھ چلو۔" سارہ نے کسی بڑی بہن کی طرح وانیا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

وانیا نے بہت مشکل سے اسے سمجھا بجھا کر بھیجا تھا۔ خود وہ اکیلے ٹہلنے لگی تھی۔ ماحول بدلنے سے حالات بھی بدلے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ اس نے بنا گنبد کی لال اینٹوں والی مسجد دیکھی تو چلتے ہوئے دم بخود ہو کر رک گئی۔ وہ ایک ماڈرن بلڈنگ تھی۔ مگر مسجد تھی۔ اپنے مذہب کے یونیورسل ہونے پر اس وقت اسے مان ہوا۔ وہ کتنی ہی دیر اللہ کے گھر کو دیکھتی رہی۔ پھر جیسے ہی چلنے لگی تو بارش شروع ہو گئی۔ ارد گرد کچھ انگریز بڑبڑاتے ہوئے راستہ بدل گئے۔ انہیں بارش ناگوار لگتی تھی۔ مگر وہ تو بارش کو ترسی ہوئی تھی۔

اس نے خوشی سے دونوں ہاتھ سامنے کی طرف اٹھا کر بوندیں محسوس کیں۔ ٹھنڈ لگ گئی تو وہ دوائی لے لے گی مگر ابھی، یہ موقع ضائع کرنا اس کے نزدیک کفرانِ نعمت تھا۔ لمحوں میں ہی وہ معروف سڑک لوگوں سے خالی ہو گئی۔ سب چھتریاں نکال کر فٹ پاتھ پر بارش سے بچتے ہوئے چلنے لگے۔ رش چھٹا تو اس نے دیکھا سڑک پر وہ تھی اور اس کے کچھ دور ہارون تھا۔ جو چہرہ اٹھا کر اس کی طرح بوندوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وانیا کو وہی خوشی محسوس ہوئی جو دیارِ غیر میں کسی اپنے کے ملنے سے ہوتی ہے۔ ہارون ہمیشہ کلین شیو رہتا تھا، مگر اس دن ہلکی داڑھی آ گئی تھی۔ اس نے پھولی جیکٹ اور جینز پہن رکھی تھی۔ یونیفارم کے بغیر وہ اور بھی کم عمر لگ رہا تھا۔ وانیا اسے دیکھ رہی تھی۔ جب اس نے کبھی تنہا کھڑی وانیا کو دیکھ لیا۔

"مر گئے۔" وانیا نے سوچا۔

حسبِ توقع ہارون اسے کچھ اشارہ کرنے لگا۔ وانیا کو اپنے اصول بہت پیارے تھے۔ وہ سوچنے لگی کہ اگر یہ کافی کی آفر کرے گا تو کیسے نکلے گی۔ ہارون اب زیادہ زور سے اشارے کر رہا تھا۔ ساتھ ہی تیزی سے اس کی طرف آنے لگا۔

"برا پھنسی، اچھا ڈیسنٹ انسان ہے۔ آج اتنا ولا کیوں ہو گیا۔" وانیا سوچتے ہوئے دو قدم پیچھے ہوئی۔

ہارون ابھی دور ہی تھا، جب پیچھے ایک آدمی نے وانیا کو سائیڈ سے دھکا دے دیا۔ اس کے پیچھے سامان لے جانے والی بڑی ٹرالی تھی جو بارش کے باعث پھسلتی آ رہی تھی۔ ہارون بھی اسے یہی اشارہ کر رہا تھا کہ پیچھے ٹرالی آ رہی ہے۔ ٹرالی والا بندہ مسلسل چیخ رہا تھا۔ مگر اس کے کان اور توجہ دونوں ہی میسر نہیں تھے۔ اب ٹرالی والے بندے نے، اسے ایک ہاتھ سے پیچھے ہٹایا تھا اور دوسرے سے ٹرالی پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ ٹرالی رکنے کی بجائے الٹ گئی تھی۔ ٹرالی والا بندہ غصے سے اسے ڈانٹ رہا تھا۔

"میں آپ کو اشارہ بھی کر رہا تھا۔" ہارون نے پاس آ کر اسے تعجب سے دیکھا۔ وہ خجل ہوئی۔

"دراصل کان میں انفیکشن ہے۔ سنائی بھی کم دے رہا ہے۔" اس نے وضاحت دی۔

"یہ بھی ڈیڑھ پسلی انسان ہے ایک ٹرالی نہیں روک سکا۔" ہارون نے جھوٹا مسکراتے ہوئے اس آدمی کو کہا۔ اور ٹرالی کا سامان اٹھانے لگا۔

وانیا ہنسی۔ سامان اٹھا کر ہارون نے سینے پر ہاتھ باندھ کر، معذرت کے انداز میں اس آدمی سے کہا۔

"روز کے دو ابلے انڈے کھانا شروع

کرو۔ جان بناؤ۔" ہارون بہت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ وہ آدمی بھی اس او کے کہتا چلا گیا۔

"وہ سمجھ رہا ہوگا۔ آپ اس سے معذرت کر رہے ہیں۔" وانیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ان جگہوں کی بہترین بات یہ ہی ہے کہ میں کھل کر بولتا ہوں۔ کسی کے پلے نہیں پڑتا۔" ہارون اب تک ایک سوبر انسان لگتا تھا۔ اس دن وانیا کو پہلی بار اس کا شرارتی رخ نظر آیا۔

"بہت خوب۔ اب میں چلتی ہوں۔" وانیا نے فوراً الوداع کہا اور کونے والے شیڈ کے نیچے چلنے لگی۔ اس کی بارش اور اس کے بیچ کوئی تیسرا آ گیا تھا۔ اب وہ ہاتھ اٹھا کے بوندیں محسوس نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"آپ بھی ٹرائی کریں۔ ساری جھڑاس نکال دیں۔ سنہرا موقع ہے۔" ہارون کچھ دور مگر اس کے ساتھ آنے لگا۔

"مجھے کچھ نہیں کہنا۔" وانیا نے رفتار بڑھا لی۔ وہ اپنے دل کو آزمانا نہیں چاہتی تھی۔

"ان سب لوگوں سے جن سے آج تک ملی ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی کچھ نہیں کہنا؟" ہارون نے ابرو اٹھا کر ٹیڑھی نظر سے اس کو دیکھا۔

وانیا رک کر ہارون کو دیکھتے ہوئے کوئی مناسب جواب سوچنے لگی۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنے منہ کے ارد گرد پیالہ بنایا اور زور سے آسمان کی طرف صدا لگائی۔

"مسافروں سے درخواست ہے کہ فلائٹس کے کھانے کو آخری کھانا سمجھ کر نہ کھائیں۔ آپ اپنے گھر میں بھی کولڈ ڈرنکس اور چائے پیتے ہوں گے۔ آپ نے ٹکٹ خرید لیا ہے مطلب جہاز خرید لیا ہے اور ہمیں بھی خرید لیا ہے؟ نہیں ایسا نہیں ہے۔ یہ دو، وہ دو کی گردانیں بند کر دیں اور تسلی سے اپنی باری کا انتظار کریں۔ شکریہ۔" اس نے اناؤنسمنٹ کے روایتی انداز میں کہا۔

پھر ہارون کو دیکھا۔ وہ دو لمحے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر ان دونوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔ وہ ساتھ چل رہے تھے۔ نظریں جھکائے۔ فاصلہ رکھے۔ پھر بھی قدم سے قدم مل رہے تھے۔ پہلی بار ہارون کو منع کرنے کے بعد وانیا اپنی بات پر ڈٹی رہی تھی سو ہارون نے بھی اس کی منگنی کے احترام میں، دوبارہ بھی اپنا ارادہ نہیں دہرایا تھا۔ مگر دل کی خلش تو ویسی ہی تھی۔

"سامنے ایک بہت اچھا اٹالین ریسٹورنٹ ہے۔" ہارون نے کہا۔

"مجھے شاپنگ کرنی ہے۔ اپنے گھر والوں کے ساتھ، ولید کی فیملی کے لیے بھی گفٹ لینے ہیں۔" اس نے جان کر اپنے منگیتر کا ذکر کیا۔

"بے فکر رہیں مجھے آپ کی منگنی اور منگیتر دونوں یاد ہیں۔ میں تو سینئر ہونے کا فرض نبھا رہا تھا۔" ہارون ریسٹورنٹ کے سامنے رک گیا اور سینے پر ہاتھ باندھے۔

"نہیں میں تو ویسے ہی کہہ رہی تھی۔" وانیا کچھ شرمندہ ہوئی۔ سچ کی بار بار وضاحت کرنے سے وہ جھوٹ لگنے لگتا ہے۔

"اگر ایسا کوئی ڈر ہے تو بے فکر رہیں۔ میری بھی منگنی ہو چکی ہے۔" ہارون نے کہا۔

"مبارک ہو کس سے؟" وانیا کو یک دم تسلی ہو گئی۔

"وہ..... آں شائلہ سے۔" ہارون نے کچھ سوچ کر کہا۔

"مجھے پھر بھی شاپنگ پہ جانا ہے۔ آپ سے پھر ہوٹل میں ملاقات ہوتی ہے۔" وہ مسکرا کر دور جانے لگی۔

ایک ہاتھ کے فاصلے پر دوسروں کو رکھنا اس کی عادت بن چکی تھی۔ مگر اس بار ہارون کو منع کرتے ہوئے اس کے دل میں بھی ٹیس اٹھی تھی۔ اس وقت قسمت نے اس کے اصولوں سے پنگا لے لیا۔ وہ دو قدم ہی آگے گئی تھی کہ ہلکی پھوار موسلا دھار بارش میں بدل گئی۔ نیزوں کی طرح گرتے قطرے اس کے لیے بھی ناقابلِ قبول تھے۔ وہ فوراً واپس پلٹی۔ ہارون

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

اب بھی ریسٹورنٹ کے سامنے کھڑا تھا۔

"وہ بارش۔" وانیا نے بالوں سے قطرے جھٹک کر کہا۔

ہارون نے مسکرا کر، ریسٹورنٹ کا دروازہ کھول دیا۔ وانیا سر جھکا کر اندر آ گئی۔

"یہاں کیو۔ آر۔ کوڈ سے آرڈر ہوگا۔" ہارون فوراً مطلب کی بات پر آیا۔ کہیں وانیا پھر سے غیر آرام دہ نا ہو جائے۔ وہ ایک لمبے سے سٹیج پر بیٹھ گئے۔ دونوں کے دائیں بائیں، سامنے پیچھے انجان لوگ بیٹھے تھے۔ رش بھی تھا اور شور بھی۔ وانیا کی سماعت پھر جواب دینے لگی۔

"تھوڑا آؤٹ آف کورڈ ہوں۔ بنتا بھی ہے۔ مگر باہر بھی نہیں جا سکتی۔" وانیا کو کیو۔ آر۔ کوڈ کی جگہ آؤٹ آف کورڈ سنائی دی۔

ہارون نے مینیو اٹھا کر اس پر بنے کیو۔ آر۔ کوڈ کی طرف اشارہ کیا۔ پھر اپنا کھانا آرڈر کر کے اس کو دکھایا کہ کیسے آرڈر کرنا ہے۔ وانیا لمحہ بھر شرمندہ ہوئی۔ پھر کھانا آرڈر کرنے لگی۔ مینیو کے پیچھے یورپ کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ ہارون نے پین نکالا۔ اور ان ملکوں پر نقطہ لگایا جہاں جانا چاہتا تھا۔ کھانے سے پہلے اور بعد میں انہوں نے ایسے ہی اشاروں میں اور کچھ موبائل کی مدد سے، ایک دوسرے سے بغیر بولے کئی باتیں کیں۔ تب تک بارش بھی رک گئی تھی۔

"اب آپ کو شاپنگ کرنی ہے اور مجھے اپنا کام۔ ہوٹل میں ملاقات ہوگی۔" ریسٹورنٹ سے نکل کر ہارون نے الوداع میں پہل کی تھی اور چلا گیا تھا۔

اس کے بھی اصولوں کے خلاف تھا کہ کسی اور سے منسوب لڑکی کا ارمان کرے۔ وانیا اسے دور جاتا دیکھنے لگی۔ وہ چلا گیا تو اس نے بھی رخ موڑ لیا۔ اندر بہت کچھ کہنے کو تھا۔ اس کو بھڑاس نکالنے کی طلب ہوئی۔

"میری جاب میں بہت محنت ہے اور ڈیڈیکیشن ہے ولید۔" اس نے ایک لیٹر باکس سے کہا۔

"میں نے اس بچی کو دیکھا تھا۔ وہ آج محفوظ ہاتھوں میں ہے تو میری وجہ سے ہے۔" وہ چلتے ہوئے بلڈنگ کو سنا رہی تھی۔

"اور وہ سو فیصد معیاری اور نج جوس تھا۔" کچھ آگے جا کر وہ باقاعدہ چیخ پڑی تھی۔ "اس دن مانچسٹر کی اس سڑک پر ایک اور رم جھم شروع ہوئی تھی۔ وانیا کے آنسوؤں کی رم جھم۔ رونا بھی نعمت ہوتا ہے۔

☆☆☆

جبران نے شہر آ کر جلدی کام سیکھ لیا تھا۔ باس اس کی خوش گفتاری کے باعث اسے شادی کے فنکشنز میں لے جانے لگا۔ کامران دن کے وقت فلمیں دھونے اور ویڈیو میں گانے بھرنے کا کام کرتا تھا۔ جبران کی صبح فارغ ہوتی تھی تو اس نے ایک، پراپرٹی ڈیلر کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کر دیا۔

"چھوٹے گھر ہیں۔ نہ صحن نہ برآمدہ۔ ایک گاڑی کی جگہ ہے۔ باتی کمرے۔ قیمت بھی کم ہے مگر جو پارٹی دیکھ کر جاتی ہے دوبارہ رابطہ نہیں کرتی۔" منصور نے چائے میں پراٹھا ڈبو کر نوالہ لیا۔

"سب سے کہو اسپینش گھر ہیں۔ یا کسی بھی یورپ کے ملک کا نام لے لو۔ وہاں ایسے ہی چھوٹے گھر ہوتے ہیں۔ ہاتھوں ہاتھ بکیں گے۔" جبران نے اپنے باپ کی عمر کے منصور کو دوستانہ مشورہ دیا۔

"یورپ کے ان چھوٹے گھروں کے باہر ندیاں بہہ رہی ہوتی ہیں یا باغ ہوتے ہیں۔ وہاں پردے کا خیال بھی نہیں رکھا جاتا۔ ہمارے لیے ان کے نقشے اچھے نہیں رہتے۔" منصور نوالہ چباتے ہوئے اکتاہٹ زدہ آواز کے ساتھ بولا۔

"تمہارے گاہک کو یہ سب کون بتائے گا؟ انہیں بس اچھا سا ایڈریس چاہیے تاکہ اپنے خاندان میں بتا سکیں کہ ہم نے اسپینش گھر لیا ہے۔" جبران نے آنکھ مار کر منصور کو گولڈن آئیڈیا دیا۔

وہ اور جبران ناشتے کی دکان پر بیٹھے تھے۔ ڈیرہ نامی اس دکان کا مالک بلو، انتہائی کنجوس اور غصیلا آدمی تھا۔ وہ تو اس کے ہاتھ میں ذائقہ بہت تھا۔

دوسرا وہ ایمان دار تھا۔ پیسے ٹھوک کر لیتا تھا۔ مگر توے جتنا پراٹھا اور پھولا آملیٹ ایسا دیتا تھا کہ ناشتہ کرنے والا شام تک سیر رہتا۔ اس لیے اس کا کام بہت چلتا تھا۔ جبران کو خاص طور پر اس کی ربڑی بہت پسند تھی۔ خالص دودھ کی موٹی ربڑی کا پیالہ تو اس کی لازمی خوراک بن گیا تھا۔

"یہ ساتھ والی دکان کوئی خریدے تو بھاری کمیشن ملے گا۔ جوتے، کپڑوں کی یہاں چلتی نہیں۔ مگر بلو کے آگے کسی کی جرات نہیں ہوتی کہ کھانے کی دکان کھولے۔ بلو کا ذائقہ بھی ٹکر کا ہے۔" منصور اب انگلیاں چاٹ رہا تھا۔

"اس کا بھی کوئی حل بتا دوں تو پچیس فیصد میرے منظور؟" جبران نے کہا۔ منصور بھی راضی ہو گیا۔ یہ کل کا بچہ کیا کر لے گا۔ پھر جبران نے کونے میں لگے سنک سے ہاتھ دھوئے۔ گلے پر بیٹھا بلو ویٹروں سے پائی پائی کا حساب لے رہا تھا۔ جبران نے بھی ابتدا میں، اس سے دوستی کرنے کی بہت کوشش کی کہ کسی طرح ادھار کا کھانا کھل جائے۔ مگر بلو پیسے سے زیادہ کسی کا سگا نہیں تھا۔ بس پھر جبران شریفوں کی طرح پیسے دیتا۔ ربڑی کی تعریفوں کے پل باندھتا اور چلا جاتا۔ اس روز بھی ناشتے کے بل کے بعد اس کے پاس صرف کرائے کے پیسے بچے تھے۔

"بلو لالا کمال ربڑی بناتے ہو۔ بس قیمت زیادہ ہے۔" جبران نے روز کا رونا رویا۔

"بالکل مناسب ہے۔ خالص دودھ آتا ہے۔ میرا بندہ خود اپنے آگے سامنے نکلواتا ہے۔ تب ہی تو ایسی ملائم بنتی ہے۔" بلو نے غصے سے کہا۔

"ذائقہ تو میٹھے اور ٹھنڈے ہونے کا ہوتا ہے۔ تھوڑا دودھ پتلا کر لیا کرو اور دو ڈگری مزید جما لیا کرو۔ تو بھی یہی بات رہے گی۔ باقی تمہاری مرضی۔" جبران نے اپنا بل ادا کیا اور بلو کے ذہن پر ملاوٹ کا پہلا قطرہ ٹپکا کر چلتا بنا۔

☆☆☆

انہیں شہر آئے ہوئے تیسرا سال ہو گیا تھا۔ ان کا اسٹوڈیو، جانے مانے اسٹوڈیوز میں شمار ہونے لگا۔ تب ان کے اسٹوڈیو کو ایک بھاری بھرکم کلائنٹ ملا تھا۔ شادی کی تقریب ایک ممبر ایکسکلوزو کلب میں تھی۔ بیرون ملک سے آئے لڑکی والوں کی اکثریت کلب کے ہی کمروں میں ٹھہری تھی۔ دلہن کا ارمان تھا کہ ہر منظر کی عکس بندی ہو۔ شادی سے پہلے سہیلیوں کے ساتھ ہنسنا، باتیں، ناچ گانا، سب اسے تصاویر اور ویڈیو میں چاہیے تھا۔ کامران اور جبران کی جوڑی کو آرڈر ملا کہ اسی کلب میں پانچ دن رہ کر، پری ویڈنگ تقریبات کی کوریج کریں۔ کامران کو کام کی خوشی تھی تو جبران کو، اس معروف کلب میں رہنے کا ارمان تھا۔ کام وہ جی حضوری والے کرتا تھا مگر دل اس کا افسری کا خواہش مند تھا۔ وہ ایسا کارآمد بننا چاہتا تھا کہ کیمرے اس کا طواف کریں۔

کلب کے دروازے پر لش پش کرتے مہمان اپنی چابیاں ویلے کو تھما کر اندر جا رہے تھے۔ وہ دونوں بھی ضرورت سے زیادہ چوڑے ہو گئے۔ یہی سوچا کہ وہ بھی اندر جا کر، ویلے کو چابی ایسے ہی گھما کر دیں گے۔ مگر انہیں گیٹ پر ہی روک لیا گیا۔

"یہ گیٹ صرف گاڑیوں کے لیے ہے۔ موٹر سائیکل اندر نہیں جا سکتی۔" گارڈ نے کہا۔

جبران کو یک دم اپنی کم مائیگی کا احساس ہوا۔ اس سے صفحے میں کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ یہ تو کامران نے تعارف کروایا۔ اندر ان کو ہائر کرنے والوں کا فون آ گیا۔ تصدیق ہوئی۔ پھر انہیں پیچھے کے راستے سے داخلہ ملا۔ سامنے کے شاہانہ کمروں کی بجائے ان کا قیام وہاں تھا جہاں ڈرائیور اور ملازم طبقہ ٹھہرا ہوا تھا۔ جبران کا دل دھواں دھواں ہو گیا۔

☆☆☆

پہلے دن ایک سادہ سا ڈنر تھا۔ جس میں دلہن کے رشتہ داروں نے، اس کے والدین کے پرانے قصے سنا کر ان کی ٹانگ کھینچنی تھی اور دلہن کو آنے والی زندگی کے لیے دعائیں دی تھیں۔ جبران سوچ رہا تھا کہ یہ ویسا ہی ہے جیسے ان کے گھروں میں ہوتا ہے۔

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

فرق یہ تھا کہ یہاں، ٹانگ کھینچنے والے لاکھوں کے تحائف کے بعد یہ عمل کر رہے تھے اور نیک تمناؤں کا اظہار مائیک پر مووی کیمروں کے سامنے ہو رہا تھا۔ دوسرے دن کوئی غزل نائٹ تھی۔ معروف کلاسیکی سنگر نے آنا تھا، دوپہر بارہ بجے کے قریب کامران اور جبران کلب میں پلے گراؤنڈ ایریا کے قریب کھڑے سگریٹ پھونک رہے تھے۔ پارکنگ میں ایک سے بڑھ کر ایک شان دار گاڑی کھڑی تھی۔ بدھ کا دن تھا۔ شادی کے مہمان کی طرح پورے کلب کا معائنہ کیا تھا۔

"چہل قدمی کے لیے الگ راستہ ہے۔ جاگنگ کے لیے الگ۔ کئی قسم کے کھیل۔ ان امیروں کی تو موجیں ہیں۔" جبران نے سگریٹ کا کش لیا۔

"چھوڑو انہیں۔ اپنی چادر میں یہ سوئمنگ پول اور شام کی کافی نہیں آتی۔" کامران کو جو مل رہا تھا وہ اس پر خوش تھا۔ جبکہ جبران کے لیے یہ بے وقوفی کی علامت تھی۔ اتنے میں خالی پڑے گیٹ سے ایک اسٹائلش لال گاڑی نمودار ہوئی۔

"ہمت ہو تو ہی چادر بڑی ہوتی ہے۔ آؤ تمہیں نمونہ دکھاؤں۔" جبران نے سگریٹ پھینکا اور دوڑتا ہوا لال گاڑی کی طرف گیا۔

"پگلا گیا ہے کدھر جا رہا ہے؟" کامران جانتا تھا کہ اس کا لالچ اسے کسی نہ کسی دن رسوا کرے گا۔

جبران پارکنگ میں پہنچا۔ کئی جگہیں خالی پڑی تھیں۔ اس لیے کوئی ویلے بھی موجود نہ تھا۔ جبران نے گاڑی کو کلب کے دروازے سے پہلے ہی روک لیا۔

"ایکسکیوزمی سر۔ میں ویلے۔" اس نے ڈرائیونگ سیٹ کے سیاہ شیشے پر جھک کر دستک دی۔ شیشہ نیچے ہو گیا۔ اندر کالے چشمے لگائے۔ گھنے بال کھولے ایک لڑکی موجود تھی۔ لڑکی نے فوراً دروازہ کھولا۔ وہ سیاہ فلیپر اور چھوٹی سی سبز شرٹ میں ملبوس تھی۔

"دھیان سے پارک کرنا۔" اس نے چابی جبران کو تھمائی اور اپنا چشمہ سر پر لگاتی کلب کے اندر چلی گئی۔

جبران نے مڑ کر گیٹ پر موجود چوکیدار کو سلام کیا۔ وہ ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ جبران کے سلام سے سمجھا کہ لڑکی کا جاننے والا ہے۔ اس نے جواب میں سلام کیا۔ جبران اعتماد سے گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی ذرا آگے لے جا کر کامران کو اشارہ کیا۔

"پاگل ہو گیا ہے؟ پکڑے جائیں گے۔" کامران اندر بیٹھ تو گیا تھا۔ مگر اس کی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔

"میں کون سا چوری کر رہا ہوں۔ بس چلا کر دیکھ رہا ہوں۔ کیا سمودڈرائیو ہے۔" جبران پچھلے گیٹ کی طرف گیا۔ وہاں گارڈ کو بتایا کہ پیٹرول ڈلوانے جا رہے ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ یہ کلب کے مہمان ہیں۔ اس لیے جانے دیا۔

"رپورٹ ہو جائے گی تو نوکری بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔" کامران لمحہ بھر کو بھی ریلیکس نہ ہوا۔

"نوکری ختم ہو گئی تو اگلی بار، کوئی ایسی نوکری کروں گا کہ خود ایسی گاڑی خرید سکوں۔" جبران تو ہواؤں میں اڑا رہا تھا۔

"یہ نہ سوچو کہ اپنی نہیں ہے۔ یہ دیکھو کتنی شان دار ہے اور اس وقت میرے پاس ہے۔" جبران نے دیدہ دلیری سے کہا۔

اگلے دس منٹ وہ سڑکوں پر گھومتے رہے۔ جبران نے طبیعت کے مطابق انجوائے کیا اور کامران لرزتا رہا۔ پھر وہ پچھلے ہی گیٹ سے داخل ہوئے۔ سامنے وہی لڑکی کمر پر ہاتھ رکھے اپنی گاڑی ڈھونڈ رہی تھی۔ اس کے اضطراب سے ہلتے ہاتھ میں اس کا چشمہ مچل رہا تھا۔

"دیکھا سالے پکڑے گئے۔" کامران کا تو سانس بند ہونے کو تھا۔

"چاہے نوکری جائے یا پولیس پکڑے یہ دس منٹ مجھ سے کوئی نہیں لے سکتا۔" جبران نے اعتماد سے کہا اور گاڑی پارک کی۔

وہ اترا تب تک لڑکی اس کی جانب متوجہ ہو چکی تھی اور ٹیڑھی شکی نظر سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کی امانت۔" جبران نے مودب ہو کر چابی اس کی سمت بڑھائی۔

"گاڑی میں موبائل رہ گیا تھا۔ نکال کر دو۔" لڑکی جان گئی تھی کہ وہ نہ ویلے ہے نہ کلب کا ملازم۔ پھر بھی رعب سے کہا۔

جبران بھی سمجھ گیا تھا کہ وہ لڑکی واقعی بہت موٹی اسامی ہے۔ موبائل ان دنوں کتنی کے لوگوں کے پاس تھا اور یہ وہ دور تھا، جب کال سننے کے بھی پیسے لگتے تھے۔ اس نے وزنی موبائل نکال کر لڑکی کے حوالے کیا۔ کامران دوسری طرف سے نکل کر کہیں چھپ گیا تھا۔ لڑکی کا شاک غصے میں بدل رہا تھا۔

"دل کر رہا ہے یہ گاڑی تمہیں ہی دے دوں اور جب تم اس میں بیٹھو تو تم دونوں کو آگ لگا دوں۔ تمہارے بیٹھنے سے یہ میرے معیار سے گر گئی ہے۔" وہ شعلہ بار نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ کا معیار بلند ہے تو مجھ جیسے آدمی سے اسے کوئی خطرہ نہیں۔ یوں سمجھیں آپ کی گاڑی میں بیٹھنے سے میرا معیار بلند ہو گیا ہے۔ جیسے پارس چھو کر مٹی کو سونا کر دیتی ہے۔" اس کے اعتماد کے نمبر پورے تھے۔

سامنے امیر مگر کم عمر نازک لڑکی موجود تھی۔ اس کے اندر کے عاشق نے قسمت آزمائی کی۔ اگر زندگی پیاری ہے تو آئندہ میرے سامنے مت آنا۔ اس نے چشمے کو ہلا کر دھمکی دی اور پلٹ کر جانے لگی۔

"اور اگر آئندہ بھی سامنے دکھوں تو آپ سمجھ لیجیے گا کہ میری زندگی سے پیارا میرے لیے کچھ اور ہو گیا ہے۔" اس نے پکے فلرٹی انداز میں کہا۔ لڑکی اسی وقت مڑی اور غصے سے شٹ اپ کہا۔

"جبران۔ آپ مجھے مسٹر جبران کہہ سکتی ہیں۔" وہ ڈھیٹ ہو کر مسکرایا۔

"میں تمہیں شٹ اپ ہی کہوں گی۔" لڑکی غصے سے کہتی ہیل والی جوتی پٹختی اندر چلی گئی۔ جبران ہنوز مسکرا رہا تھا۔

"تو جانتا بھی ہے یہ کون ہے؟" کامران کہیں سے نمودار ہوا۔

"کون ہے؟" جبران اب سنجیدہ ہوا۔

"شہر ناز سکندر۔ بزنس مین سکندر بابر کی بیٹی۔" کامران نے آنکھیں پھاڑ کر بتایا۔ مگر جبران کون سا ایسے بڑے لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا تھا کہ سکندر بابر کا معلوم ہو۔ وہ انجان ہی رہا۔

"یہ وہ ہے جو فلمی ہیرو جہانزیب کے ساتھ اخباروں میں نظر آتی ہے۔" کامران نے وجہ شہرت یا وجہ بدنامی بتائی تو جبران کو بھی یاد آ گیا۔

وہ اس لڑکی کو جتنی بڑی چیز سمجھ رہا تھا یہ اس سے بھی آگے کی مخلوق نکلی تھی۔

☆☆☆

شہر ناز اسی ویڈنگ پارٹی کا حصہ تھی جس کی کوریج جبران کر رہا تھا۔ وہ دلہن کی بہترین سہیلی تھی۔ غزل نائٹ پر شہر ناز اس کے کیمرے اور نظروں دونوں کے حصار میں رہی تھی۔ شہر ناز اپنا موڈ آف نہیں کرنا چاہتی تھی، اس لیے اسے سبق سکھانے کی بجائے اپنی خوش گپیوں میں مصروف تھی۔

"کتنی بورنگ غزلیں ہیں اور دیکھو مدثر کیسے انجوائے کر رہا ہے۔ ابھی بھی وقت ہے سوچ لو ورنہ ساری عمر غزلیں سنا کر بور کرے گا۔ تمہیں اپنا لڑکا خود ڈھونڈنا چاہیے تھا۔ یہ تم سے زیادہ تمہارے ڈیڈ کو سوٹ کرتا ہے۔" شہر ناز نے حنا کو بے دھڑک کہا۔

"مجھے ایسا ہی لڑکا چاہیے تھا جو میری ضرورتوں کا خیال رکھے۔ میری قدر کرے۔ مدثر مجھے ورلڈ ٹور پر لے کر جا رہا ہے۔" حنا نے خاندانی چوکر سیٹ پہن رکھا تھا اور دلہنوں کی طرح دوپٹہ جوڑے کے ساتھ اڑسا ہوا تھا۔ اسے بننے سنورنے کا شوق تھا۔ باقی ساری سہیلیاں ورلڈ ٹور کی معلومات لینے لگیں۔ شہر ناز نے سب کو بولنے دیا۔

"پیسے کی طلب تو وہاں کرو، جب تمہارے پاس پیسہ نہ ہو۔ مدثر سے گڈ لوکنگ تو تمہارا فوٹو گرافر

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

ہے۔" شہرناز نے مڑ کر جہان کو دیکھا۔ جو واقعی اس کمرے میں موجود سب سے ہینڈسم انسان تھا۔

حتا اپنے فیصلے میں خوش تھی۔ اس نے برا نہیں مانا۔

"کیا یہ فوٹو گرافر تمہارے جہانزیب سے بھی زیادہ ہینڈسم ہے؟" حتا نے الٹا اسے چھیڑا۔ اب ساری لڑکیوں کی چھیڑ چھاڑ شہرناز کی طرف ہوگئی۔

"جہانزیب صاحب کی آواز کا جادو چل گیا ہے اس لیے، تمہیں یہ غزلیں بورنگ لگ رہی ہیں۔"

"وہ تو بال لہرا کر پاپ گانے گاتا ہے۔" ایک سہیلی نے کہا۔ یہ نوے کی دہائی کا آخر تھا۔ جہانزیب چڑھتا سورج تھا۔ جو قلموں، گانوں، اشتہاروں ہر جگہ چھایا ہوا تھا۔

"اس کو کارڈ تو بھیجا تھا۔ کیا نہیں آئے گا؟ فون کر کے بلا لو۔ دو چار گانے اس کے بھی سن لیں۔" حتا نے یاد کروایا۔

"میں کہوں گی تو کیوں نہیں آئے گا؟" شہرناز اترائی۔

"پرفیکٹ کپل ہے تم دونوں کا بس سکندر انکل مان جائیں۔" ایک سہیلی نے دکھتی رگ یاد کروائی۔ سارا مسئلہ یہی تھا کہ سکندر بابر کو جہانزیب اپنی بیٹی کے قابل نہیں لگ رہا تھا۔

"ڈیڈی بھی مان جائیں گے۔ مجھے کب تک انکار کریں گے؟" شہرناز نے اپنی مغرور گردن اٹھائی۔

☆☆☆

غزلیں ختم ہونے کے بعد کھانا تھا۔ پھر کیری اوکی تھی ـــــ خاندان کے لوگوں کو مائیک پر فلمی گانے گنگنانے کی کھلی آزادی ہونی تھی۔ کھانے کا وقفہ ہوتے ہی جہان نے شہرناز کو ڈھونڈا۔ وہ پارٹی ایریا سے کھانے کی میزوں تک گیا۔ پھر ٹینس کورٹ والی سائڈ پر نکل آیا۔ قریب ایک اسٹور تھا۔ اگلے روز مہندی کی تقریب پر، دھواں دار آتش بازی کا انتظام تھا۔ اس کا سارا سامان اسی اسٹور میں تھا۔ کلب کا ملازم غزل سنگر کے استعمال ہونے والے کشن اسٹور میں رکھ رہا تھا۔ اس نے ہونٹوں میں سگریٹ دبا رکھا تھا۔ جہان وہاں پہنچا تو خاموشی میں شہرناز کی آواز آئی۔

"تم نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ سب پوچھ رہے تھے۔ مجھے شرمندگی ہوئی۔" وہ فون پر جہانزیب سے ناراض ہو رہی تھی۔

"دوسروں کو چھوڑو میں آج تمہیں وہ گانا سناتا ہوں۔ جو اب تک ریلیز بھی نہیں ہوا۔" آگے جہانزیب گنگنانے لگا۔

"میں تو روز سنتی ہوں آج دنیا کو سنانا تھا کہ تم میرے ہو۔" وہ روٹھے لہجے میں کہنے لگی مگر جہانزیب دوسری طرف گانا گا رہا تھا۔

جہان دو قدم آگے ہوا تاکہ وہ گانا سن سکے۔ اتنے میں اس کو ٹینس نیٹ کے پول سے ٹھوکر لگی۔ لوہے کی آواز "چھن" ہر طرف گونجی اور شہرناز نے اس کو دیکھا۔

"چپ کر میری باتیں سن رہے ہو؟" وہ فون کاٹ کر دھاڑی۔

"آئی ایم سوری، میں باتیں نہیں سن رہا تھا۔ میں تو بس آپ کو دیکھ رہا تھا۔" وہ ڈرا بھی اور شرمندہ بھی ہوا۔

شہرناز کچھ نرم پڑ گئی۔ وہ جہاں بھی جاتی تھی ہر شخص اسے دیکھتا تھا۔ مگر ایسا معصومانہ اعتراف اس نے پہلی بار سنا تھا۔

"بے وقوف ہو۔" شہرناز اس پر ہنسی۔

"حوصلہ مند ہوں۔ انہونی پر یقین رکھتا ہوں۔" جہان اس سے زیادہ مسکرایا۔

"تمہارے حوصلے، تمہاری امیدیں، تمہارے پچھتاوے تمہیں ہی مبارک ہو۔" وہ اس کا دل نہیں توڑنا چاہتی تھی، یہ کام قسمت کا تھا۔

"ایک بات بتائیں جب ایک مفلوک الحال یتیم لڑکی کو شہزادہ پسند کرتا ہے تو وہ کہانی فیری ٹیل کہلاتی ہے۔ کسی کہانی میں امیر شہزادی کو غریب

لڑکے سے محبت کیوں نہیں ہو سکتی؟" وہ آگ سے کھیل رہا تھا اور اسے مزہ آ رہا تھا۔

"ہم وقت ضائع نہیں کرتے۔ سیدھے محبت پر آ گئے۔" شہرناز قہقہہ لگا کر ہنسی۔

"جذبوں کی سچائی پر غور کریں مذاق نہ اڑائیں۔" وہ سنجیدہ تھا۔

"اگر مجھ سے محبت ہوئی ہے تو تم اور بھی بد قسمت ہو۔ میں شہزادی نہیں چڑیل ہوں۔" وہ مزید ہنسی۔

اتنے میں اس کے ہاتھ کارڈلیس پھر بجنے لگا۔ جہانزیب کو گانا ختم کر کے معلوم ہوا تھا کہ فون کٹ چکا ہے۔

"اور امیر چڑیل جب چاہیں، جہاں چاہیں، جو چاہیں کر سکتی ہیں۔ جبکہ غریب لڑکوں کو نوکری کرنی پڑتی ہے۔" اس نے لب لٹکا کر ترس کھانے والا منہ بنایا اور فون ریسیو کر کے باتیں کرنے لگی۔

وہ صحیح کہتی تھی جہان کو واپس جا کر بقیہ فنکشن کور کرنا تھا۔ اب تک غالباً کھانا بھی ختم ہو چکا ہوگا۔ اسے یہ کام اب خالی پیٹ کرنا تھا یہ بھی اس کی حقیقت۔

☆☆☆

پہلے سب نے سادے گانے گائے۔ پھر کچھ من موجی الفاظ میں تبدیلی کر کے دوسروں کو گانے ڈیڈیکیٹ کرنے لگے۔ جہان کو ہر روز یہ کام پہلے سے برا لگنے لگا تھا۔ وہ سوچ چکا تھا کہ یہ اس کا آخری فنکشن ہوگا۔ اتنے میں دور کسی پٹاخے کی آواز آئی۔ سب اپنے آپ میں مگن گانا گاتے رہے۔ پھر پٹاخوں کی آوازوں میں شدت آ گئی۔ اب وہ پٹاخے دھماکے بن چکے تھے۔ سب نے گانا روک دیا اور اس سمت دیکھنے لگے۔

"اسٹور روم میں آگ لگی ہے۔ فائر ورکس ہو رہے ہیں۔ آپ سب دور ہو جائیں۔" مینیجر اسی وقت آیا اور سب کو دور کرنے لگا۔

"ادھر ٹینس کورٹ میں شہرناز ہیں۔" جہان فوراً چلایا۔

حتا نے مڑ کر پہلی بار جہان کو دیکھا۔ اب تک وہ صرف کیمرے کو دیکھ کر مسکراتی آئی تھی۔ ہر کوئی دھماکوں والی جگہ سے پیچھے ہو گیا تھا۔ مگر جہان اسی سمت دوڑنے لگا۔ اس کے پیچھے کئی لوگوں نے آوازیں دیں وہ نہیں رکا۔ ٹینس کورٹ کے داخلی راستے پر پٹاخوں کے شعلے برس رہے تھے۔ پٹاخے اتنے اونچے تھے کہ رنگوں کی بجائے صرف چنگاریاں نظر آ رہی تھیں۔ داخلی راستے پر دروازہ نہیں تھا۔ مگر جگہ اتنی ہی تھی کہ صرف ایک گاڑی گزر سکے۔ اس راستے کے ساتھ دیوار کی بیل آگ میں لپٹی تھی اور سامنے پٹاخے آگ کی صورت برس رہے تھے۔ جہان ان برستے پٹاخوں میں سے گزر کر اندر گیا۔ اندر آگ نہیں تھی مگر دھواں تھا اور شہرناز کھانس رہی تھی۔

"چلیں شہرناز، ورنہ دم گھٹ جائے گا۔" جہان نے اس کا ہاتھ پکڑا۔ شہرناز نے بے بسی سے اپنے ریشمی لہنگے کو دیکھا۔ وہ اس کے ساتھ نکلنے کا رسک کیسے لے سکتی تھی۔

"یہ فوراً آگ پکڑ لے گا۔" شہرناز نے کھانستے ہوئے کہا۔

دھواں ٹینس کورٹ میں بھرتا جا رہا تھا۔ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ جہان ڈرتا نہیں تھا۔ یہاں بھی نہیں ڈرا۔ دوڑ کر اسٹور کے دروازے تک پہنچا۔ دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں بچاتا وہ قریب گیا۔ اس کے سارے جسم پر شعلے برس رہے تھے۔ اس نے کسی طرح لوہے کا دروازہ بند کیا۔ جو تپ رہا تھا۔ اب آتش بازی اسٹور کے اندر یوں ادھم مچا رہی تھی جیسے پورے کمرے کو بلاسٹ کر دے گی۔ دوسرے ملازم بھی پائپ اور پانی لے آئے۔ شہرناز کے گزرنے کی باقاعدہ جگہ بن چکی تھی۔ مگر جہان کے ہاتھ جل گئے تھے۔ اس کے کندھے اور ٹانگ بھی زخمی تھے۔

"تم تو واقعی بے وقوف ہو۔" شہرناز باہر جانے کی بجائے اس کے پاس آئی اور اس پر جھک گئی وہ فرش پر گرا کراہ رہا تھا۔

☆☆☆

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

شادی کی باقی تقریب کسی اور فوٹو گرافر نے کور کی تھی۔ حنا کے والد نے اسے بھاری انعام دیا تھا۔ کلب والوں نے اسے مہنگے ترین اسپتال میں داخل کروایا تھا۔ مگر اس کے بیٹے اب اتنے پھیل گئے تھے کہ ٹھنڈ نہیں پڑ رہی تھی۔ ٹھنڈ اسے اس دن پڑی جب شہرناز خود، اسپتال اس کا حال پوچھنے آئی تھی۔ وہ تین دن روز آتی رہی۔ گھنٹوں بیٹھتی۔ باتیں کرتی وہ جوان خون تھا جلد ٹھیک ہو رہا تھا۔ کندھے کے علاوہ باقی سارے نشان بھی ہلکے تھے۔ وہ بہادر تھا نیکی ضرور کرتا تھا۔ پھر نیکی کا خراج بھی مانگتا تھا اور بہادری کی بھی قیمت وصول کرتا تھا۔ اس بار انعام میں اسے شہرناز کا رتبہ اور ساتھ چاہیے تھا۔

"ڈیڈی تمہیں مانیں گے۔" اس دن شہرناز گود میں ہاتھ لیے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اب وہ فراخ دلی سے اس کی محبت کے دعوے سنتی تھی۔ بہانے سے بھی اس کا ہاتھ چھو لیتی، کبھی بہانے سے اپنا گال چھونے دیتی۔ "انہیں بتائیں میں بے وقوف نہیں دیوانہ ہوں۔ آپ کی خوشی کو دیوانگی بنا لوں گا۔" جبران نے بہت عرصے بعد صنف نازک سے وابستہ خوشی محسوس کی تھی۔ ارمان ہر انگ میں پھوٹ رہے تھے۔

"میں خود سے دھوکہ کرنے والوں میں سے ہوتی تو کہتی کہ تمہاری خاطر سب چھوڑ دوں گی۔ مگر میں ایسی نہیں ہوں۔ میں ڈیڈی کی ناراضگی مول نہیں لے سکتی اور جس لائف اسٹائل کی مجھے عادت ہے وہ ڈیڈی کے بغیر ناممکن ہے۔ تمہیں ڈیڈی کو قائل کرنا ہوگا۔" اس روز وہ بہت نازک، بہت سجی اور بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"یہ کام آگ میں کودنے سے بڑی آزمائش ہے۔ مگر تمہاری خاطر میں یہ بھی کرلوں گا۔" جبران نے آنسو پونچھنے کے بہانے اس کا گال چھوا۔ اسے شہرناز چاہیے تھی، اپنے رتبے اپنی خوب صورتی اور اپنی دولت کے ساتھ۔

☆☆☆

"میں سوچتا تھا کسی کو اپنا جانشین مقرر کروں گا تو وہ تم ہوگی۔ تم تو کاروباری مائنڈ رکھتی تھی۔ پیچیدہ مسئلوں کا جو حل تمہارے ذہن میں آتا ہے کوئی سوچ نہیں سکتا۔ مگر پچھلے دو سالوں سے یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ حماقت کے اوپر حماقت کر رہی ہو۔ پہلے اس فنکار کو پسند کر لیا اور اب یہ۔" سکندر بابر غصے سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے اسے کہہ رہے تھے۔

انہیں سچ میں لگا تھا کہ شہرناز کا دماغ خراب ہے جو راہ چلتے لڑکے کو پسند کر لیا۔ جبران ان سے ملنے آیا تھا۔ ٹینس پریکٹس کے لیے وہ اکثر نئے لڑکوں کے ساتھ کھیلتے تھے۔ جبران کو بھی وہ ایک شوقیہ کھلاڑی سمجھے۔ گیم جیت کر جبران نے تعارف کروایا۔ اس کے تعارف میں اگر خاندان ذرا بھی قابل قبول ہوتا تو وہ اتنا غصہ نہ ہوتے۔ وہ اس کی گیم سے جتنا متاثر ہوئے تھے اس کی باتوں سے اتنا بدک گئے۔

"شکل کے علاوہ اس میں ہے ہی کیا؟" سکندر سر پکڑے بیٹھے تھے۔ کیا یہ ان کی وہ بیٹی نہیں تھی جس پر انہیں فخر تھا۔

"وہ میرے لیے اپنی جان پر کھیل گیا تھا۔" شہرناز آنسوؤں سے التجا کر کے رو رہی تھی۔

"اس کا منہ مانگا انعام اسے دے دو۔ مگر شادی نہیں ہو سکتی۔ یہ تو اس ایکٹر سے بھی گیا گزرا ہے۔ کم از کم میں دنیا کا اس ایکٹر سے تعارف تو کروا سکتا تھا۔ بہتر خاندان کا تھا۔" سکندر بابر نے کہا۔

"آپ تو کہتے تھے کل نہ جہانزیب کا پیسہ رہے گا نہ فیم؟" شہرناز نے یاد کروایا۔

"اس لیے نہیں کہتا تھا کہ تم کسی فقیر کو اپنا دل دان کر دو۔"

"مگر مجھے اس سے محبت ہے۔ وہ میری خاطر کچھ بھی کر سکتا ہے۔" شہرناز ضد پر آئی۔

"میں اس کو دفتر میں اچھی نوکری لگوا دیتا ہوں۔ اس کو ابھی بہت محنت کی ضرورت ہے۔ تم ایسا کرو جہانزیب کو کھانے پر بلوا لو۔" سکندر کے کہنے پر شہرناز بچوں کی طرح رونے لگی۔ "میری جان میں تمہارے لیے بہتر فیصلہ کر رہا ہوں۔ اس جیسے لڑکے تمہارے شاپنگ بیگ اٹھانے کے لائق ہیں۔ جہانزیب کے پاس ابھی دولت اور رتبہ ہے۔ بعد میں بھی میں اس کے لیے اچھا بندوبست کر دوں گا۔ تمہیں چاہنے والے ہر گلی میں پیدا ہو جائیں گے۔ سب کا حل شادی نہیں ہے۔"

وہ بہت پیار سے اسے چپ کرواتے رہے۔ پھر اپنی ہدایت دہرا کر اس کی ماں سے مشورہ کرنے چلے گئے۔ شہرناز کمرے میں آ گئی آنسو پہلے ہی خشک تھے۔ اس نے فون اٹھا کر جہانزیب کو کال ملائی تو مسکراہٹ بے قابو ہو گئی۔

"آج کھانے پر آ جاؤ۔ میں نے ڈیڈ کو منا لیا ہے۔" وہ اپنا پلان مکمل ہونے پر بیڈ پر چڑھ کر اچھلی تھی۔

☆☆☆

اس نے فوٹو گرافی کی نوکری دوبارہ شروع نہیں کی۔ انعام میں ملی رقم اس نے سنبھال کر رکھی تھی۔ اپنا خرچہ وہ دوسروں کی کمائی سے نکال رہا تھا۔ پراپرٹی ڈیلر منصور نے اکسٹینشن ہاؤس کہہ کر جو گھر بیچے تھے اس میں سے مٹھائی کے پیسے جبران کو بھی دیے تھے۔ بعد میں دوسرے لوگوں نے ایسے ہی مختصر گھر بیچنے کی کوشش کی۔ تو اس کے ہی مشورے پر منصور نے ان کو بدنام کیا کہ اس گھر کی ایک ہی اچھی چیز ہے کہ باتھ روم میں نہاتے ہوئے کوئی گر نہیں سکتا کیونکہ باتھ روم ہے ہی اتنا مختصر۔ جو پاؤں پھسلا بھی تو سیدھا دیوار سے جا لگے گا۔ نہ آنگن نہ برآمدہ۔ تب بھی جبران کی چالاکی سے منصور کا کام ہی اچھا چلتا رہا۔

جبران کی باتوں میں آ کر ہوٹل والے بلو نے بھی اپنے دودھ میں پانی ملانا شروع کر دیا تھا۔ اس کا معیار گرا تو دھندے میں موجود دوسروں کو حوصلہ مل گیا۔ ساتھ والی دکان کے لیے تگڑا گاہک ملا اور بلو کو ٹکر دینے لگا۔ ربڑی میں اب وہ بات نہیں رہی تھی مگر اب جبران، بڑے ہوٹلوں کی پڈنگ کے ارمان دل میں لیے پھرتا تھا۔ نوکری کیا ڈھونڈنی اب ایک ہی بار سکندر بابر کے دفتر میں مالک کی کرسی پر بیٹھے گا۔

یہی سوچتے کئی دن گزر گئے، پھر ایک دن اخبار کی سرخی کے ساتھ شہرناز اور جہانزیب کی شادی کی رنگین تصویر اس کا منہ چڑاتی اس کے سامنے تھی۔

☆☆☆

اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اسے ایسے استعمال کیا گیا ہے۔ ہر اخبار اور ہر رسالے میں جہانزیب اور شہرناز کی شادی کی تصویریں تھیں۔ دو دن بعد اس کے ہاتھ میں شہرناز کا خط تھا۔

"میں نے کہا تھا میں شہزادی نہیں چڑیل ہوں۔ مگر میں اتنی بری بھی نہیں ہوں۔ ڈیڈ کی کمپنی میں تمہارے لیے اچھی نوکری کا انتظام کیا ہے۔ اپاؤنٹمنٹ لیٹر ساتھ دے رہی ہوں۔"

شہرناز نے نہ معافی مانگی تھی نہ تسلی دی تھی۔ شکریہ کہا تھا۔ اس کے ہر لفظ سے اس کے پلان کی کامیابی پھوٹ رہی تھی۔ وہ گنگ بیٹھا رہا۔ اس کے جذبات سے کھیل کر کیسے اس کا منہ انعام سے بند کر دیا گیا تھا۔ وہ تلملا رہا تھا۔ جیسے اس کی حیثیت کا مذاق بنایا گیا ہو۔ اسے کون سا شہرناز سے ایسی محبت تھی کہ اس کے بغیر مر جاتا۔ اس کا دل آیا تھا جیسے اس کی گاڑی پر آیا تھا۔ اس پر بھی آ گیا تھا۔

دل کے کسی کونے نے اسے نیلم کے ساتھ کی گئی ناانصافی یاد کروائی۔ اس نے وہ کونا بند کر کے اپاؤنٹمنٹ لیٹر اٹھا لیا۔ جہاں کبھی مالک بن کر بیٹھنا چاہتا تھا۔ اس دفتر میں ایک معمولی سی نوکری تھی۔ شہرناز کا اسے استعمال کرنا بدقسمتی تھی اور اس نوکری کا ٹھکرانا خودکشی کے مترادف تھا۔ بے وقوف وہ بھی نہیں تھا کہ اس موقع کو گنوا دیتا۔ اس لیے دل کڑا کر کے نوکری کر لی۔ زندگی میں کوسنا ہی لکھا تھا تو پھر بھرے پیٹ کے ساتھ کوسا جائے۔

☆☆☆

"اپنے ابو کے لیے گہرے رنگ میں اونی جرابیں لے آنا۔ تمہارے خالو ایک دفعہ انگلینڈ سے لائے تھے۔ بہت عرصہ چلی تھیں۔ پھسلتی بھی نہیں۔" امی نے تفصیل سے بتایا۔

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

"سب کے لیے کچھ نہ کچھ بتا دیا۔ اپنے لیے کچھ بھی نہیں کہا۔" دانیا ہوٹل بالکنی سے شہر دیکھ رہی تھی۔

"میرے لیے یہی کافی ہے کہ تم خیر سے آؤ۔" انہوں نے کہا۔

"دیکھنا آپ کے لیے میں سب سے بیسٹ چیز لاؤں گی۔" اس نے وعدہ کیا۔

"ولید کی امی شادی کی ڈیٹ رکھنے آنا چاہتی ہیں۔ اب تو تم چند دنوں کی مہمان ہو۔" امی کے لہجے میں محبت تھی۔

"امی! آپ کو ولید اچھا لگتا ہے؟" اس نے سادگی سے پوچھا۔

"اچھا لگتا ہے تب ہی تو اپنی بیٹی اسے دے رہی ہوں۔ کیوں تم خوش نہیں ہو؟" ماں نے اس کی اداسی محسوس کی۔

"کبھی سامنے رہ کر جو چیز اوجھل رہتی ہے دور جا کر سمجھ آجاتی ہے۔ پہلے دن سے ولید نے مجھے چاہنے کا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن قربانی وہ مجھ سے مانگ رہا ہے۔ میں نے بغیر ثبوت کے اس کی محبت کو قبول کر لیا تھا مگر اسے "ثبوت چاہیے۔" دانیا نے کہا۔

"دانیا، وہ اچھا لڑکا ہے۔" امی نے سمجھانا شروع کر دیا۔

"مجھے بدل جانے والوں سے گلہ ہوتا ہے۔ منگنی تک میں اس کی آئیڈیل تھی۔ پھر میری خود اعتمادی اور نوکری کے لیے اس کا رویہ بدل گیا۔ وہ ہر روز اپنی سوچ بدلے گا اور مجھے اپنی سوچ کے مطابق بدلنا چاہے گا۔ میں یوں بار بار نہیں بدل سکتی" دانیا کنفیوز تھی۔

"پھر کیا چاہتی ہو؟" امی پریشان ہوئیں۔

"میں چاہتی ہوں ان آسمانوں سے ہی کوئی جواب اترے اور مجھے رستہ دکھا دے۔" اس نے نظر اٹھا کر ستاروں سے بھرے آسمان کو دیکھا۔

اسے آسمان سے بھی وہ انس تھا جو لوگوں کو زمین سے ہوتا ہے۔

☆☆☆

اس نے نوکری شروع کر دی اور محنت سے کام کرنے لگا۔ پہلے وہ ہوائی قلعے بناتا تھا۔ اس نوکری سے جیسے اس قلعے کو زینے مل گئے۔ ڈپٹی منیجر بنے گا تو تنخواہ بڑھے گی۔ بونس ملے گا۔ منیجر بنے گا تو گاڑی اور فیول۔ جی ایم بنے گا تو گھر کا رینٹ اور ڈرائیور کی تنخواہ بڑی گاڑی، بڑی مراعات،۔ وہ منزل پر نظر ڈال رہا تھا۔ سکندر بابر بہت بڑے آدمی تھے۔ اس جیسے تھرڈ ورکر تو اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتے تھے۔ وہ اسی میں خوش تھا۔ سامنے آتا تو وہ ٹینس پیج یاد آجاتا جب اس نے چوڑی چھاتی کے ساتھ ان کی لاڈلی بیٹی کا رشتہ مانگا تھا۔ پھر انہیں بھی یاد آجاتا کہ کیسے وہ بے وقوف بنایا گیا تھا۔ مگر اس کی پرسنالٹی چھپنے والی نہیں تھی۔

اس کا شاطر دماغ، ہر وہ حربہ جانتا تھا جو انگلی ٹیڑھی کر کے پورا کیا جائے۔ چند مہینوں بعد اس کا سکندر بابر سے سامنا ہونے لگا۔ وہ بڑے آدمی تھے۔ پچھلا سب بھول چکے تھے۔ جبران کو بھی حوصلہ ملا۔ سکندر بابر کا بزنس وہ گلیشیر تھا، جو جتنا پانی کے اوپر تھا اتنا یا اس سے زیادہ پانی کے نیچے تھا۔ ان کے پورے ملک میں سپر اسٹور تھے۔ دادا نے سپر اسٹور بنایا۔ ابا نے پورے ملک میں اس کا جال بچھا دیا۔ سکندر بابر نے ان اسٹور میں بکنے والے پروڈکٹ بھی خود بنانے شروع کر دیے۔ خاص کر خشک گراسری اور کھانے پینے کا زیادہ تر سامان وہ خود بناتے تھے۔

حال ہی میں بچوں کے لیے ایک چاکلیٹ بنائی تھی۔ بچوں میں ذائقہ ناپسند کیا گیا تھا۔ وہ اس پروڈکٹ کو ختم کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ میٹنگ میں یہی فائنل ہو رہا تھا۔

"سب رضامند ہیں تو پھر اس کو کینسل کر دیتے ہیں۔ اس پر کتنا لوس ہو چکا ہے؟" سکندر بابر نے پوچھا۔

"سر، میرا ووٹ کاؤنٹ نہیں کرتا مگر میں مشورہ دوں گا کہ اس پروڈکٹ کو چلنے دیں۔" جبران بولا۔

"تم کون؟" واقعی وہ سکندر بابر کو یاد نہیں تھا۔

"منیجر جبران۔" اس نے تعارف کروایا۔

"میں ایک منیجر کی بات کیوں سنوں جب ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ کا فیصلہ سامنے ہے؟" سکندر بابر نے ذرا رعب اسے کہا۔

"تاکہ آپ کا لوس پرافٹ میں بدل سکے۔ میں نے سروے کرایا ہے تو معلوم ہوا ہے یہ چاکلیٹ بچوں کی بجائے بزرگوں میں مقبول ہے۔ وہ اسے انرجی بار کی طرح استعمال کرتے ہیں۔" جبران نے بتایا۔

"مطلب چند عمر رسیدہ لوگوں کے لیے پروڈکٹ جاری رکھیں؟ مجھے بزرگوں کی دعا چاہیے ہو گی تو اس کے اور بھی طریقے ہیں۔" سکندر بابر نے کہا اور سب جبران پر ہنسنے لگے۔ سکندر بابر نے پہلی بار دفتر میں اسے بولتے سنا تھا۔

"سروے کے مطابق یہ چند بزرگ نہیں ہیں۔ بڑی تعداد میں لوگ ہیں۔ آپ پروڈکٹ یہی رہنے دیں اور ٹارگٹ آڈینس بدل لیں۔" جبران نے پورا کیس پیش کیا۔ اس کا بتایا حل کارگر ثابت ہوا۔ چاکلیٹ کا نام بدلا گیا نہ پیکنگ۔ صرف اشتہار بدل کر وہ ان کے مشہور پروڈکٹس میں سے ایک ہو گئی تھی۔ ان کے اسٹورز کے علاوہ وہ اب دوائیوں کی دکان پر بھی ملنے لگی تھی۔ تب جبران پہلی بار سکندر بابر کی نظر میں آیا اور جیسے آنکھوں کا نور گیا۔

☆☆☆

وہ مسلسل ترقی کر رہا تھا اس نے گھر لے لیا تھا۔ ماں باپ کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔ بھانجے بھتیجوں کی لائف سیٹ کروا رہا تھا۔ اس کی ماں نے اس کی منگنی کروا دی تھی۔ جو اس لیے ختم ہو گئی کیونکہ لڑکی کو وہ غیر دیانت دار لگا تھا۔ جبران کو بھی خوشی تھی وہ ہر جا کتا پل اپنے کام کو دینا چاہتا تھا۔ اس دفتر میں جب اس کے قدم اچھی طرح جم گئے اور جڑیں پھیلنے لگیں تو زندگی میں شہرناز کی واپسی ہو گئی۔

☆☆☆

وہ دفتر آنے لگی تھی۔ اس کی پرسنل لائف مہینوں، اخباروں کی زینت بننے کے بعد کچھ عرصے سے بیک گراؤنڈ میں چلی گئی تھی۔ جہانزیب کا نام اب دوسری چوٹی کی اداکاروں کے ساتھ آتا تھا۔ جن میں سے ایک سرحد پار کی کو در کر بھی تھی۔ سب کو لگا شہرناز اپنے خوبرو شوہر کی رنگین زندگی سے نظر بچانے کے لیے دفتر آئی ہے۔ مگر سب بہت جلد سمجھ گئے تھے کہ وہ جس کرسی پر بیٹھی تھی اسے اپنی ذہانت کے بل بوتے پر ڈیزرو کرتی تھی۔ کمپنی کے پاس اتنے وسائل تھے کہ ایک نیا پروڈکٹ بنا سکیں۔ اس لیے جبران اور شہرناز دونوں نے پریزنٹیشن دی تھی۔ جبران سلیکٹ ہو گیا تھا۔ اس دن دفتر میں پہلی بار وہ خود شہرناز کے پاس گیا تھا۔

"میرا آئیڈیا آسان تھا۔ رسک کم تھا اس لیے سلیکٹ ہوا۔ دل پر نہ لو۔ آؤ کہیں باہر چلتے ہیں۔ تمہارا آئیڈیا سلیبریٹ کریں گے اور میری سلیکشن بھی۔" وہ دوستانہ انداز میں بولا حالانکہ وہ اس کی باس لگتی تھی۔

"چلو چلتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ تم میرے آئیڈیے کا ذکر نہیں کرو گے۔ میں اس ریجیکشن کو بھولنا چاہتی ہوں۔" وہ پرس اٹھا کے آگے آگے چلنے لگی۔ اس کا بھی دفتر میں دم گھٹ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک ریسٹورنٹ میں ٹھنڈا مشروب پی رہے تھے۔

"تمہارا آئیڈیا اچھا ہے۔ آج نہیں تو کل سر مان جائیں گے۔" اس نے تسلی دینا چاہی۔ شہرناز نے ٹھنڈی آہ بھری پھر ٹھنڈا گھونٹ بھرا۔

"شادی نے تو تمہاری شوخی ختم کر دی ہے۔ کہاں گئی وہ چڑیل جو جنوں سے ٹکر لے لیتی تھی۔" جبران نے مذاق اڑایا۔

"اس نے جنوں کو چھوڑ کر ایک بے وقوف بونے سے شادی کر لی۔ اب خود سے ہی باتیں کرتی ہے۔ کیونکہ بونا تو اس کی باتیں سمجھنے کے لائق نہیں۔ جانتے ہو جب اس کے افیئرز کی خبر آتی ہے۔ تب میرا دل نہیں ٹوٹتا لیکن جب میں کوئی بہترین بزنس

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

آئیڈیا سوچتی ہوں اور اس کے سر کے اوپر سے گزر جاتا ہے، تب میرا دل دکھتا ہے۔ جیسے ایک حسن کے دیوتا کے اندر ایک بے وقوف بونے کا دماغ ہو۔ پہلے مجھے صرف اس کا حسن نظر آتا تھا، اب مجھے صرف اس کا دماغ دکھتا ہے۔" وہ جیسے یہ سب کہنے کو بے تاب تھی۔ جبران نے حوصلے سے سنا۔

ماضی کی کوئی بات ان دونوں نے نہیں کہی تھی۔ کیونکہ کہنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ دونوں سمجھتے تھے۔ جیسا ہوا ویسا ہی ہونا تھا۔

"ایسا دنیا کے پچانوے فیصد مردوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ تم ضرورت سے زیادہ ہی ذہین ہو۔" جبران نے کہا۔

"لیکن ڈیڈ کو اب بھی مجھ پر بھروسہ نہیں۔" اس نے دوبارہ مینو دیکھنا شروع کر دیا۔ اسے بھوک لگی تھی۔

"تم اپنا بزنس خود اسٹارٹ کر سکتی ہو۔ اتنا سرمایہ تو تمہارے پاس بھی ہوگا۔" جبران نے مینو دیکھے بغیر ہی اپنے لیے سیزر سلاڈ آرڈر کر دیا۔

"مطلب میں اپنا الگ بزنس اسٹارٹ کروں؟" شہر ناز نے حیرت سے پوچھا۔

"وائی ناٹ؟" جبران نے دگنی حیرت سے کہا۔

☆☆☆

شہر ناز نے میک اپ لائن شروع کی تھی۔ سامان باہر سے بن کر آتا تھا۔ بزنس جمنے لگا۔ شادی مزید اکھڑنے لگی۔ آخر اس کی اور جہانزیب کی علیحدگی ہو گئی۔ وہ اور جبران پاس آنے لگے۔ انہیں ایک دوسرے میں حال بھی نظر آتا تھا اور مستقبل بھی۔ وہ نوعمری کی محبت نہیں تھی۔ بلکہ وہ رومانوی بات کرتے ہی نہیں تھے۔ وہ بزنس ڈسکس کرتے تھے۔ ملکی غیر ملکی صورت حال پر تبادلہ خیال کرتے تھے۔ جبران اخبار میں بزنس کالم لکھنے لگا تھا۔ اس بار جب شہر ناز نے سکندر بابر سے اپنی اور جبران کی شادی کی بات کی تو بیچ میں کوئی بھی دھوکہ نہیں تھا۔ سکندر بابر نے خوشی سے ہامی بھر لی تھی۔ جبران اب نوباڈی نہیں رہا تھا۔ شادی کے بعد جبران نے شہر ناز کے باہر بننے والے میک اپ کے، کچھ پروڈکٹس کو اسی معیار پر ملک میں بنانا شروع کر دیا تھا۔ لاگت کم ہو گئی تھی اور منافع بڑھ گیا تھا۔ اس کے بعد وہ ہر کام پارٹنر شپ کے لیول پہ کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

وہ ہوٹل واش روم میں شیو کر رہا تھا اپنے، ملک میں وہ جتنا بھی بڑا ہوا ہو باہر آ کر اپنی پیکنگ خود ہی کرتا تھا۔ کچھ ہی دیر میں اس کی فلائٹ تھی۔ وہ جس میٹنگ کے لیے آیا تھا وہ کامیاب رہی تھی۔ کامیابیاں سمیٹتے ہوئے وہ اتنا بڑا ہو گیا تھا کہ اب ہر کامیابی چھوٹی لگتی تھی۔ آج کل وہ ضرورت سے زیادہ بے چین تھا۔ اس نے اچھی خوش گوار زندگی گزاری تھی۔ شہر ناز کے ساتھ میاں بیوی والے معمولی جھگڑوں کے علاوہ کوئی بڑا اختلاف نہیں ہوا تھا۔ وہ اچھی بیوی تھی اچھی ماں تھی۔ ایسی نازک بھی نہیں تھی کہ ہر قدم پھونک پھونک کے اٹھانا پڑے۔ وہ کوئی غلطی کرتا تھا تو لڑ جھگڑ کے بھول جاتی تھی، وہ اچھائی کرتا تھا تو خوش ہو جاتی تھی۔

بچوں کی پیدائش پر، اس نے اپنے ورک آؤٹ، ڈائٹنگ سب کو چھوڑ کر بالکل گھریلو روپ اپنا لیا تھا۔ جبران کو جب اس کا وہ روپ بھی بہت اچھا لگا تب اسے سمجھ آئی کہ اسے شہر ناز سے واقعی محبت ہو گئی تھی۔

پھر اب یہ دل بے چین کیوں تھا؟ اس نے ریزر لینے کے لیے، لیدر کی شیونگ کٹ کے اندر جھانکا۔ پچھلے پندرہ سالوں سے وہ یہی شیونگ کٹ استعمال کر رہا تھا۔ جو چیز پرانی ہوتی اس کی جگہ نئی آ جاتی۔ مگر بیگ یہی رہا تھا۔ اس نے ریزر، ٹرمر، کاٹن بڈ، نیل کٹر، ماؤتھ واش سب نکال کر رکھ دیا۔ اب صرف اندرونی قدرے پوشیدہ خانے میں ایک لپٹا ہوا گلابی کپڑا تھا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے کپڑا نکال کر کھولا۔ دو سنہری پتیوں کا دائرہ اور اندر ایک سفید موتی جڑا تھا۔ دو ٹاپس۔ نیلم کے

ٹاپس۔ اسے وہ دن یاد آ گیا تھا جب اس نے یہ لیے تھے۔

☆☆☆

شہر ناز سر سے پاؤں تک پسینے میں تر بتر تھی۔ اس نے بے بی ویٹ حیرت انگیز تیزی سے کم کیا تھا۔ اس کے بال ڈائی کروا کر کافی کھردرے ہو چکے تھے۔ میک اپ سے پاک چہرے پر، چھائیاں بھی تھیں۔ وہ جوگنگ شوز میں دوڑ رہی تھی اور ہلکان ہو رہی تھی۔

"ہیلو گارجس۔" جبران اسے آتا دیکھ کر کار سے نکل گیا۔

"تم واحد ہو جو مجھے اس حلیے میں بھی گارجس کہتے ہو۔" شہر ناز کمر پکڑ کر سانس لے رہی تھی۔

"میں اب بھی جھوٹ بولتا ہوں۔" جبران نے اسے بتایا۔

"میں اب بھی تمہارے سارے جھوٹ پکڑ لیتی ہوں اور یہ جھوٹ نہیں تھا۔" شہر ناز نے اترا کر کہا۔ وہ ایک جیولری شاپ کے سامنے تھے۔ ان کی شادی کی ساتویں سالگرہ انہوں نے اپنے دبئی والے گھر میں منائی تھی۔ شہر ناز نے اس کے لیے بہترین گاؤن اور سفائر کا سیٹ بنوایا تھا۔ وہ وہی دیکھنے آئے تھے۔ جبران کسی دوست سے مل کر آ رہا تھا۔ جبکہ شہر ناز نے اپارٹمنٹ سے شاپ تک جاگنگ کی تھی۔ مہینوں بعد وہ دوبارہ اپنے اوپر توجہ دینے لگی تھی۔ آخر کو اسے اس ڈریس میں فٹ آنا تھا۔ شہر ناز مڑی اور دکان کا دروازہ دھکیل کر اندر چلی گئی۔ لوگوں کے اندازے کے برعکس دونوں کی پہلی انیورسری سے پہلے ہی ان کا بیٹا ہو گیا تھا۔ وہ پہلے تین سال میں دو بچوں کے والدین تھے۔ بزنس کی دنیا تسخیر کرنے کے بعد شہر ناز نے اس رول کو بھی خوب انجوائے کیا تھا۔ پھر وہ دوبارہ بزنس کی طرف پلٹی تھی۔ اب سات سال میں تیسری اولاد پیدا کی تھی۔

"سارے سفائیر ایک ہی سائز کے ہیں۔ یہ سینٹر والا بڑا ہونا چاہیے۔" وہ جیولر کو اپنے کسٹم پیس کے بارے میں ہدایات دے رہی تھی۔

تب ہی جبران کی نظر ایک اور شیلف میں موجود ان بندوں پر پڑی۔ اپنی اور شہر ناز کی شادی کے بعد پہلی بار اسے نیلم یاد آئی تھی۔ جسے اس نے سات ہزار کی معمولی رقم کے لیے دھوکہ دیا تھا۔

"کیوں نہ بیچ والا نیلم بڑا کر دیں؟" جیولر نے اسے گم سم دیکھ کر پوچھا۔ وہ چونک کر سیدھا ہوا۔ انہیں کیسے پتا لگا کہ وہ نیلم کو یاد کر رہا تھا۔

"نیلم......کون نیلم؟" اس نے ایسے کہا جیسے دل پھٹ کر سارے چور باہر نکال دے گا۔ جیولر اور شہر ناز دونوں ہنس پڑے۔

"نیلم مطلب سفائر۔ یہ بیچ والا سفائر تھوڑا بڑا نہیں ہونا چاہیے؟" شہر ناز نے پوچھا۔

جبران نے گول مول جواب دیا۔ اس کا یہ دل قابو میں تھا نہ سانسیں۔ جیسے آئینہ دیکھ لیا ہو۔ اس کے لنچ کا بل بھی سات ہزار سے زیادہ ہی آتا تھا۔ اس نے سات ہزار کے لیے، کسی کی سب سے خوب صورت چیز لے لی تھی۔ وہ آج جہاں بھی تھا اس میں ٹرننگ پوائنٹ وہ سات ہزار تھے۔ اس طرح نیلم اس کی پہلی انویسٹر تھی اور اس کی کمائی میں نیلم کا بھی حصہ تھا۔ اس دن اس نے وہ ٹاپس خرید لیے تھے۔ کہیں زندگی کے کسی موڑ پر نیلم مل جائے تو وہ اسے لوٹا سکے۔ مگر کیا زندگی اتنی مہربان تھی کہ اسے یہ موقع دیتی؟ یہ یاد کرتے ہوئے اس نے دو نیند کی گولیاں پھانک لی تھیں۔

☆☆☆

وہ اتنی منظم تھی کہ لیٹ نہیں ہوتی تھی۔ واپسی کی فلائٹ کے لیے بھی وہ کان کے مدھم درد کے باوجود پورے وقت ایئر کرافٹ میں موجود تھی۔ سواریوں کو ان کی سیٹ پر گائیڈ کرتے ہوئے وہ مسکرا رہی تھی۔ جب اس نے مسٹر جبران کو ایئر کرافٹ میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ اپنی عمر سے فٹ تھا۔ مگر اس دن لال سرخ ہو رہا تھا۔ وانیا نے پہچان لیا۔ یہ وہی مسافر تھا جس نے پچھلی فلائٹ میں ان کی ایئر لائن کو برا بھلا کہا

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

تھا اور اب دوبارہ اس میں سوار ہونے آرہا تھا۔ وانیا وہی کیبن کریو تھی جس نے اسے کہا تھا کہ آئندہ اس ایئر لائن میں قدم نہ رکھنا اور اب ڈیوٹی کے مطابق اس نے خندہ پیشانی سے اس کو ویلکم کیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو پہچان کر بھی انجان بنے رہے۔

☆☆☆

وانیا سروس ٹرالی لے کر جب جبران کے پاس پہنچی تو وہ بہت پسینے میں، سرخ تھا اور ہانپ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی بدتمیزی سے بولا۔

"مجھے پانی چاہیے۔" ہر لفظ کوڑے کی طرح مارا گیا تھا۔ وہ بدلحاظ انسان تھا، مگر پچھلے کچھ دنوں کی بے چینی نے اب اس کی صحت پر اثر ڈالنا شروع کردیا تھا۔ وانیا نے اس کی طرف پانی بڑھا دیا۔ وہ اس وقت باقاعدہ پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔

"سر، آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" وانیا نے نرم لہجے میں پوچھا۔

اسٹوڈنٹ بدتمیزی کرتے ہیں، پھر بھی ٹیچر نرمی قائم رکھتی ہے۔ جو مریض جھگڑا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ان کا بھی علاج اتنی ہی توجہ سے کرتے ہیں۔ وانیا بھی ایسے ہی پیشے میں تھی جہاں وہ ہر حال میں اپنا فرض پورا کرتی تھی۔

"مجھے بخار ہے، میں نے دوائی لے لی ہے۔" جبران نے روکھے انداز میں کہا اور پانی لبوں سے لگالیا۔

وانیا اور سارہ نے جبران کے سامنے ٹرے میں کھانا رکھا اور آگے بڑھ گئیں۔ ابھی وہ چند قدم ہی آگے گئی تھی کہ جبران کو ٹھسکا لگا اور وہ بری طرح کھانسنے لگا۔ اس کے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ وانیا اس کی طبیعت کے بارے میں پہلے ہی الرٹ تھی فوراً اس طرف بڑھی۔ جبران پسینے میں شرابور ہانپ رہا تھا۔ جیسے جان نکل رہی ہو۔ وانیا نے کھانا ریموو کرکے، جبران کو جگہ فراہم کی اس کی شرٹ کے بٹن کھولے۔ ٹائی اتاری تاکہ وہ کھل کر سانس لے سکے۔

"سر آپ کو کیا فیل ہو رہا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"درد۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر مشکل سے بولا۔

وانیا کی معلومات کے مطابق یہ معمولی درد نہیں تھا بلکہ ہارٹ اٹیک، جیسی تشویش ناک بات تھی۔ اس نے وہیں سے نظریں پھیر کر سارا کو دیکھا جو فوراً کھانے کی ٹرالی سائیڈ پر کرکے اناؤنسمنٹ کے لیے بڑھی۔

"کیا اس وقت فلائٹ میں کوئی ڈاکٹر موجود ہے۔ اگر ہے تو کیبن کریو کو اپنی موجودگی کی اطلاع دیں۔"

سارہ نے اناؤنسمنٹ دو دفعہ دہرائی۔ وہ دعا کرنے لگی کہ کوئی ڈاکٹر آجائے۔ ڈاکٹر نہ ہونے کی صورت میں پائلٹ قریب ترین ایئر پورٹ پر ایمرجنسی لینڈنگ کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ سارا روٹ ڈلیوری سے لے کر سی۔ پی۔ آر کی مشینیں تھیں۔ جو صرف ایک ڈاکٹر کو استعمال کرنے کی اجازت تھی۔ سارہ نے دونوں کٹس لاکر وانیا کے پاس رکھ دیں۔ وانیا نے ایئر ویز کٹس کھول دیے۔ بغور جبران کو دیکھتے ہوئے اسے اس کی خستہ حالت کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کی حالت کی واحد تسلی بخش بات تھی کہ وہ ہوش میں تھا۔ مگر مزید کتنی دیر تک؟

"میں اپنی بیوی بچوں کو کبھی نہیں دیکھ سکوں گا۔ میں اس کو اس کے بندے واپس نہیں کرسکوں گا۔" جبران کو موت نظر آرہی تھی وہ بڑبڑانے لگا۔

"سر، سب ٹھیک ہوجائے گا۔ آپ لمبے سانس لیں۔" وانیا نے اس کا ہاتھ سہلایا۔ اتنے میں ایک پتلا دبلا گنجے سر والا مرد ان کی طرف آگیا۔ ساتھ دوسرا کیبن کریو عمران بھی موجود تھا۔

"میں ڈاکٹر ہوں۔" اس بندے نے وانیا کو کہا۔

اصول کی بات یہ تھی کہ جو کیبن کریو شروع سے ایمرجنسی ہینڈل کر رہا ہے۔ وہی اس مینیجر کو اٹینڈ کرے گا۔ دوسرا کریو اس کی مدد کرسکتا ہے۔ مگر اس

سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس موقع پر وانیا آٹومیٹکلی وہ کریو ممبر بن گئی تھی جس کی ذمہ داری اب جبران کا خیال رکھنا تھا۔ ڈاکٹر نے جبران کی نبض پکڑ لی۔ جسے جبران نے جھٹکے سے چھڑایا۔

"جاؤ سارے۔" وہ اپنے آخری لمحوں میں دخل اندازی نہیں چاہتا تھا۔ ڈاکٹر نے وانیا کی طرف دیکھا۔ مریض کا تعاون اہم تھا۔ وانیا نے فوراً گیلا تولیہ پکڑا اور جبران کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ کر اس کے ماتھے اور کنپٹی پر پھیرنے لگی۔

"آپ کی فیملی میں کون کون ہے؟" اس نے دھیان بٹانے کے لیے ذاتی سوال پوچھا۔

"شہر ناز، فراز سونیا امی جی، نہیں، امی جی تو فوت ہوگئیں۔" اس کے ذہن میں اپنے دوسرے بیٹے کا نام نہیں آرہا تھا۔

"وہ بندے میری جیب میں...... بندے ہوں گے۔" وہ بے سروپا بول رہا تھا۔ ڈاکٹر کو اس کا معائنہ کرنے کا موقع مل گیا۔ جبران نے اپنی کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالنا چاہا۔ جو جا نہیں رہا تھا۔ وانیا نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ ٹاپس نکالے۔ وہ سو فیصد نیلم کے ٹاپس جیسے نہیں تھے۔ ان کی چیاں فرق تھیں۔ موتی بھی قدرے لمبوترا تھا۔ پھر بھی اس کے قریب ترین چیز تھی۔

"سر، یہ میں سنبھال کر رکھ رہی ہوں۔ آپ کی امانت ہے۔ آپ مجھے اپنی بیوی کے بارے میں بتائیے وہ کیا کرتی ہیں؟" وانیا دیکھ رہی تھی کہ گیلے تولیے سے جبران پرسکون ہوتا جارہا ہے۔ ڈاکٹر ایمرجنسی کٹ کا معائنہ کر رہا تھا کہ کون سے انجیکشن موجود ہیں۔

"وہ میرا اعتبار نہیں کرتی۔ جھوٹ پکڑ لیتی ہے۔ اس لیے میں اسے کبھی دھوکہ نہیں دیتا۔ بہت اچھی ہے۔ لیکن وہ اس سے بھی زیادہ اچھی تھی۔ جس نے اپنی سب سے قیمتی چیز مجھے دے دی تھی۔ اس کو میں نے دھوکہ دیا وہ اب مجھے بہت یاد آتی ہے۔ کاش مرنے سے پہلے میں اسے یہ ٹاپس واپس دے سکتا۔

کفارہ ادا کرسکتا۔ میں نے محبت کی توہین کی تھی۔" اس کی زندگی جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی۔

وہ اتنی ذاتی باتیں بالکل اجنبی لڑکی سے کر رہا تھا۔

"جب آپ نیت کرلیتے ہیں تو نیکی قبول ہوجاتی ہے۔ آپ کی معافی بھی قبول ہوگی ہے۔ آپ تسلی رکھیں۔"

اس کی باتوں سے جبران کو حوصلہ ہونے لگا۔ وانیا نے تولیے کا کونا موڑ کر اس کے سینے اور کندھوں کو نم کیا۔ اتنے میں ڈاکٹر نے ایک انجیکشن تیار کرلیا تھا اور تب تک ایک دوسرا ڈاکٹر بھی پہنچ چکا تھا۔ دونوں ڈاکٹرز میڈیکل ٹرم میں مشاورت کر رہے تھے۔

"سچے جذبوں کو دھتکارنے والے کے ساتھ یہی ہوتا ہے۔ میں نے اس بھولی لڑکی کو جو دھوکہ دیا تھا وہ میرے آخری لمحوں میں بھی میرے ساتھ ہے۔ یہ میری سزا ہے کہ مرنے سے پہلے اپنی بیوی بچوں کو نہیں دیکھ سکوں گا۔ کوئی میری غلطی نہ دہرائے۔" وہ اب ایسا نڈھال تھا جیسے کسی بھی لمحے آنکھیں اپنی ابدی نیند سو جائیں گی۔ اس نے یہ سب سوچا تھا کہا نہیں گیا تھا۔ اتنے میں ڈاکٹر نے انجیکشن لگادیا۔

"آپ بالکل ٹھیک ہوجائیں گے۔ حوصلہ رکھیں۔" ڈاکٹر خود پر یقین نہیں تھا۔ مگر اس نے جبران کو پورے اعتماد سے تسلی دی۔

ڈاکٹر کچھ فاصلے پر بیٹھ کر دیکھ رہے تھے۔ وانیا مسلسل جبران کو اسفنجنگ کر رہی تھی۔ جبران کی طبیعت بحال ہونے لگی۔ اس میں جیسے ہی زندگی کی رمق دوبارہ دوڑی اس نے رونا شروع کردیا۔ وہ بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ عمر بھر کی پشیمانیاں اس کے ساتھ تھیں۔ بڑے دھوکے دیے، ہر کام انگلی ٹیڑھی کرکے نکالا مگر وہ پہلا دھوکہ سینے میں کھب گیا تھا۔

"کیا تھا جو میں اس کے بندے نہ بیچتا کہیں اور سے پیسوں کا انتظام کرلیتا۔"

اس کے چہرے کا تو نور ہی اجاڑ دیا۔" جبران

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

کے دل میں شہرناز اور بچے بھی تھے۔ مگر زبان پر صرف نیلم کے لیے معافیاں تھیں۔

"وہ اچھی لڑکی تھی اس کے ساتھ برا نہیں ہوا ہوگا۔ آپ نے خدا سے معافی مانگ لی ہے۔ آپ کا پشیمان ہونا ہی آپ کی معافی ہے۔" وانیا اور جبران کے درمیان اب ایک ان کہا کنکشن بن گیا تھا۔

"آپ بہت اچھی بچی ہو میں نے آپ کے ساتھ بدتمیزی کی تھی۔ پھر بھی آپ نے میرا خیال رکھا۔" جبران شرمندہ ہوا۔

"کوئی بات نہیں سر۔ آپ کی طبیعت بہتر ہو رہی ہے میرے لیے یہی اہم ہے۔" وہ مسکرائی اور اٹھ گئی اس نے اپنی سیٹ ڈاکٹر کو دے دی جو اب جبران کی نگرانی کر رہا تھا۔

☆☆☆

کچھ دیر بعد جب وانیا دوبارہ جبران کو چیک کرنے گئی تو وہ بہت بہتر حالت میں تھا۔ لینڈنگ میں تھوڑا سا ہی وقت رہ گیا تھا۔

"تمہیں کبھی بھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے یاد کر لینا۔" جبران نے اپنا کارڈ وانیا کی طرف بڑھایا۔ وہ اس کا آفیشل کارڈ نہیں تھا۔ بلکہ ذاتی کارڈ تھا۔ جس میں صرف اس کا نام اور فون نمبر تھا۔ وانیا نے مسکرا کر کارڈ پکڑا۔

"شکریہ سر، لیکن مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ یہ میری ڈیوٹی تھی۔" اس نے مروت میں لیا کارڈ جیب میں ڈال لیا۔ ہاتھ جیسے ہی جیب میں گیا تو ان موتیوں سے ٹکرایا۔ وانیا نے وہ ٹاپس نکال کر جبران کی طرف بڑھائے۔

"سر! یہ آپ کی امانت۔"

جبران نے وہ ٹاپس پکڑے اور بہت محبت سے انہیں دیکھنے لگا۔ وانیا کو ولید یاد آیا۔ اس نے ابھی بھی اس کی دی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ پہلی محبت اور اس کی اہمیت کا احساس ہوا۔ اگر وہ ولید کو چھوڑ دے گی تو شاید اس آدمی کی طرح ہو جائے۔ جس کے پاس سب تھا مگر پہلی محبت کا سکھ نہیں تھا۔

پھر جبران نے وہ ٹاپس بڑھا کر وانیا کے ہاتھ پر واپس رکھ دیے۔

"یہ آپ رکھ لو۔ اس سے پہلے ان کی حقیقت کسی کو نہ بتائی تھی نہ آئندہ کبھی کسی کو بتا سکوں گا۔"

ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ڈاکٹر سب سن رہا تھا۔ مگر سمجھ نہیں رہا تھا۔

"نہیں جناب، میں یہ نہیں لے سکتی۔" وانیا نے ٹاپس واپس کر دیے۔

"مجھے کفارہ ادا کرنا ہے۔ پھر ہی دل کو سکون آئے گا۔ آپ رکھ لو میں سمجھوں گا میرا کفارہ ہو گیا۔ اس کو کسی دھوکے باز کی نشانی نہ سمجھے گا۔ بلکہ ایک معصوم لڑکی کے ارمانوں کی طرح رکھیے گا پلیز۔" جبران نے ایسے کرب سے اس کی طرف دیکھا کہ اسے وہ لینے ہی پڑے۔ سچے جذبوں میں کس قدر طاقت ہوتی ہے اسے تب سمجھ آیا۔

☆☆☆

UUNovels.com

وہ فلائٹ سے نکلی تو ہر طرف اس کے چرچے ہونے لگے۔ جائنٹ ٹریفکنگ بریسارہ کی پوسٹ سے میڈیا کو بھی اس کی بھنک لگ گئی تھی۔ اب واپسی پر اس نے منسٹر صاحب کے بہنوئی کا خیال رکھا تھا۔ چینلو پر سرخ ٹیکر اس کے لینڈ کرنے سے پہلے ہی سے چل رہے تھے۔ وہ اسٹاف لاؤنج کی طرف جا رہی تھی کہ اس کا فون بجا۔

"آئی ایم سو پراوڈ آف یو وانیا۔" ہر طرف تمہاری ہی بات ہو رہی ہے۔ ایئر لائن نے پریس کانفرنس کی تھی۔ فلائٹ میں موجود ڈاکٹر کے ساتھ تمہاری بھی اتنی ہی تعریف کی ہے۔ تم نے کیسے اتنی پینک سچویشن کو سنبھالا۔" ولید کا لب ولہجہ ہی بدلا ہوا تھا۔

"آر یو شیور؟ تمہیں مجھ پہ ہی فخر ہو رہا ہے؟ تم تو اس نوکری پر اعتراض کرتے تھے۔" وانیا نے یاد کروایا۔

"تب تم نے بتایا ہی نہیں تھا کہ اتنے بڑے بزنس مین اور منسٹروں کے رشتے داروں سے ملتی جلتی ہو۔ ابھی لوہا گرم ہے۔ ان کی فیملی تمہیں کوئی فیور بھی

دے سکتی ہے۔" ولید بول رہا تھا۔

وہ گاتا تھا تو دنیا جھوم اٹھتی تھی۔ جب بغیر گائے بولتا تھا تو الفاظ کتنے بدصورت ہو جاتے تھے۔ وانیا حیرت سے سنتی رہی وہ چپ ہو گیا تو وہ آہستہ سے بولی۔

"تم پھر بدل گئے؟ کتنی بار بدلو گے؟" اس نے جیسے اسے گرم لوہے سے داغا۔

"میں بدلا نہیں ہوں تمہاری نوکری کی اہمیت سمجھ گیا ہوں۔ تم بھی تو یہی سمجھانا چاہتی تھی نا۔" ولید بولا۔

"آج سمجھے ہو کل دوبارہ بھول جاؤ گے۔ میں کیسے تمہیں سمجھوں۔ روز سلیبس بدل جائے گا تو میں تو امتحان میں فیل ہی رہوں گی۔"

"تم ابھی اسٹریس میں ہو۔ اس لیے میں اگنور کر دیتا ہوں۔ بعد میں تمہیں سمجھ آ جائے گی مجھے منا لینا تمہاری کامیابی ہے۔" ولید نے کہا۔

"فلائٹ میں چڑھنے سے پہلے میں نے فیصلہ کیا تھا کہ بہت دنیا دیکھ لی۔ اب یہ جاب چھوڑ کر کچھ اور کر لوں گی۔ جیسا تم چاہتے تھے۔ مگر تم ہی بدل گئے اب میں کیا کروں؟" وانیا نے دکھ سے کہا۔

"تم چاہتی کیا ہو۔ میں اس کے خلاف تھا تو برا تھا اس کے حق میں ہو گیا تو برا ہو گیا۔" ولید جھنجھلایا۔

"میں تمہیں نہیں چاہتی اور اب چاہ بھی نہیں سکوں گی۔ یہ رشتہ ختم کر رہی ہوں۔" اس نے کہا اور فون کاٹ دیا۔

وہ لاؤنج کی طرف جاتے ہوئے وہیں رکی رہی۔ پھر انگلی سے انگوٹھی اتار کر پرس میں رکھ دی۔ اس ایک دن میں اتنے اتار چڑھاؤ تھے کہ اس کا سانس پھول گیا تھا۔ کیپٹن ہارون اس کی ہی طرف آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اس کے پاس رک گیا۔

"مسٹر جبران کو سیدھا ہاسپٹل لے جایا گیا ہے۔ ان کی دو گھنٹے بعد لاہور کی فلائٹ تھی وہ کینسل کروا کر فیملی کو اطلاع دے دی ہے۔" ہارون نے کہا۔

"واٹ آ ڈے۔ باقی مسافر بھی ڈر گئے تھے۔" وانیا نے اپنے کیری بیگ کا آسرا لیا۔

"آتے ہوئے آپ نے مار کہ مارا اور واپسی پر جھنڈے گاڑ دیے۔ آپ تو اس ایئر لائن کی سلیبرٹی بن گئی ہیں۔" ہارون نے اسے پرسکون کرنے کے لیے ہلکی پھلکی گفتگو کرتے ہوئے کہا۔

"آپ بھی دونوں موقعوں پر آن ڈیوٹی تھے۔ شمائلہ کو بتایئے گا بہت خوش ہوگی۔" وانیا مسکرائی۔ دکھی دل کے ساتھ مسکرانے کی اسے عادت تھی۔

"کون شمائلہ؟" ہارون حیران ہوا۔

"آپ کی منگیتر۔" وانیا نے یاد کروایا۔

"وہ اچھا۔۔۔ سوری۔ میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا۔ تاکہ آپ مجھ سے کترائیں نہیں۔" ہارون نے شرمندگی سے ایک کان پکڑا۔

"مجھے یہ حرکت پسند نہیں آئی۔" وانیا کہہ کر آگے بڑھی۔ پھر دل سے مسکرائی اور مڑی۔

"اگر آپ اب بھی کافی پینا چاہتے ہیں تو کسی ویک اینڈ پر اپنی امی کے ساتھ میرے گھر آ جایئے گا۔ میں کافی اچھی کافی بناتی ہوں۔ ولید اور میری بات ختم ہو گئی ہے۔" وانیا نے اسے رشتہ لے کر آنے کو کہا تھا۔ اس کے اصول دوسرے کسی تعلق کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

"میں اسی اتوار کو آنا چاہوں تو؟" وہ اور اس کے گھر والے تو جیسے تیار بیٹھے تھے۔ جبران نے اسے کہا تھا کہ سچے جذبوں کی قدر کرنا اور وہ سچا جذبہ اسے ہارون میں نظر آتا تھا۔

"تو میں کافی تیار رکھوں گی۔" وانیا نے کہا اور سوٹ کیس گھسیٹتے ہوئے لاؤنج تک پہنچی۔ سب اس پر ایسے جھپٹے جیسے وہ اصلی سلیبرٹی ہو۔ بے شمار سوال۔ ان گنت دعائیں وہ تو ممنون ہو گئی۔ گھر پہنچی تو امی کی آؤ بھگت دیکھ کر انہیں منگنی توڑنے کا بتایا۔ وہ بہت پریشان ہوئیں۔ پھر اس کی خوشی میں خوش ہو گئیں۔ وہ بہت دیر ماں کی گود میں لیٹ کر باتیں کرتی رہی۔ پھر بستر میں جا کر سوئی تو اتنی گہری نیند آئی کہ رات دو بجے جا کر آنکھ کھلی۔

☆☆☆

جبران اور شہرناز کی بیسویں سالگرہ کا عظیم الشان فنکشن کینسل ہو گیا تھا۔ شہرناز اور تینوں بچے کراچی پہنچ

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

گئے تھے۔ اس کی طبیعت سنبھلنے کے بعد انہوں نے اسپتال میں صرف اپنے بچوں کے سامنے کیک کاٹا تھا۔ وہ معصوم سی سیلیبریشن جبران کے لیے سب سے حسین تھی۔ اس کا دل مطمئن تھا اور خوش بھی۔

☆☆☆

وہ اندھیرے لان میں گھاس پر بیٹھی تھی۔ اپنی ہتھیلی اس نے کھول رکھی تھی اور اپنی ہتھیلی کی لکیروں پر موجود وہ ٹاپس دیکھ رہی تھی۔

"یہ میرے ہیں۔ جو میری پسند سے میرے لیے خریدے گئے ہیں۔" اس نے جبران کو بتایا تھا۔ یہ وہ نہیں تھے۔ مگر ایسے ہی تھے۔ وہ مرتے ہوئے بھی اسے یاد کر رہا تھا۔ معافی مانگتے ہوئے رو رہا تھا۔ وہ بھی سوچ کر مطمئن ہو گئی تھی۔

"اس کا دھوکہ برداشت کر لیا تھا میں نے لیکن اس کا بھولنا جان لے جاتا۔"

وہ خوش تھی کہ وہ اسے بھولا نہیں تھا۔ پہلے جمعے اس نے امی کو روکا تو وہ اتنے آرام سے رک گئیں جیسے وہ بھی یہی چاہتی ہوں۔ پھپھو بھی ضد پر اڑی تھیں کہ نکاح کے بغیر جانا نہیں چاہتیں۔ اگلے جمعہ بھی وہ امی کو باز رکھنے میں کامیاب ہو گئی۔ پھر ہر جمعے کے ساتھ اس کی مشکل بڑھتی گئی۔ آخر کو پھپھو ہی تنگ آ کر واپس چلی گئیں۔ نیلم نے سکھ کا سانس لیا۔

وہ امی کو اندر ہی اندر اس شہر کے فوائد گنوانے لگی۔ متوسط طبقے کا لڑکا ہوگا تو گھر داماد کی طرح رہے گا۔ ان کے گھر کا مرد بنے گا۔ امی کے اور بہت بکھیڑے تھے وہ اس معاملے میں قائل ہو گئیں۔ جس کے لیے اس نے راہیں ہموار کر کے رکھی تھیں۔ وہ آیا ہی نہیں۔ جمعے سے لے کر جمعہ کا سفر تھا۔ ہر جمعرات اس کی دھڑکن تیز ہو جاتی۔ جمعہ آتا اور گزر جاتا۔ امی کی عدت پوری ہوتے ہی جو اگلی جمعرات آئی تھی۔ اس پر صبح ہی سے دیوار پر کوا بولنے لگا۔ دوپہر کو بیل ہوئی۔ پھپھو اور ان کا بیٹا حسیب آیا تھا۔ اس بار امی نے ہاں کر دی۔

وہ پہلے اپنے شہر واپس گئے اور وہاں اس کی رخصتی ہوئی۔ حسیب نے بیٹا بن کر اس کی ماں کا خیال رکھا۔ پھپھو نے بھی بھائی کی نشانی کو پلکوں پر بٹھایا۔ جلد ہی حسیب کی کسی گلف ملک میں نوکری ہو گئی اور وہ باہر چلے گئے۔ انہوں نے بھرپور زندگی گزاری۔ جبران سے کی وہ پہلی محبت باعث راحت نہیں رہی تھی۔ باعث شرمندگی بن گئی تھی۔ وہ شرمندگی آج دور ہوئی۔ وانیا نے کہا تھا اس کے لیے سب سے بہترین گفٹ لائے گی۔ وہ لے آئی تھی۔ دل کا سکون۔

"جبران میں نے تمہیں معاف کیا۔ جہاں رہو خوش رہو۔" اس نے ہوا سے سرگوشی کی اور دو آنسو آنکھ سے لڑھک گئے۔

"امی، آپ باہر کیا کر رہی ہیں؟" وانیا نے لان کی لائٹ آن کی۔ نیلم نے جھٹ آنسو پونچھے۔

"خدا کے کام دیکھ رہی ہوں، بندوں کو حیران کر دیتا ہے۔" نیلم اٹھی اور وانیا کا منہ چوم لیا۔ پھر اس کو وہ ٹاپس پکڑائے۔

"میری بیٹی نے اپنے کام کی شان بڑھائی ہے ماشاء اللہ۔ پہن کر دکھاؤ کیسے لگتے ہیں؟" نیلم نے فرمائش کی۔

"کسی اور کے ہیں۔ وہ بہت ضد کر رہے تھے تو میں نے رکھ لیے۔" وانیا نے بتایا۔

"خوشی سے دیے ہیں تم خوشی سے رکھ لو۔ تمہاری قسمت کے تھے۔ تب ہی تمہارے پاس آ گئے۔"

"آپ لے لیں آپ کو ایسے پسند بھی ہیں۔" وانیا نے کہا۔

"میرا ان سے دل اٹھ گیا ہے تم پہنو گی تمہارا دمکتا چہرہ دیکھوں گی تو اس سے زیادہ خوشی ملے گی۔" نیلم ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ وانیا نے پہن کر دکھائے اس کے چہرے پر بھی چمک آ گئی۔ ہر شے کٹھن مسافت کے بعد جیسے اپنی اصل جگہ پر آ گئی تھی۔

☆☆

جویریہ مریم

بند کواڑوں سے آگے

uunovels.com

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

وہ برتن دھو کر ہاتھ دوپٹے سے پونچھتی کمرے میں جا رہی تھی، اپنا فیورٹ ڈرامہ دیکھنے کہ اچانک پیچھے سے کسی نے آ کر اس کی آنکھوں پہ ہاتھ رکھ دیے تھے۔ وہ اپنی جگہ تھم سی گئی تھی۔

''ماریہ!'' اس نے اس کے ہاتھ اپنی آنکھوں سے ہٹاتے کہا تھا۔ ماریہ نے ہنستے ہوئے خود ہی اپنے ہاتھ ہٹا لیے تھے۔

''تمہیں کیسے پتا چلا؟'' ماریہ اس کے ہم قدم ہوئی تھی۔ ''تمہارے علاوہ کوئی اور نہیں کرتا ایسی حرکتیں'' ثنا نے کمرے میں جا کر ٹی وی آن کیا تھا۔ ڈرامہ شروع ہو چکا تھا اور ٹی وی اسکرین پر ہیرو، ہیروئین کا روٹھنے، منانے، کا سین چل رہا تھا۔

وہ دونوں مسہری پہ چڑھ کے بیٹھ گئی تھیں اور عادت کے مطابق دونوں نے ہی تکیے اٹھا کر گود میں رکھ لیے تھے۔

''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی ماریہ!''

''کون سی بات؟'' ماریہ نے ٹی وی اسکرین سے نظریں ہٹائے بغیر استفسار کیا تھا۔

''یار! یہ ایکٹرز جب کوئی بات کرتے ہیں ایک دوسرے سے تو دوسری سائڈ پہ منہ کیوں کر لیتے ہیں۔ اب دیکھو ناں۔ ابھی یہ دونوں برابر میں کھڑے تھے۔ ہیروئین نے معذرت کی شروعات کی ہے اور ادھر ہیرو صاحب شوخ، متکبر انداز میں ٹہلتا ذرا سا فاصلہ رکھ کر دوسری سائڈ پہ منہ کر کے بات کر رہا ہے۔''

ماریہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

''مجھے تو خود نہیں پتا تمہیں کیا بتاؤں۔''

''میں ایک بات سوچا کرتی تھی ماریہ!'' ثنا نے دھیمی آواز میں کہا تھا اور ماریہ نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

''خدا کے لیے مجھے سکون سے ڈراما دیکھ لینے دو، پھر بتا دینا کیا سوچا کرتی تھی۔''

مگر وہ ثنا ہی کیا جو اپنی بات پوری کیے بغیر چپ ہو جائے اس نے اپنی بات جاری رکھی تھی۔

''کہ یہ ڈراموں والے ہیرو اصلی زندگی میں ہرگز نہیں ملا کرتے، یہ بس ڈراموں کی دنیا میں ہی ہوتے ہیں۔''

ماریہ نے اسے قہر آلود نظروں سے گھورا تھا۔ وہ کانوں پہ ہاتھ بھی نہیں رکھ سکتی تھی کہ اسے صرف ڈرامہ دیکھنا ہی نہیں تھا۔ سننا بھی تھا۔

''مگر اب میری سوچ بدل گئی ہے۔ یہ ہیرو اصل زندگی میں بھی ہوتے ہیں۔ بس بات اپنی، اپنی قسمت کی ہوتی ہے۔''

''تم چپ نہیں ہو سکتیں تھوڑی دیر؟''

ماریہ جھنجھلا گئی تھی۔

''ضروری نہیں کہ یہ ہیرو صرف امیر کبیر، حسین و ویل ایجوکیٹڈ، ماڈرن لڑکیوں کے ہی حصے میں آئیں۔ جب اللہ نواز نے پہ آئے تو خالی جھولیوں کو بھی مال و مال کر دیتا ہے۔'' ثناء کے لبوں پہ آسودہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''لگتا ہے تمہاری قسمت چمک گئی ہے۔ اگر چمک گئی ہے تو پلیز! تفصیلات بعد میں گوش گزار دینا۔ مجھے ڈرامہ دیکھ لینے دو۔''

ماریہ نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے اور اس دفعہ وہ چپ ہو بھی گئی تھی اور محویت سے ڈرامہ دیکھنے لگی تھی۔

''ہاں اب بکو۔'' جیسے ہی ڈرامہ ختم ہوا۔ ماریہ نے روئے سخن ثنا کی طرف کیا تھا۔ وہ دل فریب انداز میں مسکرا دی۔

''قسمت چاندنی میں بھیگ گئی ہے میری۔'' اس نے اپنی کزن اور پکی دوست کو اپنا ہم راز بنایا تھا۔

''مجھے تمہارے طور طریقوں سے شک ہو گیا تھا کہ کوئی انہونی ہو گئی ہے تمہارے ساتھ، اسی لیے ہواؤں میں اڑتی پھرتی ہو۔''

ماریہ نے بغیر چونکے، بغیر حیران ہوئے کہا تو ثنا کھسیا سی گئی تھی۔

''خیر کون ہے وہ؟''

ماریہ نے سنجیدگی سے استفسار کیا تھا۔

''وہ ...... وہ یونی کا چاکلیٹی ہیرو۔ شہرام یزدانی۔''

ماریہ بے ساختہ ہنسی تھی اور پھر ہنستی ہی چلی گئی۔ ہنس ہنس کے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ ثنا ہونق پن سے اسے گھور رہی تھی۔

''ویسے یار! تم نے پوچھا نہیں اس محلوں کے شہزادے سے کہ اسے کٹیا میں جھانکنے کا کیسے شوق ہوا۔'' ماریہ کے الفاظ میں توہین تھی لیکن لہجے میں نہیں۔

''تم مجھے کٹیا کی رہنے والی کہہ رہی ہو؟ اپنی طرف دیکھو، بالکل ایسا ہی تین مرلے کا کچا مکان ہی تمہارا ہے۔'' ثنا کھسیانی ہو کر اس پر چلائی تھی۔

''ہاں تو...... کیا میں نے کہا کہ میں محلوں کی رانی ہوں۔'' ماریہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا جن میں خوابوں کی فلک بوس عمارتیں تعمیر ہو چکی تھیں۔

''وہ میری غربت سے باخبر ہے ماریہ!'' اس نے نظریں چرا کر کہا تھا۔

''پھر بھی اس نے تمہارے ساتھ محبت کا دعوا کیا؟'' ماریہ نے سابقہ انداز میں پوچھا تھا۔

''میں نے یہ کب کہا کہ وہ مجھ سے محبت کا دعوے دار ہے۔ لیکن اس کے انداز یہی بتاتے ہیں کہ وہ مجھ پر مرمٹا ہے۔''

ثنا نے کہا تو ماریہ کی ہنسی پھر بے ساختہ نکلی تھی۔

''ماریہ! تم میرا مذاق اڑائے جا رہی ہو۔ ایسی ہوتی ہیں دوستیں اور کزن۔'' ثنا اس پہ بگڑی تو اس نے بمشکل اپنی ہنسی کنٹرول کی تھی۔

''میں مذاق نہیں اڑا رہی، حقیقت بتا رہی ہوں تمہیں اور محترمہ ثنا جہاں زیب صاحبہ! تم اتنی بے وقوف نکلو گی یہ میرے وہم و گمان تک میں نہ تھا۔ خیر ابھی بھی زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے۔ پلٹ آؤ یہیں سے واپس، اگر زیادہ دور جا کر ٹھوکر کھائی تو واپسی کے سفر میں آبلہ پا ہو جاؤ گی۔''

ماریہ نے بے حد سنجیدگی سے اسے سمجھایا تھا۔

''ضروری نہیں کہ ہر انسان ان رستوں پہ چل کر ٹھوکر ہی کھائے، کچھ لوگ واقعی مقدر کے سکندر ہوتے ہیں اور مجھے یقین ہے ان ہی کی لسٹ میں میرا نام بھی شامل ہے۔'' ثنا کا یقین سے پر لہجہ ماریہ کے دل کو ہولا گیا تھا۔

''اس کی کس بات اور کس انداز نے تمہیں اس خوش فہمی میں مبتلا کیا ہے کہ شہرام یزدانی جیسا امیر کبیر انسان ثنا جہاں زیب جیسی غریب ترین لڑکی کی محبت میں مبتلا ہو چکا ہے۔''

''ماریہ! تم مجھے بار بار غربت کا طعنہ دے رہی ہو۔''

''طعنہ نہیں ثنا! میں تمہیں حقیقت بتانا چاہ رہی ہوں جسے تم فراموش کر چکی ہو۔ خیر مجھے بتاؤ کہ ایسا کیا دیکھ لیا ہے تم نے شہرام یزدانی میں کہ تم اس پاگل پن......''

''ماریہ! میں نے دوست اور کزن سمجھ کر تمہیں ہم راز بنایا ہے اور تم یوں میری توہین کر رہی ہو۔ میں کہہ رہی ہوں ناں۔ کہ شہرام ایک اچھا لڑکا ہے اور مجھ سے محبت کرتا ہے۔ تو تمہیں یقین کرنا چاہیے اور رہی بات یہ کہ میں کیوں یہ دعوا کر رہی ہوں۔ تو ماریہ صاحبہ! یہ جو میں فیشن ڈیزائننگ کا ڈپلوما کرنے کا پلان بنا رہی ہوں ناں۔ یہ میرا پلان نہیں ہے بلکہ شہرام مجھے دے چکا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم آگے بڑھو۔ روشنی دکھانا میرا کام ہے۔ وہ مجھے اپنے ہم قدم دیکھنا چاہتا ہے۔

جب میں نے اسے بتایا تھا کہ میں ایک غریب باپ کی بیٹی ہوں اور اس یونی میں صرف اپنی محنت کے بل بوتے پر پہنچی ہوں تو وہ اتنا متاثر ہوا تھا مجھ سے۔ کہہ رہا تھا۔ ایسے لوگوں کا تو میں پرستار ہوں۔ جو میرے جیسے محنت اور لگن سے آگے بڑھتے ہیں۔ میرا تعلیمی ریکارڈ دیکھ کر تو وہ حیران ہو گیا تھا۔ کہنے لگا ذہانت کے میدان میں، تم مجھ سے بہت آگے کھڑی ہو ثنا! میں چاہتا ہوں کہ لائف میں بھی تم مجھ سے آگے بڑھ جاؤ۔''

اس کی بات درشتی سے کاٹ کر ثنا بولتی چلی گئی

UUNovels.com

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

تھی۔

ماریہ حیران اور بے یقین سی ہو کر اسے گھور رہی تھی۔

"آ گیا یقین یا آنکھوں دیکھا ثبوت چاہیے؟" ثنا نے طنزیہ انداز میں کہا تو وہ مسکرا دی تھی۔

"میری دعا ہے کہ وہ واقعی تمہارے ساتھ مخلص ہو کوئی چال شامل نہ ہو اس کی اس سب میں۔"

"ایسا نہیں ہے۔" ثنا نے تیقن سے کہا تھا۔

"اللہ کرے ایسا نہ ہی ہو۔" ماریہ نے سچے دل سے کہا تھا۔ تب ہی فرحت بیگم سبزی کا شاپر ہاتھ میں لیے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

"ثنا بیٹا! پکڑو یہ سبزی، غضب خدا کا، آگ لگائی ہوئی ہے سبزیوں کے ریٹ میں جو چیز آٹھ دن پہلے پچاس کی تھی وہ ڈیڑھ سو کی مل رہی ہے۔"

"اماں! آپ پھر کدو لے آئیں، میں نے کہا بھی تھا کدو مت لانا دل اوب گیا ہے۔"

ثنا نے ماں کے ہاتھ میں کدو دیکھ کر منہ بسورا تھا پھر اٹھ کر ان کے ہاتھ سے شاپر لے لیا۔

"غنیمت سمجھو، جو مل رہا ہے۔ ورنہ اتنی مہنگائی ہو گئی ہے ہم جیسوں پہ تو فاقے اتر آئیں گے۔" فرحت مسہری پہ ٹک گئی تھیں۔ ثنا ان کے لیے پانی لے آئی تھی۔

"ماریہ! تمہاری امی کی طبیعت کیسی ہے اب، دو دنوں سے جانا ہی نہیں ہوا۔ بخار کم ہوا کہ نہیں۔" اچانک خیال آنے پر فرحت نے ماریہ سے پوچھا تھا۔

"اب تو آرام ہے تائی اماں! تائی فائذ نے تو ہماری فیملی کا پیچھا لے لیا ہے۔ ابا کو چٹ گیا ہے اماں سے نکل کر۔"

"اللہ خیر کرے بیٹا! ہم غریبوں سے تو بیماریاں دور ہی رہیں تو بہتر ہے۔ ہمارے پاس دو وقت کا کھانا ہی پورا ہو جائے تو بہت ہے۔ دواؤں کے لیے پیسے کہاں سے لائیں۔" ماریہ نے فرحت کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

"اماں! آپ بے فکر ہو جائیں۔ سمجھیں، برا وقت ہماری زندگیوں سے ختم ہو گیا ہے۔ اچھا وقت دستک دے رہا ہے۔ میں ہوں نا..... پڑھائی....."

"ارے تم نے دو تین سیالوں میں سسرال چلے جانا ہے۔" فرحت کھوکھلی ہنسی ہنسیں اور ثنا گہرا سانس لے کر چپ ہو گئی تھی۔ تب ہی صبح سے شام تک کھلے رہنے والے دروازے سے یاریہ سے چھوٹی نادیہ ماریہ کو پکارتی ہوئی داخل ہوئی تھی۔ ماریہ چھلانگ لگا کر مسہری سے اتری تھی۔

"ہائیں میں تو بھول ہی گئی تھی، اماں نے اچار کے لیے بھیجا تھا مجھے ثنا جلدی سے اچار دو مجھے۔"

ثنا اس کی بوکھلاہٹ پہ ہنستی اس کے لیے اچار نکالنے چلی گئی تھی۔

☆☆☆

وہ شہرام کی تلاش میں، یونی کی لمبی روشوں کو ناپتی پھر رہی تھی تب ہی روش پر اس کے قدم تھم گئے تھے۔

قطار میں لگے چھتنار پودوں کی اوٹ سے، شہرام اور اس کے دوست آیان کی آوازیں ابھری تھیں۔ آیان کہہ رہا تھا۔

"یار! یہ کس ٹائپ کی لڑکی کو تم نے اپنے پیچھے لگا لیا ہے۔ کم از کم اپنا اسٹینڈرڈ تو دیکھ لیا کرو۔"

"کون؟ کس کی بات کر رہے ہو؟" شہرام نے چونک کر پوچھا تھا۔

"ثنا اور کون، اتراتی پھرتی ہے کہ شہرام مجھ پر مرمٹا ہے۔"

"ہیں؟ میں مرمٹا ہوں۔ تمہارا دماغ خراب تو نہیں ہو گیا کہیں؟ یہ میں نے اس سے یا کسی سے بھی کب کہا ہے؟ اور تم میرے دوست ہو۔ کیا تمہیں اتنا بھی میرے متعلق نہیں پتا چلا ابھی تک، آیان! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ خواتین کی دل سے عزت کرتا ہوں۔ اگر لڑکیوں سے میری ہائے، ہیلو ہے بھی ناں۔ تو صرف زبانی، کلامی یا ان کی ہیلپ کرنے کے لیے۔ ثنا کی بھی میں اسی ناتے سے صرف تھوڑی سی مدد کر رہا ہوں۔ بہت محنتی اور ذہین لڑکی ہے ثناء آگے

بڑھنے کی شدید لگن ہے اس کے دل میں، تو جیسا کہ تمہیں بھی پتا ہے کہ ثنا غریب لڑکی ہے تو میں فقط اس کی مدد کر رہا ہوں۔ اسے اس کی منزل تک پہنچانے میں اور ایسا میں صرف نیک نیتی سے کر رہا ہوں۔ یہ پہلی لڑکی نہیں ہے آیان! اس سے پہلے کئی لڑکے، لڑکیوں کی میں ہیلپ کر چکا ہوں۔"

"وہ بے چاری کسی خوش فہمی میں مبتلا ہوئی پھرتی ہے کہ تم اس سے محبت کرنے لگے ہو۔" آیان نے ٹھٹھا مارا تھا۔ شہرام بھی ہنس دیا تھا۔

"نہیں یار! ایسا کچھ نہیں ہے۔ یہ لڑکی غریب بہت ہے۔ پھر کوئی بھائی بھی نہیں ہے۔ باپ کنڈیکٹر ہے۔ یوں یہ صدقے خیرات کی مستحق بھی ہے۔ جب سے مجھے ثنا کے حالات کا علم ہوا ہے میں اپنے برے خوابوں کا صدقہ بھی اسی لڑکی کو دیتا ہوں اور مال جان کا صدقہ بھی دل مطمئن ہے کہ میں واقعی صدقہ کسی ضرورت مند اور مستحق انسان کو دے رہا ہوں۔"

ثنا کے قدموں تلے سے زمین نکلی جا رہی تھی۔ وہ جیسے بے یقینی کی انتہاؤں پہ کھڑی تھی۔

"اور ہاں، شادی میں اپنے والدین کی پسند سے ایسی لڑکی سے کروں گا جو ہماری کلاس سے تعلق رکھتی ہو۔"

شہرام یزدانی ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اور ثنا کے سر سے آسمان اور قدموں تلے سے زمین سرکتی جا رہی تھی۔ پتا نہیں کیسے وہ اس دن گھر پہنچی تھی ——

—— ماریہ دروازے میں ہی کھڑی تھی جب وہ کسی مارے ہوئے جواری کی طرح، قدم گھسیٹ گھسیٹ کر چلتی آئی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد ہی ماریہ اس کے سر پر پہنچ گئی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟ مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے تم آج اپنا سب کچھ لٹا کے آئی ہو یونی میں؟"

وہ رونا چاہتی تھی ماریہ کے سامنے، مگر ہنس پڑی جانے کیوں کھوکھلی سی ہنسی۔

"آؤ چھت پہ چلتے ہیں ثنا! ثانیہ اور نمرہ آپی آئی ہوئی ہیں۔ وہ پتا نہیں کیا سمجھیں۔" ماریہ اسے بازو سے پکڑ، زبردستی اوپر چھت پہ لے گئی تھی۔

ثانیہ اور نمرہ دونوں شادی شدہ تھیں۔ ثنا ان سے چھوٹی تھی۔

"اب بتاؤ مجھے کیا ہوا ہے؟" ماریہ نے اسے چھت پر پڑی چارپائی پہ بٹھایا تھا اور خود بھی اس کے برابر میں بیٹھ گئی تھی۔

"ماریہ! میں غلط سمجھی تھی کہ حقیقی دنیا میں بھی ایسے ہیرو مل جاتے ہیں جو فلموں، ڈراموں میں ہوتے ہیں۔ ایسا بالکل نہیں ہے۔" وہ اب بھی کھوکھلی ہنس رہی تھی۔

"ہوا کیا ہے؟"

ماریہ نے اس کی ہنسی میں چھپی تکلیف کو دل میں محسوس کیا تھا۔

"میں اپنے خوابوں کی سرزمین کو اپنی آنکھوں کو ہمیشہ کے لیے بنجر کر کے آئی ہوں آج ماریہ! اب تا زندگی ان میں خوابوں کے پھول نہیں کھلنے والے۔ میں جسے محبت سمجھ بیٹھی تھی وہ تو کسی کے برے خوابوں کا صدقہ تھا ماریہ!"

ماریہ نے دکھ سے اسے دیکھا تھا۔

"ہم مرد کے دو میٹھے بولوں کو محبت سمجھ لیتی ہیں۔ ہم کسی کے رحم، کسی کے ترس، ہمدردی کو محبت کا نام دے دیتی ہیں اور پھر جب حقیقت کا ادراک ہوتا ہے تو بنجر زمین کی طرح ہو جاتی ہیں۔ صرف اپنی ذات کا خسارہ کماتی ہیں ہم لڑکیاں۔"

"اچھا اب زیادہ پریشان نہ ہو۔ بھول جاؤ سب کچھ۔"

ماریہ نے اسے بہلایا تھا۔ اور وہ ایک بار پھر کھوکھلی ہنسی ہنس کر گویا ہوئی تھی۔

آئینے میں
اپنا چہرہ تکنے والی
کب تک خوابوں سے الجھے گی
بند کواڑوں سے آگے
جو دنیا ہے
اس کے دام بہت اونچے ہیں۔

☆☆

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

مکمل ناول

نگہت سیما

ماءالملوک

لاہور کے ذکی دروازے کی سمت بہت شان دار حویلیاں تھیں ان میں سے ایک مرزا جہاں زیب کے دادا مرزا ہمایوں بیگ نے بنوائی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں جدید تقاضوں کے مطابق تبدیلیاں کی گئی تھیں۔

مرزا جہاں زیب اپنے والد کی اکلوتی اولاد تھے اللہ نے انہیں چار بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا تھا۔

بیٹوں، بیٹی کی شادی ہوچکی تھی۔ اوپر والی منزل میں اورنگزیب بیگ اور ارباب بیگ رہائش پذیر تھے جب کہ خود جہاں زیب بیگ گراؤنڈ فلور پر دونوں چھوٹے بیٹوں شاہ زیب اور ظفریاب کے ساتھ رہتے تھے۔

اورنگ زیب کی دو بیٹیاں دو بیٹے تھے۔ ارباب بیگ کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں۔

ظفریاب کا ایک بیٹا آذین تھا اور شاہ زیب بیگ کی ایک بیٹی زمل تھی آذین اور زمل کا نکاح ہوچکا تھا۔

شاہ زیب بیوی کے مرنے کے بعد گوشہ نشین ہوگئے تھے۔ ظفریاب کی کچھ سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے وہ گرفتار ہوگئے تھے، وہ بہت برا وقت تھا، نہ جانے کیا ہوا کہ ان کی بیوی نے ان کے واپس آنے کے بعد طلاق لے لی۔ ظفریاب دوسری شادی کر کے ملک سے باہر چلے گئے۔

تیسری قسط

""آپ یہاں؟""

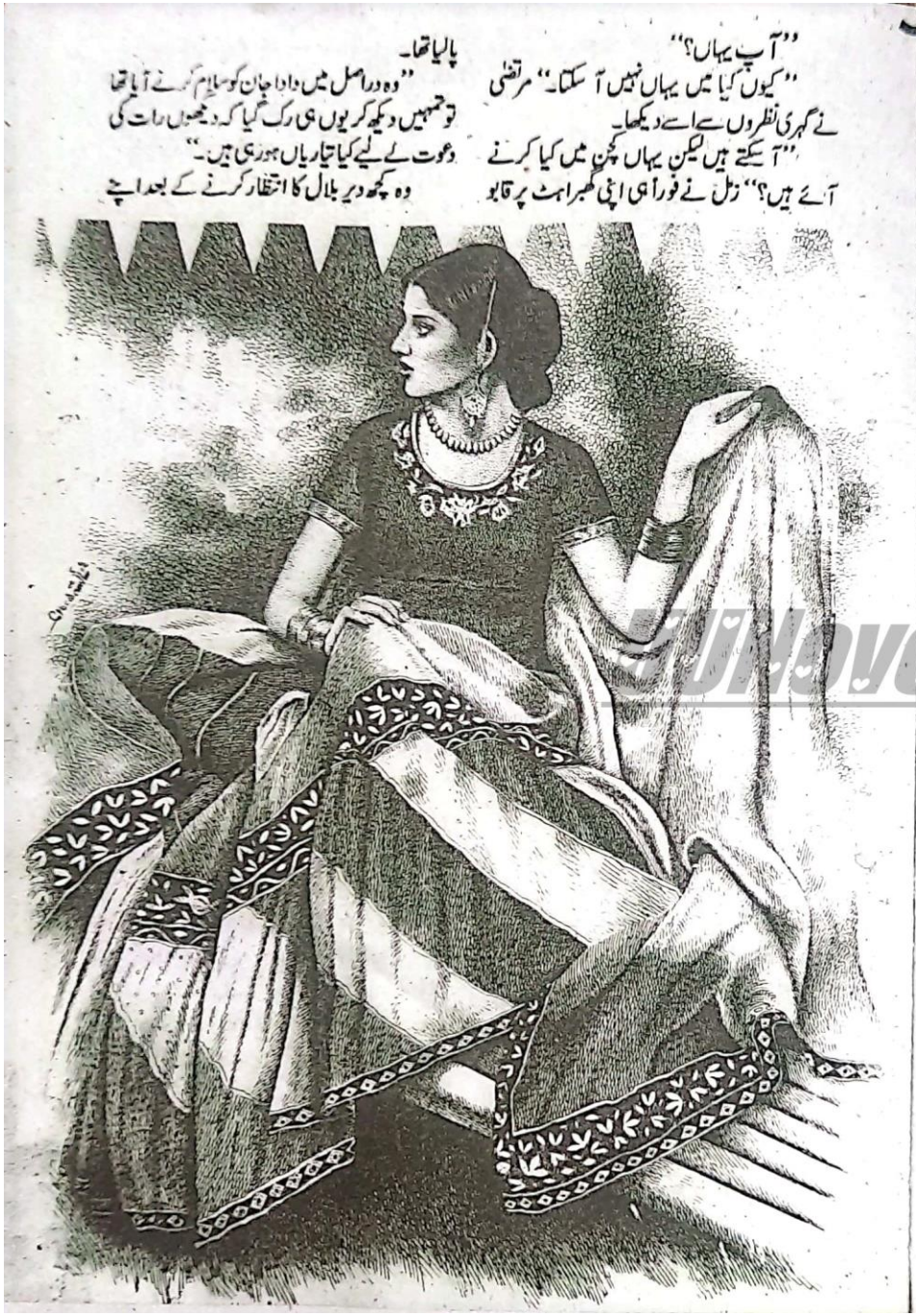

""کیوں کیا میں یہاں نہیں آ سکتا۔"" مرتضیٰ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

""آ سکتے ہیں لیکن یہاں کچن میں کیا کرنے آئے ہیں؟"" زمل نے فوراً ہی اپنی گھبراہٹ پر قابو پالیا تھا۔

""وہ دراصل میں دادا جان کو سلام کرنے آیا تھا تو تمہیں دیکھ کر یوں ہی رک گیا کہ دیکھوں رات کی دعوت کے لیے کیا تیاریاں ہورہی ہیں۔""

وہ کچھ دیر بلال کا انتظار کرنے کے بعد اپنے

UUNovels.com

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

دوستوں سے ملنے کے لیے نکلا تھا کہ وہ اس کا انتظار کررہے ہوں گے۔ان کا ارادہ آج لنچ باہر کرنے کا تھا۔سیڑھیوں کی طرف جاتے ہوئے وہ یوں ہی ریلنگ کے پاس رکا تھا اور پھر جھک کر نیچے دیکھا تھا۔

آزین کچن کے دروازے سے باہر نکل رہا تھا اور اس کے لبوں پر بڑی دلکش سی مسکراہٹ تھی۔وہ بالکل غیر ارادی طور پر باہر والی سیڑھیوں کی طرف جانے کے بجائے ،اندر والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا اور اب کچن کے دروازے کے پاس کھڑے کھڑے اسے یہاں آنے کا مناسب جواز یہ ہی سوجھا تھا۔

"میں فی الحال تو زین کے لیے چائے بنا رہی تھی اور دادا جان اپنے کمرے میں ہیں۔"

فوراً ہی رخ موڑ کر وہ کاؤنٹر پر پڑی ہوئی خالی پلیٹیں اٹھا کر سنک میں رکھنے لگی۔مرتضیٰ لمحہ بھر کھڑا رہا۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھولے اور پھر کچھ کہے بغیر ہی واپس مڑ گیا۔اس نے کھلے دروازے سے جھانک کر دیکھا وہ دادا جان کے کمرے کی طرف جانے کے بجائے ڈیوڑھی کی طرف جارہا تھا۔وہ حیران ہوئی تو کیا میری کوئی بات بری لگی ہے۔لیکن میں نے تو ایسا کچھ نہیں کیا۔کندھے اچکا کر وہ چائے بنانے لگی۔

چائے بنا کر اس نے چولھے بند کیے اور کپ اٹھا کر دادا جان کے کمرے میں آئی۔دادا جان بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے اور آزین روم چیئر پر بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا۔

مرسل کو تو آپ جانتے ہی ہیں ناڈاکٹر ارسلان کا بھائی وہ میرا یونی کا دوست ہے۔طیبہ اور اسد اس کے دوست ہیں۔

ان تینوں نے اپنے چند دوستوں کے ساتھ مل کر کچھ عرصہ پہلے فلاحی کاموں کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔یتیموں،غریبوں بیواؤں کی مدد کرنے کے علاوہ آس پاس کے دیہاتوں میں جا کر وہاں کے مسائل حل کرنا۔پہلے تو یہ اپنے طور پر ہی کام کرتے تھے۔ لیکن اب یونی کے کچھ اور لوگ بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے ہیں۔

ہمارے پرانے کالج کے ایک پروفیسر صاحب بھی ہیں۔ان کا خیال ہے کہ ایک باقاعدہ لائحہ عمل ہو جس کے تحت کام کیا جائے۔ایک منشور ہو کہ کیسے اور کس طرح کام کرنا ہے۔باقاعدہ ریکارڈ ہو کہ کیا کیا ہے اور کیا کرنا ہے جو پیسہ خرچ کیا وہ کہاں سے آیا اور جو کام کیا اس کا رزلٹ کیا نکلا وغیرہ۔تو اس کے لیے ایک باقاعدہ آفس یا کوئی جگہ ہو۔جہاں ہفتہ دس دن بعد سب لوگ اکٹھے ہو کر سب معاملات طے کریں۔ لیکن چونکہ ابھی ان کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ وہ کوئی جگہ کرائے پر لے سکیں تو مرسل نے مجھ سے کہا کہ یہاں گیسٹ روم خالی ہے اور رہائش سے الگ ڈیوڑھی میں ہے تو اگر آپ اجازت دیں تو جب تک وہ کوئی جگہ کرائے پر نہیں لے لیتے وہ ہمارے گیسٹ روم میں اکٹھے ہو جایا کریں۔ویسے بھی اب تو چچا جان کے گیسٹ وغیرہ وہاں نہیں آتے۔"

جہاں زیب بیگ نے سر ہلایا تھا زل نے چائے کا کپ اسے پکڑایا جسے اس نے لے کر بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"دراصل مرسل ادھر آنا رہتا ہے تو اسے پتا ہے کہ گیسٹ روم اب کسی کے زیر استعمال نہیں۔"

اس نے جہاں زیب بیگ کی طرف دیکھا۔

"میں نے مرسل سے کہا تھا وہ خود ہی آپ سے بات کرلیں۔اگر آپ کو مناسب لگا تو پھر وہ گیسٹ روم میں اپنی میٹنگز کرسکتے ہیں۔"

"کیا تم بھی ان کی تنظیم کے لیے کام کرتے ہو۔"

جہاں زیب بیگ نے تکیے کے پاس پڑی کتاب اٹھائی۔

"کوئی باقاعدہ تنظیم تو نہیں ہے ان کی میں نے آپ کو بتایا ہے۔ویسے میں مرسل کے ساتھ ایک دو بار سیالکوٹ کے ایک دو دیہات میں گیا تھا بہت غربت ہے وہاں۔مرسل وغیرہ نے وہاں ایک چھوٹا سا دستکاری سینٹر بنایا ہے۔جہاں خواتین سلائی وغیرہ سیکھ کر اپنے لیے کچھ کرسکیں۔انہوں نے اس کا بھی انتظام کیا ہے کہ وہاں کی خواتین کا کیا کام شہر میں

مناسب داموں پر فروخت ہوجائے۔"

تب ہی بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پڑے فون کی بیل ہوئی تو جہاں زیب بیگ نے ،ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا تو زل نے چائے کا کپ اٹھا کر پھر آزین کی طرف بڑھایا۔

"ٹھنڈی ہوجائے گی زین۔"

آزین نے کپ پکڑ کر مشکور نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہیلو۔ہاں.....ہاں کیسی ہو بانو بیٹا۔"

اور پھپھو کا نام سن کر دروازے کی طرف جاتے جاتے زل پلٹ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

"میں ٹھیک ہوں تم کب آرہی ہو۔آنے سے پہلے جب سیٹ بک ہوجائے تو فون کردینا۔آزین لینے آجائے گا اسٹیشن پر۔"

"ہیلو.....ہیلو بانو بچے میری آواز آرہی ہے۔"

تین چار بار ہیلو.....ہیلو کہنے کے بعد انہوں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"پتا نہیں کیا مسئلہ ہے۔صبح سے اب تک اختر بانو نے یہ تیسری بار کال کی ہے۔ہر بار چند باتیں ہونے کے بعد فون کٹ جاتا ہے۔رات ظفر کا فون آیا تب بھی ٹھیک سے بات نہیں ہوسکی زین،بیٹا تم ذرا کنفیئن کروا دینا آج۔"

"جی۔"

گھونٹ گھونٹ چائے پیتے ہوئے آزین،زل کی طرف دیکھ رہا تھا جس کی آنکھوں میں خوشی بھری چمک تھی۔

"دادا جان کیا پھپھو آرہی ہیں۔"

ان کی بات ختم ہوتے ہی اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"کہہ تو رہی تھی آنے کا لیکن جب میں نے شانزے،ماہ وش اور شاہ رخ کی شادی کا بتایا تو کہنے لگی پھر شادی پر ہی آؤں گی۔اب بھی گئی تو پھر دو تین ماہ بعد دوبارہ آنا مشکل ہوگا۔لیکن میں نے اصرار کیا کہ دل بہت اداس ہے تو پھر کہنے لگی کہ ثوبان میاں سے پوچھ کر بتائے گی،اگر انہوں نے اجازت دی تو چند دنوں تک دو چار دن کے لیے آئے گی۔اب شاید اسی کے متعلق بتانے کے لیے فون کیا ہو کہ آئے گی یا نہیں۔لیکن بات نہیں ہوسکی فون کٹ گیا۔"

"آپ پریشان نہ ہوں دادا جان! ایک بار یہاں سے ملانے کی کوشش کریں اگر پھر بھی بات نہ ہو سکی تو میں باہر پی سی او سے کرلوں گا۔اور کنفیئن بھی کروادوں گا۔"

آزین نے خالی کپ ٹیبل پر رکھا اور اٹھ کر نمبر ملانے لگا پھر مایوس ہو کر ریسیور واپس کریڈل پر ڈال دیا۔

"دو تین نمبر ملانے کے بعد ڈیڈ ہوجاتا ہے۔"

"ہاں ایسا ہی ادھر سے تو نمبر ملتا ہی نہیں میں بھی کوشش کرچکا ہوں۔"

"کتنا عرصہ ہوگیا ہے پھپھو کو یہاں آئے ہوئے۔چھ سال پہلے آئی تھیں،جب آپ کو انجائنا کا اٹیک ہوا تھا۔کیا ان کا دل نہیں چاہتا یہاں آنے کو۔"

زل کی آنکھوں میں جلتی مسرت کی جوت بجھ گئی تھی۔

"کس بچی کا دل نہیں چاہتا میکے آنے کو لیکن بچیوں کو،اپنا گھر بسانے کے لیے سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں زل بیٹی۔"

انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"آپ نے بھی تو لے کے انہیں اتنی دور سندھ کے ایک گوٹھ میں بیاہ دیا۔کیا یہاں آس پاس ادھر ادھر کوئی رشتہ نہیں ملا تھا ان کے لیے۔"

اس نے خفگی سے انہیں دیکھا۔

"رشتے تو تھے خاندان برادری میں اور ابھی اس کی عمر ہی کتنی تھی۔تمہاری دادی نے تو بہت منع کیا بلکہ بہت واویلا مچایا۔اورنگ زیب،ارباب،ظفر سب نے ہی مخالفت کی،کوئی بھی اتنی دور اجنبی لوگوں اور ماحول میں اپنی اکلوتی لاڈلی بہن کا رشتہ دینے کے حق میں نہیں تھا۔زبیدہ تو ناراض ہوگیا تھا۔غلطی میری تھی میں نے کسی کی نہ سنی۔"دکھ ان کی آنکھوں سے جھلک رہا تھا۔

"جب سب ہی مخالف تھے تو پھر آپ نے کیوں۔"وہ حیران ہوئی تھی۔

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

"سلطان شاہ میرا دوست تھا۔ ایسا دوست جس کی دوستی پر فخر کیا جا سکتا ہے۔ اس کا تعلق صوبہ سندھ سے تھا۔ حیدرآباد کے نواح میں کہیں اس کا گاؤں تھا۔ کافی بڑی جاگیر تھی ان کی۔ اس نے گورنمنٹ کالج لاہور میں فرسٹ ایئر میں ایڈمیشن لیا تو پہلے روز ہی میری اس سے دوستی ہو گئی تھی۔

گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھ کر راوین کہلانا اس کا خواب تھا اور وہ والد سے ضد کر کے یہاں آیا تھا۔ گریجویشن کے بعد اس نے بھی میرے ساتھ ہی پنجاب یونی ورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ ہمارا زیادہ وقت ساتھ ہی گزرتا تھا۔ میرا کوئی بھائی اور کزن وغیرہ نہیں تھا اور وہ ایک دوسرے صوبے سے آیا تھا۔

اکثر میں ضد کر کے اسے یہاں گھر پر ہی روک لیتا تھا۔ اتنے بڑے گھر میں اماں، ابا اور میں ہم تین فرد ہی تھے تو اماں ابا بھی، اس کے آنے سے بہت خوش ہوتے تھے تعلیم مکمل کر کے وہ واپس اپنے علاقے میں چلا گیا لیکن ہم ہمیشہ رابطے میں رہتے تھے کہ ہمارے درمیان دوستی کا تعلق بہت مضبوط تھا۔ ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں شریک تو ہوتے ہی تھے ویسے بھی تین چار ماہ بعد وہ مجھ سے اور اماں ابا سے ملنے آ جاتا تھا جب بھی میری زندگی میں کوئی مشکل وقت آیا تو میں نے اسے اپنے ساتھ کھڑا پایا۔"

وہ ہولے ہولے بول رہے تھے آزین اور زل خاموشی سے سن رہے تھے، انہیں اس سے پہلے علم نہیں تھا کہ اختر بانو کی شادی صرف دادا جان کی خواہش پر کی گئی تھی۔

"وہ ایسا دوست تھا کہ اگر اسے میری خاطر جان بھی دینی پڑتی تو دے دیتا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ ہم اپنے بچوں کے آپس میں رشتے کریں گے تاکہ دوستی کا یہ تعلق اور رشتہ اور بھی مضبوط ہو جائے۔ ایک بار میں نے یوں ہی کہہ دیا تھا کہ میں نے تو سن رکھا ہے کہ سید، غیر سیدوں میں رشتہ نہیں کرتے۔

یہ سب ہمارے اپنے بنائے ہوئے رواج میں یہ بھلا کہاں کس کتاب میں لکھا ہے کہ سید غیر سیدوں میں رشتہ نہیں کرتے۔ میں نے سوچ رکھا ہے کہ تمہاری بیٹی میری بہو بنے گی اور میری بیٹی تمہاری بہو۔ وہ حتمی لہجے میں کہتا تھا۔

لیکن فرض کرو۔ ہم دونوں کے ہاں بیٹے ہوئے یا بیٹیاں تو۔" میں سنتا تو وہ منہ پھلا لیتا تھا۔

"میرے ساتھ وعدہ کرو جہاں زیب کہ ایسا نہ ہوا تو ہم اپنے بچوں کے رشتے آپس میں کریں گے۔ اور میں نے اس کے اصرار پر وعدہ کیا تھا۔ حالانکہ میں کچھ متذبذب سا تھا۔

وہ جاگیردار تھا۔ حیدرآباد کے نواح میں اس کی بے شمار اراضی تھی لیکن اس میں جاگیرداروں والی اکڑ اور غرور نہ تھا۔ بہت عاجز اور نرم دل تھا۔ میں اکلوتا تھا سو اس کی صورت میں بھائی کی کمی پوری ہو گئی تھی سونے کے دل والے سلطان شاہ کے، دو بڑے بھائی اور دو بہنیں تھیں وہ اپنی چھوٹی بہن سے بھی نو سال چھوٹا تھا۔ سو اپنے بہن بھائیوں سے بے تکلفی کا رشتہ نہیں تھا جب وہ لاہور آیا تھا تو اس وقت اس کے بڑے بھائیوں اور بہنوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔

ہم دونوں نے ہی ایک دوسرے کی تنہائی کو بانٹا تھا۔ وہ جب تین چار ماہ بعد چکر لگاتا تو ہم دن بھر لاہور کی سڑکیں ناپتے پھرتے اور رات تھک ہار کر مہمان خانے میں آ کر سو جاتے۔ ہفتہ جیسے پلک جھپکتے ہی گزر جاتا۔ اور وہ بے دلی سے جانے کے لیے تیار ہو جاتا۔

کچھ دن اور رک جاؤ نا..... میرا دل بھی چاہتا کہ وہ نہ جائے لیکن اس کے بابا نے اسے صرف ہفتہ بھر کی اجازت دی ہوتی تھی یوں اس کے جانے کے بعد کتنے ہی دن ہم اداس رہتے۔ اماں اٹھتے بیٹھتے اسے یاد کرتی رہتیں۔

بڑا بھلا مانس بچہ ہے سلطان شاہ کیسے اس کے آنے سے گھر میں رونق سی ہو جاتی ہے۔

وہ اپنی کہی ہوئی بات بھولتا نہیں تھا۔ اکثر یاد دہانی کراتا رہتا کہ ہمیں اپنے بچوں کے رشتے ایک دوسرے سے کر کے اس دوستی کے رشتے کو مزید مضبوط کرنا ہے حتیٰ

کہ جب میری شادی ہوئی اور میں دولہا بنا ہوا تھا تو اس نے میرے کان میں سرگوشی کی تھی۔

جہاں زیب وہ عہد جو ہم نے کر رکھا ہے اسے بھول نہ جانا بلکہ بھابی کو بھی بتا دینا۔ عجیب سر پھرا تھا۔ میری شادی کے پانچ سال بعد اس کی شادی ہوئی تب اورنگ زیب تین سال کا اور ارباب چھ ماہ کا تھا۔ اپنی شادی پر اس نے مجھے پھر یاد دلایا تھا۔

سنو یار! میری بیٹی تمہاری بہو بنے گی لیکن اللہ نے اسے یک بعد دیگرے تین بیٹوں سے نوازا تھا۔ اس کا تیسرا بیٹا ظفریاب سے چند ماہ چھوٹا تھا۔ اس کی پیدائش پر وہ کچھ مایوس سا ہو گیا تھا۔ لگتا ہے میرا خواب پورا نہ ہو سکے گا لیکن ظفریاب کے بعد جب اختر بانو پیدا ہوئی تو وہ اگلے ہی دن ڈھیروں سامان اور مٹھائی کے ٹوکرے لے کر آ گیا تھا۔ میری اماں اور تمہاری دادی حیران تھیں لیکن اصل بات کا علم تو مجھے تھا کہ وہ کیوں یوں لدا پھندا آیا ہے۔

تو تم ہی بتاؤ میں ایسے دوست کا دل کیسے توڑتا جو برسوں سے اس خواہش کو اپنے دل میں پال رہا تھا۔ وہ جب بھی لاہور آتا اختر بانو کے لیے ڈھیروں کھلونے اور کپڑے لے کر آتا۔ میں کبھی منع کرتا تو ناراض ہوتا۔ یہ میں اپنی بیٹی اپنے ثوبان کی دلہن کے لیے لاتا ہوں تم اس معاملے میں اپنی زبان بند ہی رکھا کرو اختر بانو کی پیدائش کے چار سال بعد اس کی بیٹی پیدا ہوئی تو اس نے مجھے خط لکھا۔

لو یار اللہ نے ہماری سن لی۔ تمہاری بہو بھی دنیا میں آ گئی بڑا ہی سر پھرا تھا محبتوں سے بھرا۔ جب تک زندہ رہا مجھے کبھی اختر بانو کی فکر نہیں ہوئی۔ وہ کہتا تھا بھجو اختر بانو اپنے باپ کے گھر ہے۔ دو تین ماہ بعد اسے خود لے کر لاہور آتا یا پھر ثوبان کے ساتھ بھیج دیتا۔

اختر بانو ثوبان کے ساتھ بہت خوش تھی اور اسے خوش دیکھ کر سب ہی مطمئن ہو گئے تھے۔ شاہ زیب بھی جو اختر بانو کے رشتے کی وجہ سے مجھ سے ناراض تھا۔ اختر بانو کو خوش دیکھ کر مطمئن ہو گیا تھا لیکن پھر اختر بانو کی شادی کے چار سال بعد اچانک سلطان کا انتقال ہو گیا۔ ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔

اس کے اس طرح دنیا سے چلے جانے سے میں صرف دکھی ہی نہیں پریشان بھی تھا۔ جس کے آسرے پر اپنی بیٹی کو اتنی دور غیروں میں بیاہا تھا وہ ہی نہیں رہا تھا تو اب کیا ہو گا میں نہیں جانتا تھا۔ لیکن بہت جلد جان گیا۔ سب کچھ بدل گیا تھا۔ کئی کئی مہینے گزر جاتے وہ نہ آپاتی۔ ثوبان سے گلہ کیا تو جواب ملا۔

میں بڑا بیٹا ہوں اور یہ اس گھر کی بڑی بہو ہے اور اس پر بہت ذمہ داریاں ہیں۔ سب نظام اسی نے دیکھنا اور سنبھالنا ہے۔ یہ ہماری ریت ہے کہ بڑی بہو ہی حویلی کے معاملات کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

سلطان شاہ کی وفات کے بعد پورا سال اختر بانو میکے نہیں آئی سلطان کی برسی پر میں اور تمہاری دادی گئے تو وہ بہت کمزور اور تھکی تھکی لگ رہی تھی۔ تمہاری دادی نے بہت کہا کہ وہ ساتھ چلے ہفتہ دس دن رہ آئے لیکن اس نے منع کر دیا کہ۔

ابھی تو بہت مشکل ہے اماں جان کی طبیعت ٹھیک نہیں تو ثوبان اجازت نہیں دیں گے۔ وہ بھیجیں گے میں ان کی والدہ کی تیمارداری سے بھاگ رہی ہوں حویلی کے اتنے بکھیڑے ہیں۔ ڈھیروں ملازم آئے دن مہمانوں کی آمد وہ کہتے ہیں، یہ سب مجھے ہی دیکھنا ہیں۔ پھر ثوبان کے دادا چونکہ یہاں ہی رہتے ہیں تو ان کے مہمانوں اور ملنے والوں کا خیال مجھے ہی رکھنا ہے۔ مطلب ان کی خاطر تواضع۔ ڈیرے اور مہمان خانے میں چائے، کھانا بھجوانا۔

سلطان شاہ کے والد اپنی آبائی حویلی میں سلطان شاہ کے ساتھ ہی رہتے تھے جبکہ اس کے دونوں بڑے بھائیوں کی اپنی الگ حویلیاں تھیں۔ تمہاری دادی واپس آ کر بھی بہت دن دکھی رہیں کہ اتنی کم عمری میں اتنی ذمہ داریاں میری بچی کیسے نبھا پائے گی۔

ان دنوں گھر میں اورنگ زیب کی شادی کی بات ہو رہی تھی تو ظفر نے مشورہ دیا کہ اورنگ زیب بھائی کے ساتھ ارباب کی شادی بھی کر دیں۔ جیسا کہ سلطان چچا اور آپ کے درمیان طے ہوا تھا آپ ان کی بیٹی کا رشتہ

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

ارباب بھائی کے لیے مانگ لیں اس طرح اختر کے لیے بھی آسانی ہو جائے گی۔ ثوبان اپنی بہن سے ملنے آئے گا تو ساتھ میں اختر بھی آجایا کرے گی۔

سب کو ہی ظفر کا مشورہ پسند آیا تھا گو سلطانہ ابھی صرف سولہ سال کی تھی تو ہماری اختر بھی تو اٹھارہ سال کی عمر میں بیاہی گئی تھی۔ رخصتی تک سال ڈیڑھ سال تو ہو ہی جاتا۔ فیصلہ ہونے کے بعد میں تمہاری دادی اور ظفر کے ساتھ سلطان شاہ کی حویلی پہنچ گیا۔ وہ لوگ ہماری آمد پر کچھ حیران ہوئے تھے لیکن میں نے بغیر کسی تمہید کے دست سوال دراز کر دیا اور کہا کہ میرے اور سلطان کے درمیان، یہ بات طے تھی کہ اس کی بیٹی میری بہو بنے گی لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ تمہارے اور سلطان کے درمیان جو کچھ طے تھا وہ اس کی موت کے ساتھ ختم ہو گیا۔ ہم غیر سیدوں میں اپنی بیٹیاں نہیں دیتے۔ مجبوراً لے تو لیتے ہیں لیکن دیتے نہیں۔

سلطان کے والد نے دوٹوک بات کی تھی اس کے چچا، تایا اور بڑے بھائی بھی ان کے ہم خیال تھے۔

تو ٹھیک ہے اس صورت میں ہم بھی اپنی بہن کو ساتھ لے جائیں گے۔ ظفر ہمیشہ سے ہی جذباتی اور جوشیلا تھا۔

بڑے شوق سے لے جائیں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ یوں بھی یہ شادی صرف سلطان کی خوشی اور مرضی تھی۔ ہم نے دخل نہیں دیا تھا لیکن سلطان کے بچے ہماری نسل کے امین اور ہمارے وارث ہیں۔ ہم انہیں نہیں جانے دیں گے۔

سلطان کی وفات کے وقت اختر یانو کا ایک بیٹا دو سال کا تھا اور دوسرا بیٹا صرف دو ماہ کا تھا۔ سلطان نے دونوں بچوں کی پیدائش پر بڑی خوشیاں منائی تھیں۔

سلطان کے والد، اپنی بات کر کے ڈرائنگ روم سے نکل گئے تھے اور ان کے پیچھے ہی سلطان کے دونوں بھائی بھی نکل گئے تھے ہم ڈرائنگ روم میں اکیلے رہ گئے تھے۔

چلو اٹھو اختر بانو! ہمارے ساتھ چلو۔ ظفر نے اس کا ہاتھ پکڑا تو اس نے ہاتھ چھڑا لیا۔

نہیں میں اپنے بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اور بچے میرے بغیر کیسے رہیں گے۔ وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

جن کی اولاد ہے سنبھال لیں گے تم بس چلو ابھی ہمارے ساتھ۔

ظفر غصے کا تیز تھا لیکن میں نے اسے خاموش کرا دیا۔ میں ایک ماں کو اس کے جگر گوشوں سے دور نہیں کر سکتا تھا، اس لیے میں تمہاری دادی اور ظفر کے ساتھ واپس آ گیا۔ ظفر کا موڈ بہت خراب تھا۔

آپ اور اختر بانو زرا حوصلے سے کام لیتے نا تو سب ٹھیک ہو جاتا، چار دن بچے سنبھالنے پڑتے نا تو خود ہی سیدھے ہو جاتے۔

ظفر نہیں جانتا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ جہاں نوکروں کی فوج ہو وہاں بچے سنبھالنا کون سا مشکل ہوتا۔

دو چار دن رو دھو کر ماں کو بھول جاتے لیکن میری اختر بانو، ان کی جدائی نہ سہہ سکتی۔ صرف اٹھارہ سال کی تھی جب اس کا بیاہ ہوا۔ بالکل بچوں کی طرح لاڈ کرتی تھی۔ زہبی جب بھی گھر آتا اس کے لیے کوئی نہ کوئی گڑیا لے کر آتا۔ اس کی الماری طرح طرح کی گڑیوں سے بھری ہوئی تھی۔ تمہاری دادی ہر بار شاہ زیب سے کہتی تھی کہ بھلا اب اس کی عمر کوئی گڑیوں سے کھیلنے کی ہے لیکن زہبی، ماں کی پروانہ کرتا اور اگلی بار پھر گڑیا لے آتا۔

وہ جیسے تھک کر تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئے تھے۔ آزین اور زمل نے پہلی بار دادا جان سے اختر بانو کے متعلق اتنی تفصیل سے سنا تھا۔ سو بے چینی سے ان کے بولنے کا انتظار کر رہے تھے۔

"تو کیا پھر پھپھو کے ساتھ ان کے سسرال والوں کا سلوک صحیح ہوا اور پھر انہوں نے یہاں آنے دیا انہیں۔"

انہیں خاموش دیکھ کر آزین نے پوچھا تھا۔

"ہاں..... لیکن وہ کہتی تھی اس کا آنا بہت مشکل ہے۔ ذمہ داریاں بہت ہیں۔ سالوں بعد آئی تھی۔ اللہ نے اسے اتنا صبر اور حوصلہ دیا ہے کہ اس کا صبر اور حوصلہ دیکھ کر دل بند ہونے لگتا ہے۔"

آنکھوں کے کونوں پر اٹکے آنسوؤں کو انہوں نے انگلی کی پوروں سے پونچھا تو آزین نے ان کا بازو تھپتھپا کر تسلی دی۔

"ایسا کرتے ہیں، میں زمل اور آپ اگلے ہفتے چلتے ہیں پھپھو سے ملنے۔"

"لیکن میں تو پھر کبھی اس روز کے بعد گیا ہی نہیں اس کے گھر۔" وہ جھجکے تھے۔

"اس کے بیٹے کی پیدائش پر بھی بس تمہاری دادی کو حیدر آباد ہاسپٹل میں چھوڑ کر آ گیا تھا۔ بعد میں ارباب جا کر لے آیا تھا۔"

"تو کیا ہوا دادا جان! وہ آپ کی بیٹی ہیں کیا آپ ان سے ملنے نہیں جا سکتے جب آپ کا دل چاہے تب۔" زمل بے حد دکھی ہو رہی تھی۔

ہاں کیوں نہیں جا سکتے دادا جان، اور ابھی تو ہم شاہ رخ۔ ماہ وش اور شانزہ کی شادی کی دعوت دینے جائیں گے نا کہ دو تین ماہ بعد شادی ہے سب تیاری رکھیں۔

"یوں بھی تایا ابو کہہ رہے تھے کہ انہیں اختر پھپھو اور دوسرے رشتہ داروں کو فون کر کے بتانا ہے شادی کے متعلق۔"

انہوں نے سر ہلایا۔ دل بیٹی سے ملنے کو ہمکتا تھا لیکن وہ خود کو بہلائے رکھتے تھے کہ وہ آئے گی نا خود ہی، اس کا بھی تو دل میکے کے لیے تڑپتا ہو گا لیکن اسے آتے آتے سالوں بیت جاتے تھے اور وہ آتی بھی تو بس چند دنوں کے لیے، آنکھوں کی پیاس بجھتی ہی نہ تھی۔

"اختر بانو سالوں بعد آئی ہو جلدی جلدی چکر لگایا کرو نا۔"

"مجھ پر بہت ذمہ داریاں ہیں ابا جان، لیکن آپ بھی تو نہیں آتے۔"

وہ شکوہ کرتی تو وہ کچھ کہہ ہی نہ پاتے کہ شروع شروع میں ظفر یاب کو بہت غصہ تھا۔ وہ کیا تھا سلطان چچا کے والد نے ہماری بے عزتی کی ہے اور اختر بانو نے بھی ہمارا مان نہیں رکھا یہاں سے اب کوئی وہاں نہیں جائے گا۔ پھر وقت کے ساتھ اس کا غصہ بھی ختم ہو گیا لیکن پھر یہاں سے کوئی گیا ہی نہیں اختر بانو کے گھر۔

اختر بانو کے ساس سسر فوت ہوئے تو ارباب اورنگ زیب اپنی بیویوں کے ساتھ چلے گئے کہ انہیں ایک تو ظفر یاب کی طرف سے پریشانی تھی اور پھر مریم کی بیماری کی وجہ سے وہ اس کے سسر کی وفات پر بھی نہ جا سکے تھے ارباب اورنگ زیب کو ہی بھیجا تھا۔

"تو پھر پکی بات ہے نا دادا جان! ہم چلتے ہیں پھپھو سے ملنے۔"

آزین نے کہا تو انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور مسکرائے۔

"ہاں پکی بات۔"

"لیکن میں کیسے جا سکتی ہوں۔ تم دادا جان کے ساتھ چلے جانا۔ یہاں ایا کا خیال کون رکھے گا۔" اسے شاہ زیب کی فکر ہوئی تھی۔

"بی بی اماں ہیں نا اور پھر شیخو بابا بھی تو ہیں۔ دو تین دن تک ان کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔ ہماری عدم موجودگی میں شیخو بابا چچا جان کے کمرے میں ہی سو جایا کریں گے۔ دو تین دن کی تو بات ہے۔"

آزین چاہتا تھا کہ وہ بھی ان کے ساتھ چلے اس کی بھی، آؤٹنگ ہو جائے گی کبھی گھر سے باہر نکلی ہی نہیں۔ بس گھر کالج اور اب یونیورسٹی۔

تب ہی بی بی اماں نے کھلے دروازے سے اندر جھانکا۔

"تم تو زین میاں کو چائے دینے آئی تھیں۔ ادھر ہی بیٹھ گئیں اور ہاں یہ اوپر کیا لارے لگا کے آئی ہو۔ تمہاری تائی نے بھیجا ہے ستارہ کو کہ کباب دے دیں۔ اب تم جانو کون سے کباب دینے کا کہہ کر آئی ہو اب خود ہی آ کر دے دو۔ بیٹھی ہے میرے سر پر۔"

"ہیں آپ کے سر پر تو کوئی نہیں بیٹھا ہوا بی بی اماں۔" آزین کو مذاق سوجھا۔

"ادھر کچن میں ہے وہ سرمہ ستارہ بیگم۔" وہ آنکھوں میں بھر بھر سرمہ لگاتی تھی تو سحرش نے اسے یہ نام دیا تھا۔

بی بی اماں نے ایک ناراض سی نظر اس پر ڈالی۔

"وہ بی بی اماں سحرش کو پتا تھا نا کہ ہم نے شامی

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

کباب بنا کر فریز کیے ہیں تو وہ کہہ رہی تھی کہ رات کی دعوت کے لیے کچھ انہیں بھجوادوں وہ وقت کے وقت فرائی کرلیں گی۔"

زیل اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ہاں ہم نے تو جیسے ان کے لیے اتنی محنت سے بنا کر فریز کیے تھے اور میں کہتی ہوں یہ سحرش کو اور کوئی کام نہیں ہے۔ ہر وقت ہماری جاسوسی کے لیے ریڈنگ پر لگی رہتی ہے۔"

بی بی اماں کی بڑبڑاہٹ پر آزین اور زیل دونوں کے لبوں پر ایک ساتھ، مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی جنہیں انہوں نے سر جھکا کر چھپالیا تھا۔

"شیخو بابا نے دوا لے لی تھی کیا۔" آزین نے بی بی اماں کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔ ورنہ وہ نہ جانے کب تک سحرش اور کبابوں میں الجھی رہتیں۔

"ارے کہاں میاں، کہتا تھا متلی ہو رہی ہے۔ دودھ نہیں پیوں گا۔ میں نے ہی پھر خالی پیٹ دوا کھانے سے منع کر دیا۔ ذرا طبیعت سنبھلے تو پھر دوبارہ دودھ بھجواتی ہوں تب تک سا گودانہ بھی بن جائے گا۔ ابھی پودینے والا قہوہ بھجوایا ہے۔"

"میں دیکھتا ہوں۔ میرا خیال ہے متلی روکنے والی دوا بھی دی تھی ڈاکٹر نے۔" آزین اٹھ کر چلا گیا تو بی بی اماں نے زیل کی طرف دیکھا۔

"اب تم یہاں کھڑی کیا سوچ رہی ہو جا کر ستارہ بیگم کو کباب دے دو۔ ورنہ ساجدہ کے کان کھاتی رہے گی۔ کپڑے دھو کر اسے آج ڈرائنگ روم بھی صاف کرنا ہے۔ تم بھی ذرا دیکھ لینا جا کر ورنہ کہیں نہ کہیں ڈنڈی مار جاتی ہے کبھی پردے نہیں جھاڑتی اور کبھی ڈسٹنگ نہیں کرتی۔ گھر میں بھلے ایک دوسرے کو منہ نہ لگائیں لیکن یہاں ان تند بھابی کی باتیں ہی ختم نہیں ہوتیں۔"

"جی اچھا۔"

زیل چائے کا خالی کپ اٹھا کر باہر چلی گئی تو انہوں نے جہاں زیب بیگ کی طرف دیکھا، جو بی بی اماں کی گفتگو سے بے نیاز اپنی ہی سوچوں میں گم تھے

بی بی اماں نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے لیکن پھر کچھ کہے بنا دروازہ بند کر کے باہر نکل گئیں۔

جہاں زیب بیگ نے، بار بار نم ہو جانے والی آنکھوں کو ہاتھوں کی پشت سے صاف کیا۔ آج کتنے دنوں بعد زخموں کے ٹانکے پھر سے کھل گئے تھے۔ اختر بانو انہیں کتنی پیاری تھی۔ کتنی لاڈلی بھی ان کی۔ وہ تو ذرا سا روتی تو ان کی جان پر بن آتی تھی۔ ضد کرتی تو فوراً اس کی ضد پوری کر دیتے۔ جہاں آرا منع کرتیں کہ بیٹیوں کے اتنے لاڈ نہیں اٹھانا چاہیے پرائے گھر جا کر مشکل ہو جاتی ہے جہاں کوئی لاڈ اٹھانے والا نہیں ہوتا۔

لیکن بیٹیاں تو ہمیشہ باپ کی لاڈلی ہوتی ہیں تو وہ بھی ان کی لاڈلی تھی اور اس کی ہر ضد پوری کرنا جیسے ان پر فرض تھا۔ لیکن اختر بانو نے تو ان سے کچھ بھی نہ کہا تھا جب باپ ان کے فیصلے پر سر جھکا دیا تھا۔

"کیوں تم نے کیوں ضد نہ کی اختر بانو کیوں نہ کہا مجھے اتنی دور اجنبی لوگوں میں مت بھیجیں۔ مجھے میکے کی گلیوں سے اتنا دور نہ کریں کہ میں انہیں دیکھنے کو ترس جاؤں۔" انہوں نے دل ہی دل میں بیٹی سے شکوہ کیا تھا۔

تم ایک بار کہتیں تو میں سلطان شاہ سے معذرت کر لیتا لیکن تم نے تو کچھ بھی نہ کہا بس میرے فیصلے پر سر جھکا دیا۔ اور یہ تو کتنے سالوں بعد جہاں آرا نے انہیں بتایا تھا کہ وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ آپ کی طرح پڑھانا چاہتی تھی۔ استاد بننا اس کا خواب تھا۔ آپ نے اپنی بیٹی کے ساتھ بہت ظلم کیا۔ شادی سے صرف دو دن پہلے وہ میری گود میں سر رکھ کر بلک بلک کر روئی تھی۔ کہتی تھی بھلے بابا میری شادی کسی غریب مزدور سے کر دیتے لیکن مجھے اتنی دور اجنبی لوگوں میں نہ بھیجتے۔

اور تب وہ جہاں آرا سے شکوہ کر بیٹھے تھے تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔ میں سلطان شاہ کو منع کر دیتا اور سلطان شاہ ایسا تھا کہ ایک لفظ بھی شکوے کا نہ کہتا اور جہاں آرا نے بتایا تھا کہ وہ، ان کا مان ان کا یقین نہیں توڑنا چاہتی تھی وہ ان کو ان کے دوست کے سامنے

شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ انہوں نے تو اپنی طرف سے بہترین کا انتخاب کیا تھا اور وہ بھی تو کوہان کی رفاقت میں خوش نظر آتی تھی۔ ہاں کبھی کبھی میکے سے جدائی کا دکھ اس کی آنکھوں کو نم کر دیتا تھا اور یہ دکھ تو ہر لڑکی کو سہنا پڑتا ہے۔ لیکن پھر سلطان شاہ چلے گئے جو بیٹیوں جیسا مان دیتے تھے اسے۔

"میری بچی..... میری اختر بانو۔"

ان کے لبوں سے سسکی سی نکل گئی اور وہ بے اختیار ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر دیوار گیر الماری کی طرف بڑھے اور بے قراری سے اس کا پٹ کھولا۔ جہاں آرا نے اس الماری میں اختر بانو کی چھوٹی چھوٹی چیزیں سنبھال کر رکھی ہوئی تھیں، اس کا چھوٹا سا جیولری باکس، جس میں اب بھی اس کی چھوٹی چھوٹی چیزیں پڑی تھیں، اس کی ایک گڑیا جو شاہ زیب انگلینڈ سے لائے تھے جسے لٹاؤ تو آنکھیں بند کر لیتی تھی بٹھاؤ تو کھول دیتی تھی۔

وہ کہتی تھی اماں میری گڑیا کسی کو نہ دینا۔ میں اپنی بیٹی کو دوں گی اگر اللہ نے مجھے بیٹی دی۔ لیکن اس کی ساری گڑیاں ہولے ہولے ارباب، اورنگ زیب کی بچیوں میں تقسیم ہو گئیں لیکن یہ ایک گڑیا جہاں آرا نے سنبھال کر رکھ لی تھی۔ چوڑیوں والا اسٹینڈ جس پر اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی، دو تین سیٹ چوڑیوں کے موجود تھے ایک سنہری جلد والی ڈائری جس میں وہ اقوال زریں اور اشعار لکھتی تھی۔

کچھ دیر وہ یوں ہی الماری کے پٹ پر ہاتھ رکھے کھڑے رہے۔ پہلے آنکھیں نم ہوئیں پھر برس پڑیں۔

جہاں آرا کہتی تھیں، بیٹیاں زبان سے کچھ نہ بھی کہیں تو ان کے دل خود بخود ماں باپ کے دل میں اتر آتے ہیں۔ میری اختر بانو بھی زبان سے کچھ نہیں کہتی لیکن اس کا دکھ میرے دل میں اتر آیا ہے۔ ٹھہر گیا ہے میری بانو خوش نہیں ہے بیگ صاحب، بھلے زبان سے وہ ہزار بار کہے وہ خوش ہے لیکن ماں کا دل کیسے یقین کر لے۔ جب سے سلطان بھائی فوت ہوئے ہیں، میں نے اس کی آنکھوں میں خوشی کے رنگ نہیں دیکھے انہوں نے الماری بند کی اور ہولے ہولے چلتے ہوئے بیڈ پر آ کر بیٹھ گئے۔ آنسو اب بھی آنکھوں سے بہتے تھے اور کانوں میں جیسے کہیں دور سے رخصتی کے گیتوں کی آوازیں آتی تھیں۔

گڈیاں پٹولے جھڈ کے ویراں تو دور چلی

انہوں نے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبایا۔

شادی شروع ہوتے ہی ہر طرف گھر میں رونق رہنے لگی تھی۔ عشا کے بعد اختر بانو کی سہیلیاں اور پڑوسی لڑکیاں ڈھولک بجا کر گیت گاتی تھیں پھر اچانک ہی کوئی رخصتی کے گیت کا بول اٹھاتی تو ماحول سوگوار ہو جاتا اور اپنے کمرے میں بیٹھے یا لیٹے ہوئے آنسو، ان کے رخساروں کو بھگوتے رہتے۔ جہاں آرا انہیں شاکی نظروں سے دیکھتے ہوئے کمرے سے نکل جاتی تھیں۔

"مجھے معاف کر دینا جہاں آرا۔" انہوں نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں اور یادوں کے دوش سے اڑتی آوازیں، سماعتوں میں گونجنے لگیں۔

"بابل اساں اڈ جانڑا ساڈی لمبی اڈاری اے
ساڈا چڑیاں دا چنبا اے۔ بابل اساں۔"

☆☆☆

"بابل میری گڈیاں تیرے گھار (گھر) رہ گیاں۔"

چراغ سائیں باڑے کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز میں گا رہا تھا۔ اس کی بلند پرسوز آواز حویلی کے صحن تک آتی تھی اور اختر بانو کے دل میں گھاؤ کرتی تھی۔

"بابل میری گڈیاں۔"

وہ بند ہونٹوں کے ساتھ چراغ سائیں کے ساتھ دہراتی تھی۔ حویلی کے کشادہ صحن میں منیرہ اور نوراں گندم صاف کرتے ہوئے گاہے گاہے اختر بانو کی طرف بھی دیکھ لیتی تھیں۔ جو صحن میں ہی بڑے بڑے سرخ پایوں والی چارپائی پر بیٹھی اپنی نگرانی میں گندم صاف کروا رہی تھی لیکن اس کا دھیان ان کی طرف نہیں تھا بلکہ اس کی سماعتیں چراغ سائیں کی آواز کی طرف لگی تھیں۔ جو آہستہ آہستہ دور ہوتی جا رہی تھی۔

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

"اماں۔" منیرا نے سرگوشی کی۔

"یہ بڑی بی بی اتنی چپ چپ کیوں رہتی ہیں۔" نوراں نے جواب دینے کے بجائے اسے کھورا۔ منیرا اس کی بہو تھی جو رحیم یار خان کے ایک گاؤں چک سات سو چھیاسی سے بیاہ کر آئی تھی۔ منیر فاطمہ جسے سب منیرا کہتے تھے۔ چند دنوں سے وہ اسے بھی ساتھ حویلی لا رہی تھی۔

"ناں اماں۔" اس نے نوراں کا کندھا ہلایا تو نوراں نے تنبیہہ کی۔

"مالکوں کے متعلق تجسس نہیں کرتے کملی نہ ہو تو۔ جلدی جلدی ہاتھ چلا۔ کرم دین آتا ہی ہوگا کنک (گندم) لینے۔"

چراغ سائیں کی آواز مدھم ہوتے ہوتے معدوم ہوگئی تو اختر بانو نے، نوراں اور منیرا کی طرف دیکھا۔

"گندم صاف ہوگئی ہے تو کرم دین چاچا کو کہو کہ پسوائی کے لیے لے جائے۔"

"چاچا کرم دین تو صبح صبح ڈیرے پر چلا گیا تھا۔ میں نے بتا دیا تھا اسے کہ گندم چکی پر لے کر جانی ہے۔ آتا ہی ہوگا۔"

نوراں ہاتھ میں پکڑا اچھاج نیچے رکھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"اس کو کیا کام تھا ڈیرے پر۔ وہاں ملازم ہیں تو۔" اختر بانو حیران ہوئی تھیں کہ کرم دین حویلی کے باہر کاموں پر مامور تھا۔

"وہ زمان شاہ صاحب نے ڈیرے پر بھیجا تھا کہ ان کے مہمان آ رہے ہیں تو ذرا اپنی نگرانی میں صفائی کروا دے ادھر کا نگران شاید بیمار ہے۔ کرم دین چاچا نے کہا تو تھا جلدی آ جائے گا لیکن ابھی تک نہیں آیا تو میں بخشو سے کہتی ہوں وہ گندم لے جائے۔ وہ مردانے میں ہوگا۔"

اس نے اپنے بیٹے کا نام لیا۔

اور اختر بانو کو بھی یاد آیا کہ صبح زمان شاہ نے ڈیرے جانے سے پہلے بتایا تو تھا کہ اس کے مہمان آنے والے ہیں، دن کا کھانا ڈیرے پر ہی کھائیں گے۔ مینیو میں دیسی مرغی ضرور ہونی چاہیے۔

"ٹھیک ہے نوراں! تم بخشو کے ہاتھ گندم چکی پر بھجوا دو لیکن کہو پہلے دو مرغ بھی ذبح کروا کے اور صاف کروا کے لائے۔"

نوراں اپنا دوپٹہ درست کرتی ہوئی چلی گئی تو اس نے منیرا کی طرف دیکھا، جو صاف کی ہوئی گندم اب بوری میں ڈال رہی تھی۔

"منیرا! تم صغورا بی بی سے جا کر کہو کہ زمان بھائی کے مہمان آ رہے ہیں تو وہ اپنی نگرانی میں کھانا تیار کروا دیں۔ ماسی تاج کو زمان بھائی نے بتا دیا تھا کیا کیا بنانا ہے۔"

"لیکن صغورا بی بی اور ثمینہ بی بی تو ناشتے کے بعد ہی چلی گئی تھیں۔ صغورا بی بی تو کہہ رہی تھیں چھ سات دن میکے میں ہی رہیں گی یوں بھی زمان شاہ صیب اپنے مہمانوں کے ساتھ، کراچی جا رہے ہیں اور ثمینہ بی بی نے بتایا تھا کہ ان کے بھائی بھاوج آئے ہوئے ہیں تو وہ بھی کچھ دن، ادھر اپنے اماں ابا کی طرف ہی رہیں گی کہ مہینوں بعد تو وہ گھر آتے ہیں۔"

منیرا کی عادت تھی ہر بات تفصیل سے کرنے کی۔

اختر بانو کے دل سے ہوک سی اٹھی تھی۔ اور مجھے کتنے سال ہو گئے میکے گئے ہوئے۔ آنکھیں ترس گئی ہیں میکے کی گلیاں دیکھنے کو، اور وہ سب میرے ماں جائے، میرے ابا جان وہ میرا مورووں کی حویلی کے نام سے جانا جانے والا گھر، وہ اونچی چھتوں والے کمرے جن کی چھتوں میں رنگین شیشے لگے ہوئے تھے۔ وہ سرخ چھوٹی چھوٹی اینٹوں والا صحن۔ دیوار کے ساتھ ساتھ کیاریاں۔ وہ موتیے کی بیل جو برآمدے کے ستونوں سے لپٹی اوپر ریلنگ تک جاتی تھی۔

تھکاوٹ جیسے اختر بانو کے پورے وجود میں اتر آئی تھی۔ وہ آہستگی سے اٹھی۔

"منیرا۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔

"نوراں سے کہنا بخشو مرغ لے آئے تو اندر بھاگی یا ماسی تاج کو دے دے اور بھاگی سے کہے کہ لہسن پیاز وغیرہ کاٹ کر مجھے بتا دے۔"

شوربے والی دیسی مرغی وہ خود ہی پکاتی تھیں۔ جب تک ثوبان کی دادی اور والدہ زندہ تھیں تو وہ ہی پکاتی تھیں کہ گھر کے مردوں کو، ان کے ہاتھ کی پکی دیسی مرغی پسند تھی۔ اس نے بھی اپنی ساس سے ہی سیکھا تھا کہ شوربے والی مرغی کیسے پکاتے ہیں۔ وہ نڈھال اور تھکی تھکی سی حویلی کے صحن سے نکل کر اندرونی حصے میں چلی گئی۔ منیرا نے اسے یوں نڈھال اور تھکے تھکے انداز میں حیرانی سے جاتے دیکھا اور سوچا۔

اتنا پیسہ، اتنا عیش و آرام، نوکر چاکر، حویلی، زمینیں شہزادوں جیسے کڑیل جوان بیٹے، پھر بھی بڑی بی بی کو دیکھ کر ایسا کیوں لگتا ہے جیسے کوئی بڑا دکھ ان کے دل کو چیرتا ہو۔

منیرہ نے بوری کا منہ بند کیا اور بوری کے منہ پر ہاتھ رکھے رکھے چاروں طرف گھوم کر دیکھا۔ اندرونی حصے میں جانے والا بڑا سا منقش دروازہ بند ہو چکا تھا۔ یہ اتنے بڑے بڑے گھروں میں رہنے والوں کو بھلا کیا غم ہو سکتا ہے۔ اب وہ صحن کے اس دروازے کو دیکھ رہی تھی جو باہر والے صحن میں کھلتا تھا۔

گو اسے یہاں آئے ہوئے چند دن ہو گئے تھے پھر بھی وہ ہر بار جب نوراں کے ساتھ حویلی آتی تو حیرت سے اس بڑی سی حویلی کو دیکھتی تھی جس کے گیٹ سے اندر داخل ہوں تو ایک طرف بڑا سا پورچ تھا جس میں بیک وقت دس بارہ گاڑیاں کھڑی ہو سکتی تھیں۔

چار گاڑیاں اور ایک جیپ تو ہر وقت موجود ہوتی تھی۔ بائیں طرف مردانہ تھا جس میں ایک بڑا ہال، سٹنگ، ڈرائینگ، ڈائینگ اور چار بیڈ رومز تھے۔ گیٹ سے اندرونی صحن کے دروازے تک کافی طویل روش تھی۔ اندرونی صحن کافی کشادہ تھا۔ جس کے فرش پر خوب صورت ٹائلیں تھیں۔ صحن میں ہی ایک طرف بڑا سا کچن تھا جس کا ایک دروازہ اندرونی حصے میں کھلتا تھا۔ کچن کے ساتھ ہی صحن میں ایک دروازہ تھا، جو باہر پچھلے حصے میں جانے کے لیے تھا جہاں کل وقتی ملازم عورتوں کے کمرے وغیرہ تھے۔

اس رہائشی حصے میں بھاگی اور اس کی بیٹی سنہری جو تیرہ سال کی تھی رہتی تھی۔ تاج ماسی بھاگی کی ساس تھی اس کے ذمہ کچن کا کام تھا۔ بھاگی کے کوارٹر کے علاوہ دو کوارٹر اور تھے ایک میں ماروی اور سوہنی رہتی تھیں، جو صغورا اور ثمینہ کے ذاتی کاموں کے لیے مختص تھیں اور دونوں ہی شادی کے وقت میکے سے ان کے ساتھ آئی تھیں۔

صحن کی دیواروں کے ساتھ کیاریوں میں خوش رنگ پھول تھے۔ منیرا نے روز اول کی طرح آج بھی خوش گوار حیرت سے حویلی کا جائزہ لیا تھا۔ اور پھر فرش پر ہی بیٹھ کر نوراں کا انتظار کرنے لگی تھی۔ بخشو کے ہاتھ گندم چکی پر بھجوا کر ان دونوں نے مل کر صحن کی صفائی کرنی تھی۔ نوراں اور وہ صبح آتی تھیں اور شام کو چلی جاتی تھیں۔ اس کی شادی سے پہلے اس کی تند نوراں کے ساتھ آتی تھی، جس کی شادی اس کے بھائی سے ہوئی تھی اور وہ بیاہ کر ان کے گاؤں چلی گئی تھی جبکہ وہ بیاہ کر ادھر آئی تھی۔ اندرونی حصے میں اختر بانو بجھے دل کے ساتھ لاؤنج میں کھڑی تھیں۔

صغورا اور ثمینہ چچا زاد تھیں اور ان کی آپس میں بہت بنتی تھی۔ وہ اختر بانو کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی تھیں۔ کبھی کبھی تو اسے لگتا تھا جیسے وہ اسے حقیر سمجھتی ہوں۔ وہ ذمہ داریوں سے بھی بھاگتی تھیں اور یہ آج پہلی بار ایسا نہیں ہوا تھا۔ اکثر ایسے موقعوں پر وہ میکے چلی جاتی تھیں۔ زمان شاہ کے مہمانوں کا خیال رکھنا صغورا کی ذمہ داری تھی کہ زمان شاہ اس کا شوہر تھا۔ زمان سے چھوٹے مہران شاہ ثمینہ کے شوہر تھے۔ مہران شاہ زیادہ تر کراچی میں رہتے تھے کہ انہیں زراعت سے زیادہ صنعت سے دلچسپی تھی اور انہوں نے ثمینہ کے بھائی کے ساتھ مل کر کراچی میں ٹیکسٹائل مل لگائی ہوئی تھی۔

آج پتا نہیں کیوں اس کا دل بہت گداز ہو رہا تھا آج برسوں بعد، اس کے دل میں پھر خیال آیا تھا کہ کاش وہ اس بڑی حویلی میں بیاہ کر آنے کے بجائے کسی چھوٹے سے گھر میں بیاہ کر جاتی۔ آج بھی

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

ابا سے بات نہیں ہو سکی تھی۔ بار بار فون کٹ جاتا تھا۔ پتا نہیں کیا بات تھی کہ آج ان کی آواز سن کر، دل ان سے ملنے کو تڑپ اٹھا تھا۔ فون پر بھی تو کم کم بات ہوتی تھی اور آج کتنے دنوں بعد اس نے کال کی تھی اور ٹھیک سے بات بھی نہیں ہو سکی تھی۔

وہ ہولے ہولے چلتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں آئیں تو ٹھٹک کر دروازے کے پاس ہی رک گئی ثوبان شاہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑے بالوں میں برش کر رہے تھے۔ رات وہ ثمرہ کے بیڈ روم میں تھے تو اس وقت انہیں وہاں ہی ہونا چاہیے تھا۔

برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر انہوں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ عمر کے اس حصے میں بھی وہ لمحہ بھر کے لیے اسیر کر لیتی تھی، گزرتے وقت نے اسے سنجیدہ اور باوقار بنا دیا تھا۔ آج بھی دل اس کی طرف کھنچتا تھا، شوخ، لا ابالی اور بے انتہا خوب صورت اختر بانو کو بابا کے اصرار پر جب وہ بیاہ کر لائے تھے تو پہلی نظر پڑتے ہی دل نے بے اختیار اسے سراہا تھا۔ بابا کا انتخاب لاجواب تھا۔ وہ صرف خوب صورت ہی نہیں تھی اسے بات کرنے کا قرینہ اور سلیقہ بھی تھا۔ الیف ایس سی تک تعلیم بھی تھی۔ کم عمری کی معصومیت اور سادگی نے اس کے حسن میں چار چاند لگا دیئے تھے۔ اور وہ اپنا دل اس کے سامنے ہار بیٹھے تھے آج اتنے سالوں بعد جب بچے بھی جوان ہو چکے تھے پتا نہیں کیوں، انہیں وہ پہلے دن والی سہمی سہمی، ہرنی جیسی آنکھوں والی اختر بانو یاد آ گئی تھی۔ جسے دادا، دادی کی مخالفت کے باوجود بابا نے ان کی زندگی میں شامل کیا تھا۔

اور وہ اس کی رفاقت پا کر خود کو دنیا کا سب سے خوش نصیب آدمی سمجھتے تھے۔ پھر یہ اجنبیت اور غیریت نہ جانے کب ان کے درمیان چلی آئی تھی۔ شاید ثمرہ سے شادی کے بعد، سر جھٹک کر ماضی کے تصور کو جھٹک کر انہوں نے اختر بانو کی طرف دیکھا۔

"زمان شاہ کے مہمان آ رہے ہیں ان کی خاطر تواضع میں کوئی فرق نہ آئے۔ صفورا اور ثمینہ بھابی گھر پر نہیں اور ثمرہ کی طبیعت ٹھیک نہیں، میں اسے لے کر ڈاکٹر کی طرف جا رہا ہوں۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بہت کم بولتی تھی حالانکہ شادی کے ابتدائی دنوں میں، وہ بہت بولتی تھی اور وہ اسے چہکتی مینا کہتے تھے۔ پتا نہیں کیوں وہ آج بار بار ماضی میں جھانکنے لگے تھے۔ کتنے خوب صورت لمحے تھے جو ماضی کا حصہ بن کر وقت کی دھول میں چھپ گئے تھے۔

اس نے پوچھا نہیں تھا کہ ثمرہ کو کیا ہوا ہے، اسے سوال کرنے کی عادت نہیں تھی انہوں نے خود ہی بتایا۔

"رات ثمرہ کو بخار ہو گیا تھا کھانسی اور جسم میں درد بھی ہے۔"

"ریحان سے بات ہوئی آپ کی، کب تک واپسی ہے۔"

ریحان اور نعمان اس سے بے تکلف نہ تھے۔ دادی اور دادا کے بعد وہ ثوبان کو ہی اپنے پروگرام بتایا کرتے تھے اور سارے معاملے ان سے ہی ڈسکس کرتے تھے۔ ریحان چند دن پہلے، اپنے دوستوں کے ساتھ شمالی علاقہ جات کی سیر کے لیے گئے تھے اور اس کا علم بھی اسے ثوبان سے ہی ہوا تھا۔ وہ ماں تھی سو فکر مند تھیں۔

"ہاں رات بالاکوٹ سے فون کیا تھا اس نے زیادہ بات نہیں ہو سکی تھی کہ وہاں سگنل کا پرابلم تھا۔"

انہوں نے کرسی کی پشت پر پڑا ہوا اپنا ویسٹ کوٹ اٹھایا۔

ثمرہ کو چیک کروا کے میں ادھر سے ہی حیدر آباد چلا جاؤں گا، شایان کو بھی اپنی نانو کے گھر گئے ہفتہ بھر ہو گیا ہے۔ ثمرہ اس کے لیے اداس ہو رہی تھی اور۔"

"اپنی نانو کے گھر۔"

اختر بانو کے دل پر جیسے کسی نے ہاتھ مارا تھا۔ بے اختیار اس نے نظریں اٹھائیں ثوبان شاہ اس کی طرف ہی دیکھ رہے تھے، زخمی نظروں میں سینکڑوں شکوے تڑپ رہے تھے لیکن لب خاموش تھے۔ اس نے فوراً ہی نظریں جھکا لی تھیں۔ ثوبان شاہ کے دل کو لمحہ بھر کے لیے، کچھ ہوا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے سر

جھٹک کر انہوں نے اپنی بات مکمل کی۔

"شانی کہہ رہا تھا کہ بابا جان ثمرہ کو بہت یاد کر رہے ہیں۔ کافی دن ہو گئے ہیں اسے حیدر آباد گئے ہوئے تو پروگرام یہ ہے کہ ثمرہ کو حیدر آباد چھوڑ کر میں کراچی چلا جاؤں گا۔ نعمان کو کچھ مشورے کرنے ہیں وہ اور ریحان دراصل اپنا الگ سے کچھ کرنا چاہ رہے ہیں۔ واپسی پر شایان اور ثمرہ کو لیتا آؤں گا۔"

اور اسے کتنے سال ہو گئے تھے لاہور گئے ہوئے ابا اور بھائیوں سے ملے۔ زخمی نظریں ایک بار پھر ان کی طرف اٹھ کر جھک گئیں۔ ثوبان شاہ کی نظریں اس کے چہرے پر ہی ٹھہر گئیں۔ پتا نہیں کیوں آج ثوبان شاہ کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ اختر بانو کے ساتھ کہیں نہ کہیں زیادتی ہوئی ہے اور اس کی حق تلفی کے وہ بھی مجرم ہیں۔

یہ احساس شاید مولوی فقیر اللہ کے بیان کی وجہ سے تھا کہ چند دن پہلے، وہ بے ارادہ ہی مولوی صاحب کے ڈیرے پر چلے گئے تھے اور ان کا بیان سنا تھا اور کتنے سالوں بعد آج پہلی بار انہیں اختر بانو کی آنکھوں میں یہ زخمی سی کیفیت نظر آئی تھی۔

"تم لاہور جانے کا کہہ رہی تھیں ثمرہ واپس آ جائے تو تم بھی چلی جانا لاہور، چھ سات دنوں کے لیے میں سیٹ بک کروا دوں گا۔"

اس نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا تھا ایک نظر اس کے جھکے ہوئے سر پر ڈال کر وہ تیزی سے باہر نکل گئے۔ وہ ہاتھ گود میں دھرے یوں ہی ساکت بیٹھی رہی۔ اندر جیسے سمندر ابل رہے تھے لیکن آنکھیں خشک صحرا تھیں۔

اور اندر کہیں ایک ہی جملے کی تکرار ہو رہی تھی۔

اپنی نانو کے گھر..... نہیں ہے وہ اس کی نانو کا گھر۔ وہ بندلیوں سے چیخی تھی۔ وہ اس کے کوئی نہیں ہیں اس کی نانو تو اسے دیکھنے کی حسرت لیے دنیا سے چلی گئیں اور وہ اپنی ماں سے اسے ملانے نہ لے جا سکی کہ اسے اجازت نہ تھی کہ ہاسپٹل سے گھر آتے ہی وہ اس سے چھین لیا گیا تھا۔

"تمہارے پاس پہلے ہی دو بیٹے ہیں۔ ثمرہ کی گود خالی ہے۔ جب سے ڈاکٹر نے بتایا ہے اس کی اولاد نہیں ہو سکتی وہ سائیکلو ہوتی جا رہی ہے۔"

ثوبان شاہ نے اسے اٹھا کر ثمرہ کو دے دیا تھا۔ اور وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی، یہ بھی نہیں کہ پہلے دو بیٹوں کو کب اس کے قریب آنے دیا گیا۔

نعمان اور ریحان تو سارا وقت دادی کی نگرانی میں رہتے تھے۔ نعمان کو تو یہ کہہ کر دادی زیادہ وقت اپنے پاس ہی رکھتی تھیں کہ ابھی کم عمر ہو۔ سمجھ اور تجربہ نہیں ہے بچے کو سنبھالنے کا۔ اس کے پاس تو ملازمہ صرف فیڈ کے لیے ہی لاتی تھی۔ اور نعمان اچھی دو پونے دو سال کا تھا تو ریحان پیدا ہو گیا۔ اور ابھی وہ دو ماہ کا ہی تھا تو سلطان شاہ وفات پا گئے اور زندگی اس کے لیے مشکل ہو گئی۔ سلطان شاہ کے والد اور والدہ نے ڈھیروں ذمہ داریاں اس کے کندھوں پر ڈال دی تھیں۔

شروع میں سلطان شاہ کی بیوی نے، اس کا کچھ خیال کیا تھا لیکن پھر وہ اپنے ساس سسر کی طرح اس سے بے نیازی برتنے لگی تھیں۔ ملازمہ ان کی نگرانی میں ہی بچوں کو سنبھالتی۔ وہ ان کے مقابلے میں اپنی پھپھو اور دادی سے زیادہ مانوس تھے اور یہ سب ایک منصوبے کے تحت تھا، اس کا اندازہ اسے بہت بعد میں ہوا تھا۔ سلطانہ کی شادی کے بعد نعمان رو رو کر بیمار ہو گیا تھا۔ وہ اسے سنبھالنے کی کوشش کرتی پیار سے پاس بلاتی تو وہ روتا ہوا چلا جاتا۔

"آپ میری ماما نہیں ہیں۔ مجھے پھپھو اماں کے پاس جانا ہے۔"

ہولے ہولے دادی نے اسے بہلا لیا تھا۔ لیکن اس کے اندر ایک گھاؤ سا ہو گیا تھا۔ بچے اس کے تھے لیکن ان کی نظروں میں اس کا کوئی مقام نہ تھا۔ وہ اپنی ہر بات دادی سے یا پھر ثوبان سے کہتے تھے اس نے ایک بار ثوبان سے شکایت کی کہ بچے، اس کے پاس نہیں آتے وہ بلائے بھی تو چند منٹوں بعد چلے جاتے ہیں۔ ہر ضرورت کے لیے دادی اور پھپھو کے پاس جاتے ہیں جبکہ ماں میں ہوں تو ثوبان نے اس کی

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

بات کو اہمیت ہی نہیں دی تھی بلکہ حیران سا ہوا تھا۔

"شکر نہیں کرتی ہو، تم پر بچوں کی ذمہ داری نہیں ہے میری ماں، دادی اور بہن اچھے سے سنبھال رہی ہیں انہیں..... اور ہم دونوں کو آزاد چھوڑ رکھا ہے انجوائے کرنے کے لیے۔" وہ شوخ ہوئے تھے لیکن اس نے دل میں عہد کیا تھا کہ اگر اب اللہ نے اسے اولاد کی نعمت سے نوازا تو وہ اپنے بچے کو، ایک لمحے کے لیے بھی خود سے جدا نہیں کرے گی۔ خود پالے گی۔ سارے کام خود کرے گی۔ ملازمہ سے اپنے بچے کا کوئی کام بھی نہیں کروائے گی۔ نہیں جانتی تھی کہ ابھی اس کے لیے اور آزمائشیں بھی ہیں۔

سلطان شاہ کی وفات کے چار سال بعد، ثوبان شاہ کے دادا نے ان کی شادی ان کے چھوٹے تایا کی بیٹی سے کروادی اور اسے بلا کر صرف اتنا کہا تھا۔ خاندان میں ثمرہ کے جوڑ کا کوئی رشتہ نہیں ہے سو مجبوری ہے۔" امید ہے تم اچھی اور خاندانی لڑکیوں کی طرح اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس رشتے کو قبول کرو گی ہمارے خاندان میں دوسری شادی کو معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ ثوبان کے بڑے تایا کی بھی دو شادیاں ہوئی ہیں۔ پہلی بیوی میری بھتیجی تھی۔ اس سے عمر میں کافی بڑی تھی۔ دوسری شادی پھر اولاد کے لیے کی تو تم بھی اچھی لڑکیوں کی طرح واویلا اور ہنگامہ نہیں کرو گی۔"

البتہ ثوبان شاہ نے بڑے وعدے کیے اور تسلیاں دی تھیں۔

"میں مجبور ہو گیا ہوں اختر! دادا کو انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن تمہارا جو مقام میرے دل میں ہے وہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا۔ تم میری اولین محبت ہو۔ پہلی نظر میں ہی دل ہار بیٹھا تھا وغیرہ وغیرہ۔"

لیکن پھر کیا ہوا تھا۔ بہت جلد ثمرہ ان پر حاوی ہو گئی تھی۔ حالانکہ وہ ایک بہت عام سی شکل و صورت کی عام سی لڑکی تھی۔ اختر بانو کی خوب صورتی، سادگی اور معصومیت سب پس منظر میں چلے گئے تھے شاید اس میں کچھ ہاتھ، ثوبان شاہ کے دادا اور دادی کا بھی تھا کہ ثوبان شاہ ہولے ہولے اس سے دور چلے گئے اور وہ جیسے خود کو بھی بھولتی جا رہی تھی۔ اسے لگتا تھا جیسے زندگی ہولے ہولے اس کے اندر مر رہی ہو ایسے میں شایان کی آمد کی خبر نے، اس کے دل میں پھر سے جینے کی امنگ پیدا کر دی تھی۔

آنے والا بچہ اس کا ہو گا صرف اس کا..... لیکن ثوبان شاہ نے اسے ثمرہ کی گود میں ڈال دیا۔ وہ خالی گود لیے تڑپ تڑپ کر بلک بلک کر روئی لیکن وہاں اس کی پروا کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ثمرہ چھ دن کے بچے کو لے کر حیدر آباد اپنے میکے چلی گئی تھی اور پھر دو ماہ بعد آئی تھی۔ تو وہ تڑپ کر اسے دیکھنے کو لپکی تھی تو ثمرہ نے سختی سے کہا تھا۔

"اختر بانو تم بھول جاؤ کہ اس بچے کو تم نے جنم دیا ہے۔ اور کبھی بھی اسے معلوم نہ ہونے پائے کہ تم اس کی ماں ہو۔"

ثوبان شاہ نے بھی ثمرہ کی تائید کی تھی۔

ثمرہ ٹھیک کہتی ہے اختر بانو۔ شایان کو کبھی معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ ثمرہ نہیں تم اس کی ماں ہو اس طرح اس کی شخصیت میں بڑا ہونے پر کئی مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔"

"لیکن وہ میرا بیٹا ہے۔ میرا دل اس کے لیے ہمکتا ہے۔ میں اسے گود میں لینا چاہتی ہوں پیار کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ رو پڑی تھی۔

"تو اپنے دل کو سمجھاؤ ثمرہ کو اچھا نہیں لگتا کہ تم اس کے ارد گرد گھومو۔"

ثوبان شاہ بدل گئے تھے۔ وہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی تھی۔

"تم نعمان اور ریحان پر توجہ دیا کرو۔"

ثوبان کی دادی فوت ہو گئی تھیں سلطانہ کی شادی ہو گئی تھی اور ثوبان کی والدہ بیمار رہنے لگی تھیں۔

"وہ میرے پاس رکتے ہی کب ہیں۔"

"کیسی ماں ہو تم جو دو چھوٹے بچوں کو قائل نہیں کر سکتیں۔"

اور وہ صرف اسے دیکھ کر رہ گئی تھی تاہم وہ نعمان

اور ریحان کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کی کوشش کرتی تھی۔ انہیں پاس بٹھا کر ہوم ورک کرواتی سبق یاد کرواتی۔ شروع شروع میں تو وہ مشکل سے اس کے پاس بیٹھتے انہیں اپنے کمرے میں یا اپنی دادی کے پاس جانے کی جلدی ہوتی تھی لیکن پھر ہولے ہولے وہ اس کی باتوں میں دلچسپی لینے لگے تھے بلکہ ریحان تو کہانی سننے کی فرمائشیں کرنے لگا تھا۔ ایک دو بار تو وہ ضد کر کے اس کے پاس ہی سو گیا تھا جس پر ثوبان شاہ کے دادا نے اسے منع کیا تھا کہ وہ اسے اپنے پاس سلانے کا عادی نہ بنائے۔ پھر بھی وہ خوش تھی مطمئن تھی اس کے بچے اس سے مانوس ہو رہے تھے اس کے قریب آ رہے تھے جب ریحان اپنے ننھے ننھے ہاتھ اس کے چہرے پر رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کرتا تھا تو وہ اس کے ہاتھوں کو بے اختیار چومنے لگتی تھی لیکن یہ خوشی تھی عارضی تھی وہ نہیں جانتی تھی۔

صرف دو ماہ بعد ثوبان نے اسے بتایا کہ بچوں کو ایبٹ آباد داخل کروا دیا گیا ہے اور وہ اب ہوسٹل میں رہیں گے۔

"اتنے چھوٹے بچے وہاں ہوسٹل میں رہیں گے۔" اس کی آنکھیں برسنے کو بے تاب ہوئی تھیں۔

"ہاں دادا جان بہتر سمجھتے ہیں اختر بانو اور یہ ان کا فیصلہ ہے کہ یہاں اس چھوٹی سی جگہ پر بچوں کی صحیح تعلیم نہیں ہو سکتی۔ کوئی ڈھنگ کا سکول تو ہے نہیں۔"

خلاف معمول ثوبان شاہ نے نرمی سے کہا تھا ورنہ جب سے ثمرہ سے ان کی شادی ہوئی تھی وہ یہ نرمی سے مخاطب کرنا بھول گئے تھے۔

"لیکن ابتدائی تعلیم تو سب نے یہاں ہی حاصل کی ہے سلطان چاچا نے بتایا تھا۔"

وہ نہیں چاہتی تھی کہ بچے ایک بار پھر اس سے دور چلے جائیں ورنہ اسے بحث کی عادت نہ تھی۔

"وقت کے تقاضوں کے ساتھ چلنا پڑتا ہے اختر بانو!"

اور وہ خاموش ہو گئی تھی بچوں کو ہوسٹل میں داخل کروا دیا گیا۔ تو گھر میں جیسے ایک دم خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ بولائی بولائی سی پھرتی رہتی تھی۔ ثمرہ شایان کو اس کی موجودگی میں اپنے کمرے سے باہر کم ہی لاتی تھی۔

بچے چھٹیوں میں آتے تو دادی کے پاس ہی رہتے۔ یا پھر اپنے کمرے میں مصروف رہتے۔ وہ ہولے ہولے پتھر ہوتی جا رہی تھی۔ یہ اسے لگتا تھا۔ حالانکہ وہ پتھر کیسے ہو سکتی تھی انسان تھی اس کے سینے میں بھی دل دھڑکتا تھا۔ اور اس دل پر چوٹ بھی لگتی تھی اسے تکلیف بھی ہوتی تھی لیکن آنکھیں خشک صحرا بن گئی تھیں آنسو اندر گرتے تھے۔

لاہور سے اماں کا فون آتا تو وہ اصرار کرتیں اختر بانو میرے نواسے کو لے کر آؤ یہاں سب اسے دیکھنے اور ملنے کو بے تاب ہیں اور میں نے کبھی جی بھر کر کہاں دیکھا تھا۔ ہاسپٹل سے ہی گھر آ گئی تھی۔ اس کی صورت آنکھوں سے ہٹتی ہی نہیں۔ نومی اور ہانی (نعمان اور ریحان) بھی ماشاء اللہ بہت پیارے ہیں اللہ انہیں نظر بد سے بچائے لیکن شانی کو تو میں نے گود میں لیا تو جیسے چاند میری گود میں اتر آیا ہو۔ پورے ہسپتال میں شور مچ گیا تھا کہ اتنا خوب صورت بچہ ہے۔

نرسیں اور ڈاکٹرز اسے دیکھنے کمرے میں آتی تھیں۔ تو یہاں تمہارے بھائی اور بھابیاں مجھ سے سن کر اسے دیکھنے کو بے تاب ہو رہے ہیں۔ زیبی تھوڑا مصروف ہے کہتا ہے کسی روز خود جا کر تمہیں اور بچوں کو لے آئے گا۔ تم نے حویلی سر پر تو نہیں اٹھا رکھی نا۔

اور وہ چپ چاپ اماں کی باتیں سنتی رہتی آنسو اس کے اندر گرتے رہتے۔ وہ انہیں بتانا چاہتی کہ شانی کو دیکھنے کو تو وہ خود ترس جاتی ہے۔ بیس بیس دن کے لیے ثمرہ اسے لے کر حیدر آباد چلی جاتی ہے۔ لیکن اس خیال سے لب سی لیتی کہ وہ دکھی ہوں گی۔

ثوبان کی والدہ کی طبیعت خراب تھی انہیں بہت سے مسائل تھے شوگر تھی، گردوں میں انفیکشن تھا اور اب ہارٹ کی تکلیف بھی ہو گئی تھی۔ وہ فارغ وقت ان کے پاس گزارتی تھی۔ اگرچہ ایک ملازمہ خصوصی ان کے لیے خدمت کے لیے موجود تھی۔ گو سلطان شاہ کی وفات کے بعد ان کا رویہ بھی اس کے ساتھ بدل گیا تھا۔

UUNovels.com

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

وہ اپنے ساس سسر کے زیر اثر تھیں۔ پھر بھی وہ اتنی بیمار تھیں کہ بنا کسی کے کہے ان کا خیال رکھنا اس نے اپنا فرض بنالیا تھا وہ زبان سے تو کچھ نہ کہتی تھیں لیکن ان کی آنکھوں میں اسے اپنے لیے ہمدردی اور تاسف نظر آتا تھا۔ زمان شاہ اور مہران شاہ کی بیویاں بس کھڑے کھڑے ہی کمرے میں آتی تھیں۔ اور حال دریافت کرکے چلی جاتی تھیں۔ ثمرہ تو اتنا بھی نہ کرتی تھی۔ شایان ابھی صرف چھ ماہ کا تھا کہ ایک بار پھر اسے خوشخبری ملی تو وہ چیخ چیخ کر روئی۔

"نہیں، نہیں چاہیے مجھے یہ بچہ پلیز ڈاکٹر اسے ختم کردیں۔ ابھی وہ نومی، ہانی اور شانی کی طرح اسے مجھ سے چھین لیں گے۔ نہیں یہ اذیت برداشت نہیں کرسکتی میں۔"

وہ روتے روتے بے ہوش ہوگئی تھی۔ اس کی حالت اتنی خراب ہوگئی تھی کہ اسے کئی دن ہاسپٹل رکھنا پڑا۔ بار بار بے ہوش ہوجاتی۔ ہوش آتا تو ہاتھ جوڑنے لگتی چیخنے لگتی۔ ضبط کے بند ٹوٹ گئے تھے۔

"ایسا نہیں ہوگا اختر بانو تمہارا بچہ صرف تمہارا ہی ہوگا۔ ریحان اور نعمان بھی تمہارے ہی ہیں۔ ہاں صرف شایان کو۔"

ثوبان نے اسے تسلی دی تھی۔ لیکن اسے اعتبار نہیں تھا۔

"آپ اسے ثمینہ بھابی کو دے دیں گے مجھے پتا ہے۔ اللہ نے ابھی تک انہیں اولاد نہیں دی نا تو۔"

"نہیں دی تو دے دے گا دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔"

ثوبان اس کی حالت پر پریشان تھے ڈاکٹر نے کہا تھا کہ اگر اس کی حالت یہ ہی رہی تو نروس بریک ڈاؤن کا خطرہ ہے اور شاید۔

"مجھے آپ پر اعتبار نہیں ہے۔"

"مجھ پر تو اعتبار کرو گی نا۔"

ثوبان شاہ کی والدہ چیک اپ کے لیے حیدرآباد اسپتال آئی ہوئی تھیں اور اسے دیکھنے اس کے کمرے میں آئی تھیں۔

"آپ عورت ہیں اماں جان میرا درد سمجھ سکتی ہیں۔ آپ کے دل میں ذرا بھی میرا خیال ہے یا مجھ سے ہمدردی ہے تو ثوبان شاہ سے کہیں اجازت دے دیں کہ۔"

"نہیں۔" انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے بچے کو تم سے کوئی نہیں لے گا قسم کھاتی ہوں...... اور ثوبان بھی قسم کھاتا ہے۔ اس بچے کو تم پالو گی اس کی پرورش اور اس کے دوسرے معاملات میں کوئی دخل نہیں دے گا۔ یہ صرف تمہارا ہوگا۔"

☆☆☆

"اماں جان!" امان نے دروازے سے جھانکا۔

"بابا کہاں گئے ہیں۔" اس نے سر اٹھا کر خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔ اپنے اندر کے دکھوں سے لڑتے ہوئے وہ سن ہی نہیں پائی تھی کہ امان نے کیا کہا ہے۔

"اماں جان!" امان پریشان سا ہو کر اندر چلا آیا۔

"کیا ہوا آپ ٹھیک تو ہیں نا۔" اب وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہوں۔"

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی لیکن دل کا درد آنکھوں سے جھانک کر کہہ رہا تھا کہ اندر کہیں بہت تکلیف ہے بہت اذیت ہے۔

"اماں جان۔" وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا اور اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

"کیا بابا نے کچھ کہا ہے آپ پریشان لگ رہی ہیں؟"

"ہاں...... نہیں تو انہوں نے بھلا کیا کہنا تھا۔"

اب وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

"وہ تو بس یہ ہی کہہ رہے تھے کہ ڈیرے پر زمان بھائی کے مہمان آئے ہوئے ہیں تو ان کی خاطر تواضع میں کمی نہ ہو۔"

"مجھے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔" وہ

تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"زمان چاچو کے مہمان ہیں نا تو منورا چچی سے کہیں وہ دیکھ لیں سب۔"

"وہ اور ثمینہ بھابی دونوں ہی میکے چلی گئی ہیں۔" سادگی سے کہتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ امان شاہ کے ہاتھوں سے چھڑائے تو غصے کی ایک لہر سی امان شاہ کے اندر اٹھی۔

"تو ثمرہ امی تو گھر پر ہیں نا ان سے کہیں۔ ساری ذمہ داریاں کیا آپ نے ہی سنبھالنی ہیں۔ میں نے تو انہیں کبھی آپ کی طرح حویلی کے کاموں کے لیے کھپتے نہیں دیکھا۔ حالانکہ عمر میں وہ آپ سے کافی بڑی ہیں جبکہ ان کی شادی آپ کے بعد ہوئی۔ بابا کو آپ کا خیال کرنا چاہیے۔ ہر چھوٹی بڑی ذمہ داری آپ پر ڈال دیتے ہیں۔"

اور اختر بانو کے دل پر جیسے پھوار سی گرنے لگی تھی اور سارا گرد و غبار دھل کر صاف ہو گیا تھا۔ کوئی تو ہے ان کا احساس کرنے والا۔ ان کا غم گسار ان کا دوست ان کا بیٹا امان شاہ۔ شایان شاہ سے صرف ڈیڑھ سال چھوٹا۔ ثوبان شاہ اور اماں جان نے وعدہ نبھایا تھا۔ امان شاہ کے معاملے میں کبھی دخل نہیں دیا تھا انہوں نے امان شاہ کے متعلق سارے فیصلے وہ ہی کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں امان دیا تھا وہ اس کے لیے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے تھکتی نہ تھیں۔ انہوں نے امان کے متعلق کسی کو بھی نہیں بتایا تھا۔ کسی کو بھی نہ حتیٰ کہ اماں اور ابا کو بھی نہیں پتا نہیں کیا خوف تھا جو اس کے دل کے اندر کنڈلی مار کر بیٹھا ہوا تھا۔

ثوبان شاہ نے اس فیصلے پر اسے سراہا تھا۔

"یہ تم نے اچھا کیا اس طرح تمہارے میکے میں بھی کوئی شایان کے متعلق نہیں جان پائے گا۔ یہ تمہاری ذمہ داری ہے اختر بانو، کہ کسی کو علم نہ ہو کہ شایان تمہارا بیٹا ہے۔ اور انہوں نے کبھی کسی کو نہیں بتایا تھا۔ امان اور شایان، ہم عمر ہی لگتے تھے گو وہ اس سے ڈیڑھ سال چھوٹا تھا۔ جب پہلی بار ماں کی وفات پر امان کو لے کر گئی تھی تو سب نے اسے شایان ہی سمجھا تھا اس کا تیسرا بیٹا اور نام تو یہاں کسی کو معلوم ہی نہیں تھا۔"

☆☆☆

"ارے یہ تو بالکل شاہ زیب جیسا ہے۔" ابا نے کہا تھا۔

تمہاری اماں نے یہ تو نہیں بتایا تھا بس ہر وقت تعریفیں کرتی رہتی تھی کہ میری اختر کا بیٹا ماشاء اللہ اتنا خوب صورت ہے کہ نظر اس پر ٹھہرتی ہی نہیں۔ یہ تو بتایا ہی نہیں کہ یہ تو ساری شباہت ہی زیبی کی چرالایا ہے۔"

اور تب وہ ابا کو اپنے راز میں شریک کر بیٹھی تھی۔ اور جہاں زیب کو لگا تھا جیسے ان کا دل پھٹ جائے گا۔ ایک لفظ کہے بغیر اسے گلے سے لگائے چپ چاپ اس کے آنسو پونچھتے رہے تھے۔

"میرے دل پر بہت بوجھ تھا میں نے آپ کو اپنے اس راز کا امین بنایا ہے۔"

"میری بچی۔" انہوں نے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

"مجھے معاف کردینا۔ میں تمہارے لیے صحیح اور بہتر فیصلہ نہیں کرسکا تھا۔"

"ابا!" اس نے ان کے ہاتھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگایا تھا۔

"ایسا مت کہیں۔ میرے مقدر میں یہ ہی لکھا تھا۔"

"تم میں کیا کمی تھی اختر بانو جو ثوبان نے دوسری شادی کی۔"

وہ اس روز اتنا روئے تھے کہ اماں کی وفات پر بھی اس نے انہیں اتنا روتے نہیں دیکھا تھا۔ اماں کے سوئم کے بعد وہ واپس آ گئی تھی جبکہ ثوبان تو جنازے کے بعد ہی چلے گئے تھے۔

☆☆☆

"میں جا کر ثمرہ اماں سے بات کرتا ہوں۔" امان اٹھنے لگا تو اس نے اسے روکا۔

"ثمرہ آپا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تمہارے بابا انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے ہیں۔ پھر وہاں سے ہی حیدرآباد چلے جائیں گے۔ بہت دن ہو گئے تھے انہیں میکے گئے ہوئے۔"

UUNovels.com

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

اس کے سادا سے لہجے میں بھی ایسا کیا تھا کہ امان شاہ کا دل، اس کے ان کہے درد سے تڑپ اٹھا۔

"آپ کا دل نہیں چاہتا اماں جان میکے جانے کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے آپ کو لاہور گئے ہوئے۔"

"چھ سال چار ماہ اور سات دن۔" بے اختیار ہی اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

"اور دل کا کیا ہے میری جان۔ وہ تو نہ جانے کیا کیا چاہتا ہے۔" افسردہ سی مسکراہٹ کے پیچھے جو درد چھپا تھا امان نے اسے اپنے دل میں محسوس کیا۔

"بابا واپس آ جائیں تو میں آپ کو لاہور لے کر جاؤں گا۔ بس آپ تیاری رکھیں۔ پورے دو ہفتے کے لیے جائیں گے۔ مجھے تو خود کچھ یاد نہیں، نہ نانا ابو کا گھر نہ اپنے ماموں زاد بہن بھائی۔ بلکہ مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ کس ماموں کے کتنے بچے ہیں۔"

"تم جب آخری بار ساتھ گئے تھے تو بہت چھوٹے تھے بھلا کیا یاد ہو گا۔ پھر جب بھی گئی تو اکیلی ہی گئی۔ تمہارے بابا کہتے تھے بچوں کو مت لے کر جانا پڑھائی کا حرج ہو گا۔"

آنکھوں میں چھائی اداسی اور بھی گہری ہو گئی تھی۔

"بابا نے کچھ بتایا تھا کب تک واپس آئیں گے دراصل ان سے ہی بات کرنی تھی مجھے۔"

"کیا بات کرنی تھی برخوردار۔" ثوبان شاہ نے کمرے میں قدم رکھا وہ اپنا والٹ ڈریسنگ ٹیبل پر بھول گئے تھے۔ سو ڈاکٹر کے کلینک پر پہنچنے سے پہلے ہی پلٹ آئے تھے۔

"مجھے ماسٹر پنجاب یونی ورسٹی لاہور سے کرنا ہے بابا۔ کچھ دنوں تک وہاں ایڈمیشن کھل جائیں گے۔ میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ مجھے دادا جان کی طرح گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجویشن کرنا ہے لیکن تب آپ نے اجازت نہیں دی تھی لیکن اب ماسٹرز وہاں سے ہی کرنا ہے۔"

"جامعہ کراچی سے کیوں نہیں پنجاب یونی ورسٹی میں کیا کوئی اسپیشل ایجوکیشن ہوتی ہے۔" طنزیہ انداز میں کہتے وہ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھے۔

"نہیں لیکن مجھے شوق ہے پنجاب یونی ورسٹی سے جرنلزم میں ماسٹرز کرنے کا۔" امان شاہ بالکل اپنے دادا سلطان شاہ کی طرح تھا تحمل مزاج، صابر اور سمجھ دار۔

"یہ مجھے تمہارا جرنلزم میں ماسٹرز کرنا سمجھ نہیں آیا۔ کیا کرو گے صحافی بن کر بہت ایمان دار اور سچے ہوئے تو کسی روز مار دیے جاؤ گے، دوسری صورت میں لفافہ صحافی کا ٹھپہ لگ جائے گا تمہارے ماتھے پر۔ ایم بی اے کرواتے بھائیوں کی طرح کارخانہ مل یا شاپ ان لگا لو۔ تم اور شانی مل کر سنبھال لینا۔"

"فی الحال تو مجھے اپنی تعلیم مکمل کرنی ہے بابا۔ رہی یہ بات کہ میں صحافی بن کر کیا کروں گا تو میں خود بھی نہیں جانتا لیکن مجھے شوق ہے۔"

"او کے واپس آ کر بات کریں گے۔"

انہوں نے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا اپنا والٹ اٹھایا لمحہ بھر کے لیے ان کے دل میں خیال آیا کہ وہ اختر بانو کو یاد دلا دیں کہ آج زمان بھائی کے گیسٹ آ رہے ہیں لیکن پھر سر جھٹک کر باہر چلے گئے۔ اتنے سالوں کی رفاقت میں اتنا تو وہ جانتے ہی تھے کہ وہ غیر ذمہ دار نہیں ہے اور حویلی سے متعلق، ہر ذمہ داری کو اس نے بڑے احسن طریقے سے نبھایا ہے اور کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔

"تو آپ تیاری کریں، ثمرہ اماں کے واپس آتے ہی ہم لاہور جائیں گے۔"

امان شاہ کھڑا ہو گیا کہ اسے ایک دوست کی طرف جانا تھا جو ساتھ والے کوٹھ میں رہتا تھا۔

"لیکن مانی......"

اختر بانو نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔

"ابا جان نے بتایا تھا ایک دو ماہ تک ارباب بھائی اور اورنگ زیب بھائی کے بچوں کی شادیاں ہیں تو میں سوچ رہی ہوں، ابھی گئی تو پھر جانا مشکل ہو جائے گا۔"

"تو کیا ہوا۔ پھر بھی چلے جائیں گے۔ میں لے جاؤں گا آپ کو لیکن ابھی جو پروگرام بنا ہے وہ

UUNovels.com

ڈن ہے۔" وہ مسکرایا۔

"بس آپ تیاری رکھیں۔" اس نے ان کا بازو تھپتھپایا اور وہ بھی نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا دیں۔

☆☆☆

ان کا یہ بیٹا بچپن سے ہی اس کے بے حد قریب تھا۔ اس کی آنکھوں کی اداسی اسے بھی اداس کر دیتی تھی۔ سارا وقت اس کے آس پاس ہی چکراتا رہتا تھا۔ وہ اس کے لیے اس کی ساری محرومیوں ساری تھکنوں کا نعم البدل تھا ذرا سا بڑا ہوا تو پوچھ بیٹھا تھا۔

"بابا آپ کے ساتھ اتنا روکھا رویہ کیوں رکھتے ہیں۔"

"پتا نہیں۔" وہ خود بھی نہیں جانتی تھی اسے کیا بتاتی کہ ثوبان شاہ یک دم سے کیوں بدل گئے ہیں۔ ثمرہ کے ساتھ شادی سے پہلے، کتنے وعدے کیے تھے انہوں نے کتنا یقین دلایا تھا کہ اس کا جو مقام ہے وہ اس کا ہی رہے گا، وہ ہمیشہ ان کے دل کی مسند پر اونچی جگہ پر براجمان رہے گی لیکن پھر وہ سب وعدے بھول گئے تھے۔

ثمرہ میں ایسا کیا تھا جو اس میں نہیں تھا۔ شاید وہ اتنی تیز طرار نہیں تھی۔ اسے اپنا حق لینا اور اپنا آپ جتانا نہیں آتا تھا۔ اور شاید وہ غیر خاندان سے تھی اور ثمرہ ان کے اپنے خاندان کی۔ ثمرہ کی چھوٹی سی تکلیف پر بھی ثوبان شاہ پریشان ہو جاتے تھے لیکن اس کا دکھ اس کا کرب نہیں سمجھ سکتے تھے۔ وہ نعمان کے لیے تڑپتی تھی۔

"وہ ہمارا بیٹا ہے پھر اسے مجھ سے دور کیوں کر دیا گیا ہے۔"

"دور کہاں کیا ہے یار! تمہارے بھلے کے لیے ہی تو اس کی ذمہ داری انہوں نے لے لی ہے اور وہ تم سے بہتر اس کی دیکھ بھال کر سکتی ہیں۔" ریحان آیا تو ابھی کمزور کہہ کر دادی کی نگرانی میں دے دیا اور ثوبان شاہ کی ثمرہ سے شادی کے بعد تو وہ ان کی دوری بہت زیادہ محسوس کرنے لگی تھی۔ کہ ثوبان شاہ شروع کے چند ماہ باقاعدگی سے دو دن ثمرہ کے ساتھ دو دن اس کے ساتھ گزارتے رہے اور پھر ہولے ہولے ہفتوں مہینوں وہ اس کے کمرے میں نہ آتے تھے۔

"کیا سوچ رہی ہیں۔" امان اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

"کچھ نہیں۔" ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر نمودار ہوئی۔

"اور کچھ سوچنا بھی نہیں ہے آپ نے بس طے ہو گیا تو ہو گیا۔ بس مجھے یہ بتائیں کہ نانا جان کے گھر میں کون کون ہے۔ کتنی حیرت کی بات ہے نا کہ مجھے یہ تک نہیں پتا کہ میرے ماموؤں کے کتنے بچے ہیں۔ میں واپس آ کر سب کے متعلق آپ سے پوچھتا ہوں۔ اتنے عرصہ بعد جائیں گی آپ تو سب کے لیے گفٹ بھی تو لینے ہوں گے۔ جانے سے پہلے ہم حیدر آباد جا کر سب کے لیے گفٹ لے آئیں گے۔"

وہ بولتا جا رہا تھا اور وہ نم آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ نمی جس میں محبت بھی تھی اور تشکر بھی۔

"او کے میں اب چلتا ہوں واپسی عصر تک ہو گی۔ کھانے پر انتظار مت کیجئے گا۔ ڈنر ان شاء اللہ آپ کے ساتھ۔" اس نے محبت اور عقیدت سے اس کا ہاتھ پہلے ہونٹوں سے لگایا اور پھر آنکھوں سے۔

"اللہ کے حوالے۔"

وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں تاکہ کچن میں اپنی نگرانی میں کھانا تیار کروا سکیں اور زمان شاہ کو کوئی شکایت نہ ہو۔

☆☆☆

"تمہارے ابا نے آج ہی آنے کا کہا تھا نا زیب۔"

زہرا بتول نے زیب النساء کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"جی اماں، آج ہی آنے کو کہا تھا۔"

زیب النساء جو تکیے سے ٹیک لگائے نسیم حجازی کا کوئی ناول پڑھ رہی تھی۔ ہڑبڑا کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ چند دن پہلے ہی وہ، میٹرک کا امتحان دے کر

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

فارغ ہوئی تھی اور استانی جی کے گھر سے یہ ناول لے کر آئی تھی۔ اسے تاریخی ناول پڑھنا پسند تھا۔ نسیم حجازی اور رشید اختر ندوی کے ناول بہت شوق سے پڑھتی تھی۔ یہ شوق اسے فاطمہ باجی کو دیکھ کر ہوا تھا پہلی بار فاطمہ باجی نے ہی اسے آٹھویں کے امتحان کے بعد ایک تاریخی ناول پڑھنے کو دیا تھا۔

"رشید اختر ندوی کا "یلغار" زیب، یہ تاریخی ناول ہے۔ آج کل فارغ ہو تو انہیں پڑھو۔ اردو بھی اچھی ہو گی اور کچھ تاریخ کا بھی علم ہو گا۔" یوں بادشاہوں اور شہزادیوں کی کہانیوں کے بجائے اس نے جو پہلی چیز پڑھی تھی۔ وہ یہ تاریخی ناول تھا اور تب سے ہی اسے تاریخی ناول پڑھنے کا چسکا پڑا تھا، جب بھی فرصت ملتی وہ استانی جی کے گھر سے کوئی نہ کوئی ناول لے آتی تھی ان کے گھر دو بڑی بڑی الماریاں کتابوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اس نے ناول تکیے کی سائیڈ پر اوندھا کر کے رکھ دیا۔

"لیکن شام تک ہی آئیں گے نا۔"

"ہاں اگر صبح سویرے وہاں سے نکلیں تو بس آنے ہی والے ہوں گے۔"

زہرا بتول کمرے میں موجود دوسری چارپائی پر بیٹھ گئی تھی۔

"تمہارا کیا خیال ہے زیب، تمہارے نانا تمہارے ابا کے ساتھ آئیں گے۔"

"ہاں اگر ابا نے کہا ہے کہ وہ نانا کو لے کر آئیں گے تو وہ ضرور لے کر آئیں گے، ابا کبھی کوئی ایسا وعدہ نہیں کرتے اماں، جو پورا نہ کر سکیں۔"

زیب النساء نے اسے یقین دلایا۔

اور یہ یقین تو اسے بھی تھا کہ عبدالعزیز وعدہ کر کے نبھانے والوں میں سے ہے۔ تین سال پہلے انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ چھٹیوں میں، بہاولپور جا کر امیر الدین چاچا سے مل کر ان کی خیر خیریت معلوم کر کے آئیں گے اور آئندہ بھی اپنے اس فرض میں کوتاہی نہیں کریں گے اور ایسا ہی ہوا تھا۔ گزرے تین سالوں میں وہ تین بار بہاولپور گئے تھے اور خط تو ہر دو تین ماہ بعد امیر الدین کی دکان کے پتا پر لکھتے۔

مختصر سا خط خیریت موجود خیریت مطلوب والا خط وہاں سے بھی مختصر جواب آ جاتا کہ یہاں سب خیریت ہے، امید ہے وہاں بھی ہو گی۔ اور زہرا بتول اس پر ان کی بہت ممنون ہوتی تھی کہ اسے اپنے ابا اور بھائیوں کی خیریت معلوم ہو جاتی ہے۔ سوتیلے ہی سہی پر تھے تو بھائی ہی نا۔ سگے بھائی کا تو کچھ اتا پتا نہیں چلا تھا۔

عبدالعزیز نے بہاولپور میں سب سے پوچھا تھا کہ کیا خبر کسی نے کہیں دیکھا ہو، لیکن زہرا بتول کے شہزادے بھائی کا پتا نہیں چل سکا تھا امیر الدین نے بتایا تھا کہ ایک بار کسی نے بتایا تھا کہ اس نے اسے لاہور کی سبزی منڈی میں، مزدوری کرتے دیکھا ہے لیکن جب وہ بتانے والے دوست کے ساتھ لاہور منڈی میں گئے تو کہیں سے کچھ پتا نہ چل سکا۔ ایک دو بندوں نے بتایا تھا کہ سترہ اٹھارہ سال کا ایک لڑکا کچھ دن یہاں مزدوری کرتا رہا پھر پتا نہیں کہاں چلا گیا۔

"آپ کیا سوچ رہی ہیں اماں!"

"کچھ نہیں۔ بس یوں ہی تیرے ماموں کا خیال آ گیا تھا۔ اماں کتنے ناز اٹھاتی تھیں اس کے جانے کہاں دھکے کھاتا ہو گا۔ بھلے اماں زرینہ اسے مارتی تھیں لیکن ابا بھی تو تھے وہاں اور میں بھی..... ابا تھوڑا بہت اس کا تو خیال رکھتے ہی تھے۔ تھوڑا بہت صبر کر لیتا اماں کی مار برداشت کر لیتا تو۔"

اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"گھر تو تحفظ پناہ گاہ ہوتے ہیں زیب! گھر سے نکل کر تو بچے دل ہی جاتے ہیں اور عمر ہی کتنی تھی اس کی تب نو دس سال۔"

اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ زیب النساء کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کن لفظوں میں اماں کو تسلی دے اماں کے دکھوں کا کوئی مداوا انہیں تھا نہ اس کے پاس نہ ابا کے پاس تو اس نے زہرا بتول کا دھیان بٹانا چاہا۔

"نانا پہلی بار مجھے دیکھیں گے۔ وہ حیران تو

ہوں گے نا مجھے دیکھ کر۔"

"تمہارے ابا نے انہیں بتا رکھا ہے تمہارے متعلق اور جب تم پیدا ہوئی تھیں تب بھی چاچا عبدالخالق نے فوراً ہی ابا کو خط لکھ دیا تھا۔ وہ تمہیں دیکھ کر خوش ہوں گے زیب! جب میری اماں زندہ تھیں تو وہ مجھ سے بہت پیار کرتے تھے اور کہتے تھے بیٹیاں بہت پیاری ہوتی ہیں۔ دل کے بہت قریب۔"

اس نے ہاتھوں کی پشت سے نم آنکھوں کو پونچھا۔

"اماں! نانا کیسے ہیں۔ کیا آپ کی شکل ان سے ملتی ہے۔" اب وہ دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں ابا کہتے تھے میں بالکل اپنی ماں کی طرح ہوں۔ وہی ناک نقش۔ ویسا ہی رنگ و روپ، قدرت البتہ تمہارے ماموں کی ابا سے کافی مشابہت ہے۔"

"آپ اتنے سالوں بعد ابا سے ملیں گی اب تو وہ بوڑھے ہو گئے ہوں گے نا۔ فاطمہ باجی کے نانا کی طرح کچھ کچھ سفید بالوں والے۔"

وہ زہرا بتول کا دھیان بٹانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

"ہاں سترہ سال بعد۔ سترہ سال پہلے جب ابا نے مجھے ماسٹر صاحب کے ساتھ رخصت کیا تھا تب وہ جوان ہی تھے۔ سیاہ کالے بالوں میں ایک بال بھی سفید نہ تھا۔ مجھے یہ تو نہیں پتا کہ ان کی عمر کتنی تھی تب لیکن بڑے شان دار لگتے تھے ابا۔ دھوبی کے دھلے کلف لگے کپڑے۔ سیاہ گھنی مونچھیں۔ اب تو بوڑھے ہو گئے ہوں گے سیاہ بالوں میں سفید بالوں کی چاندی چمکتی ہو گی۔ میں بوڑھی ہو گئی ہوں تو وہ بھی بوڑھے ہو گئے ہوں گے۔" زہرا بتول کی بات سن کر زیب النساء کو ہنسی آ گئی۔

"آپ بوڑھی ہیں اماں؟ بھلا بوڑھے آپ جیسے ہوتے ہیں کتنی عمر ہو گی آپ کی سولہ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہوئی اور سترہ سال آپ کی شادی کو ہو گئے۔ تو بھلا آپ کہاں سے بوڑھی ہوئیں۔ وہ شہر سے جو ہماری حساب کی استانی آئی تھیں۔ عمر میں وہ آپ سے بھی بڑی تھیں۔ کیسے اونچی ہیل والی جوتی پہنتی تھیں اور شوخ رنگوں کے کپڑے، کانوں میں یہ بڑے بڑے بالے۔ لڑکیاں کہتی تھیں ابھی چند ماہ پہلے ان کی منگنی ہوئی ہے اور شادی چھٹیوں میں ہو گی۔"

"ساری بات تو اپنے دل کی ہوتی ہے نا زیب النساء۔ عمر اپنی جگہ پر لیکن دل جوان کو بوڑھا اور بوڑھے کو جوان بنا دیتا ہے۔"

اس نے ٹانگیں اوپر کر لی تھیں اور تکیے سے ٹیک لگا لی تھی۔

"اور آپ کا دل کیا کہتا ہے آپ سے کہ آپ بوڑھی ہو گئی ہیں۔" مسکراہٹ اب بھی اس کے لبوں پر ٹھہری ہوئی تھی۔

"میرا دل کہتا ہے کہ میں تمہاری شادی کر دوں اور شادی کے بعد، جب تمہارے بچے ہوں گے تو میں نانی بن جاؤں گی۔ اور نانیاں دادیاں تو پھر بوڑھوں میں ہی شمار ہوتی ہیں نا۔" وہ زیب النساء کو دیکھ رہی تھی۔ زیب النساء شرما گئی۔

"آپ بھی نا اماں! مجھے تو ابھی شادی نہیں کرنی پڑھنا ہے۔ پڑھ کر میں یہاں اپنے ہی اسکول میں پڑھاؤں گی۔ ابا کی طرح استاد بننا ہے مجھے۔"

"پر میرا دل نہیں مانتا زیب! تجھے ایک دوسرے شہر بھیجنے کا۔ جتنا پڑھ لیا ہے اتنا کافی نہیں ہے کیا۔"

"نہیں اماں، میٹرک تک کی تعلیم تو بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ میں اکیلی تھوڑی ہوں گی فاطمہ باجی کو جب صادق آباد میں جاب ملی تھی تو تب ہی انہوں نے مجھے کہہ دیا تھا کہ تم، میرے پاس رہ کر میرے ہی کالج میں پڑھنا۔ بس میرا رزلٹ آ جائے۔"

"نمبر اچھے ہوں اور مجھے فاطمہ باجی کے کالج میں داخلہ مل جائے۔ آپ میرے لیے دعا کریں۔ کریں گی نا۔"

اس کی سوالیہ نظریں زہرا بتول کی طرف اٹھیں اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

وہ تو ہر ہر لمحہ اس کے لیے دعا کرتی تھی لیکن اچھے نمبروں کے لیے نہیں بلکہ اچھے رشتے کے لیے۔ وہ دعا کرتی تھی کہ اللہ زیب النساء کا نصیب بہت اچھا کرے۔ اسے قدر کرنے، عزت کرنے والے اور محبت کرنے والے لوگوں سے واسطہ پڑے۔ زیب کو آپا رسولاں کا بیٹا بہت اچھا لگتا تھا۔ چھوٹی سی فیملی۔ آپا رسولاں اس کا بیٹا اور پیاری سی بیٹی۔ لیکن تب زیب النساء تو آٹھویں میں پڑھتی تھی اور آپا رسولاں کو جلدی تھی۔ اگر وہ دو سال انتظار کر لیتیں تو وہ ماسٹر صاحب کو راضی کر ہی لیتی۔

بھلا اس سے بہتر بر یہاں اس گاؤں میں کہاں تھا زیب النساء کے لیے۔ ان کے ہم پلہ لوگوں میں تو کہیں نہیں رہے بڑے بڑے زمیندار تو وہ بھلا ایک غریب ماسٹر کے گھر کیوں رشتہ کریں گے۔ تو بس وہ بہت دعائیں کرتی تھی کہ اس کی زیب کے لیے کوئی شہزادہ ہی کہیں سے آ جائے جیسے ماسٹر صاحب آئے تھے میرے لیے۔

لبوں پر مدھم سی۔ مسکراہٹ آ کر معدوم ہو گئی۔

☆☆☆

وقت کتنی جلدی گزر گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ابھی کل کی بات ہو، جب چاچا عبدالخالق نے زیب النساء کے کان میں اذان دے کر اسے اس کی گود میں ڈالا تھا اور وہ مبہوت سی ہو کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ چاچا عبدالخالق نے کہا تھا۔

"ماشاءاللہ ہمارے گھر تو جیسے آسمان سے پری اتر آئی ہے۔" اور وہ پریوں جیسی ہی تو تھی۔ اتنی خوب صورت، اتنی پیاری کہ وہ نظر لگ جانے کے ڈر سے اسے نظر بھر کر دیکھتی بھی نہ تھی۔

وہ جب پہلی بار چارپائی پکڑ کر کھڑی ہوئی تھی جب ڈولتی ہوئی چلی تھی، جب پہلی بار اماں اور پھر ابا کہا تھا۔ اور جب پہلی بار چھوٹا سا بستہ کندھے پر لٹکائے ماسٹر صاحب کی انگلی پکڑے اسکول گئی تھی۔ سب مناظر آنکھوں کے سامنے آ رہے تھے۔ اور اب اس نے میٹرک کر لیا تھا۔ سولہ سال کی ہو گئی تھی آج کل یا کچھ مہینوں بعد، اس کی شادی ہو جائے گی وہ اس گھر سے رخصت ہو جائے گی۔

اس نے ماسٹر صاحب سے کہہ دیا تھا وہ چاہتی ہے کہ زیب النساء کی اب شادی ہو جائے۔ "اپنے دوستوں اپنے ملنے جلنے والوں سے کہیں نا کہ ہماری زیب کے لیے کوئی اچھا رشتہ ہو تو بتائیں۔"

"تمہیں اتنی جلدی کیوں ہے زہرا! جب اللہ کو منظور ہو گا تو ہو جائے گی اس کی بھی شادی۔ ابھی پڑھ تو لے۔"

ماسٹر صاحب اس کی جلد شادی کے حق میں نہ تھے۔

"پتا نہیں کیوں...... لیکن مجھے لگتا ہے جیسے میں اب زیادہ دیر زندہ نہیں رہوں گی۔ اور میں اپنی زندگی میں ہی اس کو اپنے گھر میں ہنسی خوشی بستے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

پچھلے دو سال سے اس کی طبیعت کافی خراب تھی۔ نقاہت اور کمزوری تو پہلے بھی کبھی کبھی بہت محسوس ہوتی تھی۔ تھوڑا سا کام کر کے تھک جاتی تھی۔ لیکن پچھلے دو سالوں میں وہ بہت بیمار رہی تھی۔ کبھی بخار ہو جاتا کبھی سانس کی تکلیف شروع ہو جاتی۔ چند قدم چلنے سے سانس پھولنے لگتا تھا۔

ماسٹر عبدالعزیز انہیں رحیم یار خان لے کر گئے تھے۔ بڑے اسپتال کے علاوہ کئی پرائیویٹ ڈاکٹروں کو بھی دکھایا تھا۔ بے شمار ٹیسٹ ہوئے تھے۔ کوئی ایسی خطرناک بیماری تو نہ تھی۔ سب نے یہ ہی کہا کہ خون کی کمی ہے۔ ڈھیروں دوائیاں، سیرپ، فروٹ...... کسی سے کوئی خاص فرق نہ پڑا تھا۔ ماسٹر عبدالعزیز خود ہر روز انار کا جوس نکال کر دیتے تھے۔ خاص اس کے لیے انہوں نے لاہور سے جوس نکالنے والی مشین منگوائی تھی۔ انار کا موسم نہ ہوتا تو دوسرے موسمی پھلوں سے دن میں دو بار وہ جوس بنا کر اسے دیتے تھے۔ کچھ دن آرام رہتا۔ چہرے کی رنگت بہتر ہو جاتی لیکن پھر کچھ دنوں بعد نقاہت ہونے لگتی۔ چند دن پہلے کسی نے ماسٹر عبدالعزیز کو بتایا تھا کہ راجن پور میں ایک حکیم ہے بڑا ہی سیانا۔ نبض دیکھ کر مرض کی نوعیت بتا دیتا ہے۔ اور انہوں نے راجن پور جا کر اس حکیم سے اس کا علاج کروانے کا سوچا تو اس نے منع کر دیا۔

"مرض الموت کا بھی کوئی علاج ہوتا ہے ماسٹر صاحب خواہ مخواہ وقت اور پیسے کا زیاں۔"

اور ماسٹر عبدالعزیز اس سے ناراض ہو گئے تھے۔

"ماسٹر صاحب ناراض نہ ہوا کریں۔ آپ کی ناراضی میرا دل چیر دیتی ہے۔"

"تو پھر ایسی دل چیر دینے والی باتیں کیوں کرتی ہو۔"

"کیا کروں ماسٹر صاحب پتا نہیں کیوں دل اندر سے بجھتا جا رہا ہے۔ اچھا ٹھیک ہے آپ بہاول پور سے ہو کر آ جائیں تو پھر راجن پور لے جایئے گا۔ جب سانسیں پوری ہو جائیں تو پھر حکیم بھی [illegible] گا۔ [illegible] آپ کی خوشی کے لیے۔ حکیم کو بھی دکھا لیتی ہوں۔"

وہ ماسٹر عبدالعزیز کی کسی بات سے انکار کر ہی نہیں سکتی تھی۔ بس کبھی کبھی بے ارادہ خود بخود ہی منہ سے ایسی بات نکل جاتی تھی۔

"ٹھیک ہے میں معلومات لیتا ہوں ہیڈ ماسٹر صاحب سے۔ کافی دن ہو گئے ہیں امیر الدین چاچا کو خط لکھا تھا جواب نہیں آیا۔ اور مجھے بھی گئے ہوئے نو دس ماہ تو ہو ہی گئے ہیں۔ تو پہلے میں بہاول پور کا چکر لگا آؤں۔"

ماسٹر عبدالعزیز کو اب خیال رہتا تھا کہ امیر الدین کی خیر خیریت معلوم ہوتی رہے۔

"ماسٹر صاحب اٹھارہ سال ہو گئے ہیں ابا سے جدا ہوئے۔ بڑا دل چاہتا ہے مرنے سے پہلے ایک بار ابا کو دیکھ لوں۔ پتا نہیں کیسے ہو گئے ہوں گے۔"

لہجے کی حسرت نے ماسٹر عبدالعزیز کو تڑپا دیا۔

"وعدہ کرتا ہوں زہرا بتول، اس بار چاچا کو ساتھ لے کر آؤں گا۔"

"پتا نہیں ابا آئیں گے بھی یا نہیں۔" مایوسی سے اس نے ماسٹر عبدالعزیز کی طرف دیکھا۔

"کیوں نہیں آئیں گے۔" ماسٹر عبدالعزیز نے یقین دلایا تھا۔

"پچھلی بار بھی وہ میرے ساتھ آنے کو تیار ہو گئے تھے۔ یوں بھی دکان پر اب ان کے ساتھ رضوان بھی بیٹھتا ہے تو دو تین دن کے لیے آ سکتے تھے۔ کہتے تھے اب یہ فکر نہیں ہے کہ میرے جانے کے بعد دکان بند رہے گی۔ لیکن اللہ کو ہی تب منظور نہیں تھا کہ رضوان اپنے موٹر سائیکل کا ایکسیڈنٹ کر کے ٹانگ تڑوا بیٹھا تھا۔"

"ہاں۔" اس نے ایک گہری سانس لی تھی۔

"پتا نہیں اللہ کو کیا منظور ہے۔ پر ماسٹر صاحب مجھ سے آج ایک اور وعدہ کریں۔ اگر مجھے کچھ ہو [illegible] تو دوسری شادی [illegible] سے پہلے میری زیب کی شادی کر دیجیے گا۔ میں نہیں چاہتی میری بیٹی بھی وہ ہی دکھ اٹھائے جو میں نے اٹھائے تھے۔ اماں زرینہ جب مجھے جوتوں اور کپڑے دھونے والے ڈنڈے سے مارتی تھی، تو مجھے بہت تکلیف ہوتی تھی۔ بہت چھوٹی تھی۔ اور اماں مجھے رونے بھی نہیں دیتی تھی اور ڈراتی بھی تھی کہ اگر ابا کو بتایا تو اور ماروں گی۔ میرا شہزادہ بھائی ان کی مار سے بھاگ گیا۔ پھر مڑ کر آیا ہی نہیں۔"

اور ماسٹر صاحب نے پھر منہ پھلا لیا تھا۔

"تم یہ فضول باتیں کرنا چھوڑ نہیں سکتی ہو زہرا!"

"تمہیں کچھ نہیں ہونے والا۔ بلکہ ایسا کرتے ہیں، ہم کل ہی راجن پور چلتے ہیں۔ بہاول پور بعد میں جائیں گے۔"

"یہ فضول باتیں نہیں ہیں ماسٹر صاحب! زندگی کی حقیقت یہ ہی ہے، حامد کے بعد آپ کا دل تو چاہتا ہو گا نا کہ آپ کا بیٹا ہو آپ کا نام لیوا تو میرے بعد شادی۔"

"میری نام لیوا ہے نا میری بیٹی۔" ماسٹر عبدالعزیز نے اس کی بات کاٹی تھی "اور میں نے کبھی

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

بیٹا نہ ہونے کا شکوہ نہیں کیا۔ اللہ نے دیا۔ لے لیا اس کی مرضی...... اور کبھی تم سے کہا کہ مجھے بیٹے کی خواہش ہے۔"

"نہیں آپ نے کبھی نہیں کہا۔ یہ آپ کی بڑائی ہے ماسٹر صاحب! پر کس کا جی نہیں چاہتا کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی اپنی نعمت سے نوازے تو میں چاہتی ہوں کہ آپ......"

"بس اب اور کوئی فضول بات نہیں سنوں گا زہرا۔ تم تیاری کرو۔"

انہوں نے اسے مزید بات کرنے سے روک دیا تھا۔

"صبح راجن پور زیب کو بھی ساتھ ہی لے چلیں گے۔ استانی جی تو اپنے بھائی کے گھر گئی ہوئی ہیں اور کسی کے گھر جوان بیٹی کو چھوڑ کر جانے کا دل نہیں کرتا۔"

"نہیں ماسٹر صاحب! ابا کے لیے یہ دل بہت تڑپتا ہے آج کل۔ آپ پہلے بہاولپور جائیں اور ابا کو لے کر آئیں۔ پہلے تو ایسا نہیں تھا لیکن تین چار ماہ سے دل میں ہوک سی اٹھتی ہے کہ اڑ کر ابا کے پاس پہنچ جاؤں۔"

تھکی نظریں ماسٹر عبدالعزیز کی طرف اٹھیں تو انہوں نے بے اختیار اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"تم مجھے پہلے ہی کہہ دیتیں زہرا! میں تب ہی چلا جاتا بہاولپور اور چاچا کو جا کر لے آتا وہ بھی تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ بے شک زبان سے نہ کہیں لیکن میں جتنی بار ان سے ملا۔ میں نے ان کی آنکھوں میں تمہارے لیے تڑپ دیکھی۔"

"مجھے ابا سے کوئی گلہ نہیں ہے ماسٹر صاحب! آپ انہیں بتا دیجیے گا میں ان سے راضی ہوں۔" وہ مدھم سا مسکرائی تھیں۔

"ابا نے میرے لیے جو قدم اٹھایا شاید کوئی عام باپ ایسا قدم اٹھانے کا حوصلہ نہ کر سکتا ماسٹر صاحب میرے دل سے تو ہر وقت ابا کے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔ پر بیٹی ہوں نا بہت دل چاہتا ہے مرنے سے پہلے ایک بار ابا کو دیکھ لوں۔ حالانکہ آپ کو یاد ہے نا ابا نے کہا تھا۔ آج کے بعد بھول جانا کہ تمہارا اس شہر سے کوئی تعلق یا مجھ سے کوئی رشتہ تھا، کبھی بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرنا اور میں نے اٹھارہ سال ابا کا حکم مانا پر اب۔"

آنکھیں نم ہو گئی تھیں اور ماسٹر عبدالعزیز نے اس بار، اپنی سوت کا ذکر کرنے پر اسے ٹوکا نہیں تھا۔ بیماری نے اسے شاید وہمی اور کمزور کر دیا تھا۔

"ماسٹر صاحب! کیا ہی اچھا ہوتا جو آپ آپا رسولاں کو منع نہ کرتے۔ مجھے آپا رسولاں کا بیٹا بہت پسند تھا۔"

ان دنوں وہ اکثر زیب النساء کی شادی کا ذکر کرنے لگی تھی، ماسی نور بھری کو تو اس نے بتا دیا تھا کہ ماسٹر صاحب زیب النساء کی ابھی شادی نہیں کرنا چاہتے۔

"جلدی تو مجھے بھی کوئی نہیں ہے۔ [illegible] کہ ان کا سامیرا اسلم بوڑھا ہو گیا ہے۔ میں تو بس تسلی چاہتی تھی کہ ماسٹر صاحب ہاں کر دیں کہ زیب میری ہی بہو بنے گی۔ خیر ابھی تو اسلم بھی چلا گیا ہے صادق آباد اپنے دوست کے ساتھ مل کر کاروبار کرے گا اس کا کام چل جائے تب تک زیب بھی دس پڑھ لے گی۔"

چوہدری عبدالمالک کی کوشش سے مڈل اسکول ہائی ہو گیا تھا اور اس کی سب سے زیادہ خوشی زہرا بتول کو ہی تھی۔ یہ تو بعد میں ماسٹر صاحب نے بتایا تھا کہ اسلم ساتھ والے گاؤں سے مراثیوں کی لڑکی بھگا کر لے گیا ہے اور وہ حیران ہوئی تھی کہ بیٹے کے ایسے کرتوت اور ماں رشتے مانگتی پھر رہی ہے۔

"اب آپا رسولاں کے بیٹے کو بھول جاؤ زہرا بتول۔ دیکھنا ہمارا داماد آپا رسولاں کے بیٹے سے بھی اچھا ہو گا۔ ہماری شہزادی کے لیے کوئی شہزادہ ہی آئے گا ان شاء اللہ۔"

"حقیقی زندگی میں شہزادے گھوڑوں پر سوار ہو کر نہیں آتے ماسٹر صاحب۔" اور وہ مسکرا دیے۔

"چلو گاڑی پر سوار ہو کر آ جائے گا۔" اور اسے ماسٹر عبدالعزیز کی سادگی پر حیرانی ہوتی بھلا اس چھوٹے سے گاؤں میں اس کی بیٹی کے لیے کسی شہزادے کا رشتہ کہاں آنا تھا۔

"بس تم میری بیٹی کو سکون سے پڑھنے دینا۔ پھر اس کا جو مقدر ہو گا۔"

"اتنی دیر سے خلاؤں میں تکتے ہوئے کیا سوچ رہی ہیں اماں۔" زیب النساء نے جو خاموشی سے ماں کو سوچوں میں کھوئے دیکھ رہی تھی بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"ہاں...... کچھ نہیں۔" زہرا بتول چونکی۔

"بس سوچ رہی تھی ابا کو کھانے میں کیا پسند ہے۔ کیا بناؤں میں جو ابا کو بہت پسند آئے۔ ویسے تو میں نے نیاز بھائی کو صبح کہہ دیا تھا۔ جب وہ پوچھنے آئے تھے کہ کیا منگوانا ہے۔"

"کیا کہہ دیا تھا اماں۔" زیب النساء نے پوچھا۔

"مرغ کا گوشت کہا تھا اور سوجی بھی۔ مجھے تھوڑا تھوڑا یاد ہے وہ [illegible] سے فرمائش کر کے حلوہ پکواتے تھے۔ تمہاری سہیلی نے صبح شامی کباب بھیجے تھے وہ بھی رکھ دیں گے۔ ہم دونوں ماں بیٹی دن میں رات کی بچی ہوئی سبزی کھا لیں گے۔"

"ٹھیک ہے اماں، میں پکا لوں گی سب آپ آرام کریں۔ نیاز چاچا آنے ہی والے ہوں گے اتنی دیر میں پیاز وغیرہ کاٹ لیتی ہوں۔" زیب النساء اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ابا تو شام تک ہی آئیں گے۔ میں پکا لوں گی جب تک نیاز بھائی سودا لائیں گے تب تک تھوڑی دیر کے لیے لیٹ جاتی ہوں۔ پتا نہیں کیوں نیند سی آ رہی ہے۔"

وہ تکیہ سیدھا کر کے لیٹ گئی۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

"شاید چاچا نیاز آ گئے ہیں۔ اماں، آپ فکر مت کرنا میں پکا لوں گی۔ اور دیکھنا نانا کو بہت پسند آئے گا میرا بنایا ہوا کھانا آپ سے ہی تو سیکھا ہے میں نے۔"

اسے تسلی دیتی ہوئی زیب النساء کمرے سے باہر چلی گئی اور زہرا بتول کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اسے یقین تھا کہ زیب النساء بہت اچھا کھانا بنا لے گی آخر پچھلے چند ماہ سے تو وہ ہی سب کر رہی تھی لیکن اس کی خواہش تھی کہ اپنے ابا کے لیے اپنے ہاتھ سے کچھ پکائے۔

چلو آج نہ سہی تو کل ضرور کچھ اپنے ہاتھوں سے بناؤں گی۔ ابا پلاؤ بھی بڑے شوق سے کھاتے تھے ماسٹر صاحب سے کہوں گی نیاز بھائی کو شہر بھیج کر بکرے کا گوشت منگوا دیں۔ یخنی پلاؤ کے ساتھ میٹھے چاول بھی بنا لوں گی۔ ابا کی پسندیدہ چیزوں کے متعلق سوچتے سوچتے اس نے آنکھیں موند لیں۔

ماسٹر عبدالعزیز جب گھر میں داخل ہوئے تو پورے گھر میں مرغی بھوننے کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ اور دھوپ پورے صحن میں بکھری ہوئی تھی۔ وہ صحن عبور کر کے سیدھے کچن میں آ گئے تھے۔ زیب النساء لکڑیاں بمشکل جل پاتی تھیں اس لیے وہ زیادہ کام مٹی کے تیل والے چولھے پر کرتی تھی، ماسٹر عبدالعزیز نے اس کے لیے نئے ڈیزائن [illegible] والا چولھا بھی منگوایا تھا۔ اگرچہ ایک چولھا پہلے بھی تھا۔ زیب النساء نے آہٹ پر مڑ کر دیکھا اور ماسٹر عبدالعزیز کو دیکھ کر حیران ہوئی۔

"ابا! آپ۔"

"ہاں......" ماسٹر عبدالعزیز نے ہاتھ میں پکڑا سبزی بیگ باورچی خانے میں پڑی چوکی پر رکھا تو صافی سے پکڑ کر، زیب النساء نے دیگچی چولھے سے اتار کر نیچے رکھی اور کھڑی ہو گئی۔

"السلام علیکم ابا!"

"جیتی رہو بیٹی۔" سلام کا جواب دے کر انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس نے پنجوں کے بل ذرا سا اونچا ہو کر ان کے کندھے کے اوپر سے باہر دیکھا۔

"نانا نہیں آئے۔"

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

''نہیں۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں رات بہت دیر سے رحیم یار خان پہنچا تھا اس وقت چک کے لیے کوئی سواری نہیں ملی تو ابا کے دوست کی طرف چلا گیا، وہ ہی جنہوں نے ابا کی دکان خریدی تھی۔ صبح ناشتہ کر کے نکلا ہوں رحیم یار خان سے۔''

انہوں نے خود ہی بتا دیا تھا ورنہ وہ اب پوچھنے ہی والی تھی کہ وہ اس وقت کیسے آ گئے، ورنہ ہمیشہ تو وہ مغرب کے وقت ہی گاؤں پہنچتے تھے۔

''اماں کہاں ہیں تمہاری۔''

''بڑے کمرے میں لیٹی ہوئی ہیں۔ صبح سے نانا کا انتظار کر رہی تھیں۔ بہت مایوس ہوں گی۔ آپ نے وعدہ کیا تھا نانا تو کسی نہ کسی طرح نانا کو لے ہی آتے۔ اماں کو یقین تھا آپ کے وعدے پر۔'' اس نے جھک کر بیگ اٹھایا تا کہ ابا کے کمرے میں رکھ سکے۔

''لا سکتا تو ضرور لاتا سوہنی پر۔'' انہوں نے ایک گہری سانس لی۔

''مجھے دیر ہو گئی۔ تمہارے نانا ایسے سفر پر چلے گئے جہاں سے کوئی ... واپس نہیں آتا۔''

''نہیں۔'' زیب النساء نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

''مجھے تمہارے نانا کے پاؤں بھی پکڑنے پڑتے نا تو میں تمہاری اماں سے کیا وعدہ ضرور نبھاتا۔ پر وہ تو تین ماہ ہوئے اس دنیا سے چلے گئے۔ تمہارے ماموں رضوان نے بتایا کہ ایک رات سوئے تو صبح اٹھے ہی نہیں۔ شاید سوتے میں ہی دل بند ہو گیا تھا۔''

ان کی آنکھوں میں نمی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں۔ اس نے نانا کو کبھی دیکھا نہیں تھا، کبھی ملی نہیں تھی لیکن پھر بھی دل درد سے بھر گیا تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے کہ خون کا تعلق تو تھا نا۔

''اماں کو بہت دکھ ہو گا ابا! وہ بہت روئیں گی۔ پہلے تو کبھی اتنا یاد نہیں کیا تھا انہوں نے نانا کو لیکن پچھلے تین چار ماہ سے وہ نانا کو بہت یاد کرتی تھیں۔ بہت باتیں کرتی تھیں مجھ سے نانا کی۔'' اس نے پھونک مار کر چولہا بجھایا۔

''یہ خون کے رشتے بھی عجب ہوتے ہیں زیبی! سینکڑوں میل دور بیٹھے بھی دل کو خبر ہو جاتی ہے کہ ہمارے پیاروں کے ساتھ کچھ ہوا ہے۔''

انہوں نے بیگ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور باورچی خانے سے باہر نکل گئے۔

زیب النسا خاموشی سے ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ برآمدے کے پاس رک کر اس نے پوچھا۔

''آپ اماں کو بتا دیں گے کہ نانا۔''

''ہاں ...... خوامخواہ اسے جھوٹی آس کیوں دلاؤں زیب النسا پھر سے انتظار کی سولی پر لٹکا دوں ...... نہیں۔''

وہ کمرے میں داخل ہو گئے اور زیب النساء برآمدے میں ہی چارپائی پر بیٹھ گئی کہ اس میں اماں کی مایوسی دیکھنے کی ہمت نہ تھی وہ کیسے اماں کی آنکھوں میں اٹھارہ سال سے جلتے انتظار کے دیئے بجھتے دیکھے گی ...... کیسے۔

اندر کمرے میں ... زہرا ... دیوار کی طرف کروٹ لیے سو رہی تھیں۔

''زہرا ......''

ماسٹر عبدالعزیز نے آہستگی سے آواز دی۔ لیکن زہرا کے وجود میں جنبش نہیں ہوئی۔

''زہرا! تمہیں تو میرے گلی میں داخل ہوتے ہی پتا چل جاتا تھا کہ میں آیا ہوں تو آج کیا تمہارے دل نے میرے آنے کی خبر نہیں دی۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ تو کسی انہونی کا احساس ہوا۔

''زہرا۔'' بے اختیار ہاتھ پیشانی پر ٹکا۔ ٹھنڈی یخ پیشانی موت کی خنکی ان کے اندر اترتی چلی گئی۔

''نہیں۔'' وہ چیخے۔

''نہیں زہرا! تم ہمارے ساتھ ایسا نہیں کر سکتیں۔'' وہ چیخے اور پھر چیختے ہی چلے گئے۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عروج راؤ

الٹسی اوسے

رات کے اس پہر فضا میں برتنوں اور کرسیوں کی اٹھا پٹخ کے علاوہ دبی دبی سرگوشیوں اور قہقہوں کا شور تھا۔ نائٹ پارٹی اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی۔ مہمانوں کے جانے کے بعد لان میں ادھر ادھر دوڑتے چیزیں سمیٹتے ملازموں کے علاوہ گھر کے چند افراد تھے جو کرسیوں پر بیٹھے ہلکی پھلکی گفتگو کر رہے تھے۔

''تم جانتے ہو سنان! ہانی کو تمہاری طرح انگریزی ناولز بہت پسند ہیں۔ ان فیکٹ جس ناول کے متعلق تم کل بات کر رہے تھے وہ ہانی نے کچھ دنوں پہلے ہی پڑھا ہے۔ ہے ناں ہانیہ؟'' زوہان نے بھرپور سنجیدگی سے ہانیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''شین ...... کیا تم ''شین'' ناول کی بات کر رہے ہو؟'' سنان نے دلچسپی سے استفسار کیا۔

''واقعی ہانیہ؟ زبردست ...... میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس کی اسٹوری کسی سے ڈسکس کروں ...... تم جانتے ہو ناں زوہان ...... مجھے کسی بھی ناول پر دوسرے کا ریویو لیے بغیر چین نہیں آتا۔ یار زوہان! تمہاری منگیتر تو واقعی بہت ذہین لگتی ہے۔ تم ایویں خوامخواہ اسے انڈر اسٹیمیٹ کرتے ہو۔''

''ہاں تو ہانیہ ...... تمہیں کیسا لگا شین کا ڈراپ سین۔ مجھے تو مزا آ گیا۔ ان فیکٹ اس ٹائپ کا ناول میں نے پہلے کبھی نہیں پڑھا۔''

ہانیہ جس کے فرشتوں نے بھی کبھی کسی ناول کا ایک صفحہ تک نہ پڑھا تھا اس بات پر بوکھلا ہی تو گئی۔ اس کی انگریزی کس قدر کمزور تھی یہ بات زوہان جانتا تھا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر کہ زوہان کا دوست کیا کہے گا کہ اس کی منگیتر اتنی جاہل ہے کہ اسے کسی بھی چیز کا پتا ہی نہیں۔ اثبات میں سر ہلانے لگی۔

''اچھا ...... بہت اچھا تھا ...... واقعی مجھے بھی بہت اچھا لگا'' ہانیہ نے کہا تو زوہان نے چہرہ جھکا کر ہنسی چھپانے کی کوشش کی۔ ''خاص طور پر جب ہیرو اپنا ذاتی بزنس سیٹ کرتا ہے اور اسے ہیروئن مل جاتی ہے۔''

ہر دوسرے ڈرامے کا دی اینڈ کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ڈرامے بھی ناولز پر ہی تو بنتے ہیں تو شین میں بھی یہی ہوا ہو گا۔ سوچ کر ہانیہ نے کہا تو مقابل کا منہ کھل گیا۔

''شین ...... بزنس مین نہیں تھا ...... وہ تو ایک انجان راہی تھا۔ جو ایک بچے اور اس کے خاندان کی مدد کے لیے آیا تھا۔'' سنان کی تصحیح پر زوہان نے جاندار قہقہہ لگایا۔

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

"کم آن ہانیہ......! تم نے لائف میں کبھی کوئی ناول نہیں پڑھا۔ تو تسین کیسے پڑھا ہوگا۔ میں نے تو مذاق کیا تھا۔" اب حیران ہونے کی باری ہانیہ کی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اپنی سبکی کیسے چھپائے۔ سب اس پر ہنس رہے تھے اور وہ چوری بیٹھی تھی۔

"آئی ایم سوری...... اگر تم نے مائنڈ کیا۔" اپنی ہنسی کو بمشکل روک کر زوہان نے کہا۔

"نو...... اِٹس او کے...... میں برا نہیں مانتی۔"

واقعی وہ کب برا مانتی تھی۔ اس میں تو برا ماننے کا سوال ہی نہیں تھا۔ محبت جو کرتی تھی زوہان سے اور یہ بات زوہان کو اچھی طرح سے معلوم تھی۔

گھر قریب ہونے اور دوہری رشتے داری کے ناتے چوبیس گھنٹوں میں کئی بار آمنا سامنا ہوتا تھا۔ اور ہر بار کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور ہوتی تھی جو اسے اندر تک گھائل کر جاتی تھی۔

☆☆☆

اس شام بھی وہ گھر کے عقبی حصے میں بنے گراؤنڈ میں ملازماؤں کے شرارتی بچوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھی جب زوہان بھاگم بھاگ آیا۔

"ہانی...... پلیز ایک کام ہے تم سے...... کر دو گی؟"

ہانیہ اور زوہان کا کام نہ کرے، ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔ وہ تو ایک بار کے پکارنے پر پورے حواسوں کے ساتھ حاضری دیا کرتی تھی۔

"اصل میں...... میں نے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔ وہ ولید ہے ناں۔ میرا فرینڈ اس کی انگیجمنٹ ہے اس کے لیے کوئی گفٹ لینا ہے۔ تمہیں آئیڈیا ہوگا شاپنگ کا، ذرا میری مدد کر دینا۔" وہ ہاں میں سر ہلا کر اپنے کمرے کی طرف دوڑی اور سلیپرز تبدیل کر کے اس کے ساتھ ہولی۔

چچی (زوہان کی امی) جو ان ہی کے گھر آ رہی تھیں تعجب سے پوچھنے لگیں "خیر تو ہے؟ اس وقت تم دونوں کہاں جا رہے ہو؟" قبل اس کے ہانی کچھ بولتی، زوہان جھٹ بولا۔

"اصل میں...... آج ہانیہ کو اپنے لیے کچھ خریدنا تھا۔ کہہ رہی تھی کہ آپ شاپنگ کرائیں۔"

ہانیہ کے تو جیسے گلے میں کچھ پھنسا۔ چچی جان کس قدر سخت طبیعت کی مالک تھیں یہ سب ہی جانتے تھے۔ اور اس کی تو انہیں دیکھ کر جیسے جان جاتی تھی۔

اس بات پر چبھتے ہوئے سے لہجے میں بولیں۔

"کل میں جب شاپنگ پر گئی تو پوچھ کے گئی تھی تم سے...... لیکن شاید تمہیں زوہان کے ساتھ جانا تھا۔" شرمندگی سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"تم نے جھوٹ کیوں بولا؟ چچی کیا سوچیں گی میرے متعلق؟" چچی کے جانے کے بعد پوچھا۔

"پھر کیا ہوا؟ ماما سے گاڑی کی چابی بھی تو لینی تھی۔ ورنہ سو سوال کرتیں۔ اور یوں بھی ماما ویسے کون سا تمہیں بہت پسند کرتی ہیں۔ بابا کی وجہ سے وہ ہماری انگیجمنٹ پر راضی ہوئی تھیں۔ اس بات سے ان کی پسند و ناپسندیدگی پر کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ ہاہا۔"

وہ بل کھا کر رہ گئی۔

"اوہو! کیا ہو گیا؟ میں مذاق کر رہا تھا۔ آئی ایم سوری اگر تمہیں برا لگا۔" وہی پرانا عجیب و غریب انداز۔ پہلے مذاق مذاق میں ذلیل کرنا پھر معافی مانگ لینا۔ ایسے میں ہانیہ کے پاس کہنے کو بس ایک ہی جملہ بچتا تھا...... وہ تھا......

"اِٹس او کے"

☆☆☆

یہ اوائل دسمبر کے دن تھے، جب دونوں خاندان دادا جان کی آمد پر اکٹھے لاؤنج میں بیٹھ کر باتوں میں مصروف تھے۔ چائے کا دور چل رہا تھا۔ سب ہی بزرگ اٹھ کر جا چکے تھے، اب بس ینگ پارٹی ہنسی مذاق میں مصروف تھی۔

"تمہیں یاد ہے ہانیہ...... وہ سنان کی سسٹر...... جو تمہارے کالج میں پڑھا کرتی تھی اس کا میڈیکل کالج میں ایڈمیشن کیسے ہوا تھا؟" زوہان نے ہانیہ کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے کہا اور ساتھ ہی اپنے ماموں زاد کزنز کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔ جیسے کہہ رہا ہو کہ دیکھنا اب اس پاگل کو کس طرح شروع ہوتی ہے۔

پھر واقعی وہ پاگل اس کی باتوں میں آ کر شروع بھی ہو گئی۔ ہانیہ نہایت سنجیدہ انداز میں الف سے ی تک اسٹوری سنا رہی تھی اور باقی سب لوگ بی دبی ہنسی ہنس رہے تھے۔

"کم آن ہانیہ...... اب چپ بھی کر جاؤ۔ میرا دایاں کان بالکل سن ہو گیا تمہاری پٹر پٹر سن کر۔" وہ یک دم خاموش ہو گئی۔ یوں جیسے اس کے منہ میں زبان نہ ہو۔

"کیا یہ ایسے ہی پاگلوں کی طرح بولتی ہے؟" زوہان کے ماموں کی بیٹی نے پوچھا۔

"ہاں بالکل...... میں جب جب کہوں تب تب شروع ہو جاتی ہے۔ بنا موقع محل دیکھے۔ ابھی کل ہی میرے کہنے پر اس نے ہالی وڈ موی کی اسٹوری، ماما کو سنا کر انسلٹ کروائی...... ہاہا اس سے پہلے فراک کے نیچے اسنیکر ز پہن کر اپنی ماما سے انسلٹ کروائی۔ اس سے پہلے چچا جان سے...... اس سے پہلے۔"

زوہان کے پاس اس کی بے عزتی کی خاصی لمبی لسٹ موجود تھی۔ جو اس نے محض اس کی باتوں میں آ کر اسی کے لیے کی تھی۔

محبت سادہ دلوں کو شکار کرتی ہے کسی سمجھ دار اور آنکھیں کھلی رکھنے والے شخص کے پاس بھی نہیں پھٹکتی اور اس سے بڑا المیہ یہ ہے کہ

یہ اکثر ان کم ظرفوں — سے ہوتی ہے جو اس کے ہونے پر ایمان نہیں لاتے۔

مزاح کی تعریف یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ لطیف و بے ضرر ہوتا ہے اور دوسری طرف کسی کثیف دل رکھنے والے دل آزار کے ہاتھ کا ہتھیار بھی ہوتا ہے۔ وہ جب چاہے کسی کو مزاجاً رسوا کر کے کہہ دے "ارے تم مذاق بھی نہیں سمجھتے...... میں نے تو مذاق کیا تھا۔"

"آئی ایم سوری ہانی...... میں مذاق کر رہا تھا۔" ہمیشہ کی طرح کا رٹا رٹایا جملہ۔

"اِٹس او کے" وہی زبانی یاد کیا ہوا جواب۔

☆☆☆

پھر یوں ہوا کہ وقت نے کروٹ لی۔ اور وہ وقت آن پہنچا جب ان کی شادی کی تاریخ مقرر ہونا تھی۔ لیکن یہ کیا...... ہانیہ نے انکار کر دیا۔

زوہان ٹکر ٹکر اپنے سامنے کھڑے اس مجسمے کو دیکھ رہا تھا، جس کے متعلق اس نے کبھی نہ سوچا تھا کہ اس کی زندگی میں کوئی اس کی مرضی بھی تھی۔ وہ شاید حواسوں میں نہیں تھی ورنہ وہ تو سائے کی طرح زوہان کے ساتھ رہا کرتی تھی۔

چھوٹی چھوٹی باتیں، بڑے بڑے فیصلے کروایا کرتی ہیں۔ نفرت کسی قتل و غارت گری سے ہی شروع نہیں ہوتی، یہ بعض اوقات بہت چھوٹی چھوٹی نا محسوس انداز میں محسوس ہونے والے مثبت نما منفی رویوں سے جنم ہے۔

خوب ہنگامہ ہوا۔ چچا جان اور تایا جان کا بس نہ چلتا تھا کہ کیا کر ڈالیں۔ اگلے چند گھنٹوں تک یہی صورت حال رہی۔ لیکن بالآخر دادا جان کے کہنے پر اولاد کے فیصلے کو، اہمیت دی گئی کہ آخر زندگی تو ان دونوں نے گزارنی تھی۔

"بابا جان...... مجھے معاف کر دیجیے۔ میں یہ شادی نہیں کر سکتی۔ زوہان اچھا انسان ہے۔ لیکن میں اسے نہیں سمجھ سکی۔ میں عورت ہونے کے ناتے کسی ایسے انسان کو شاید کبھی نہیں سمجھ سکتی، جو محبت کا دعوے دار تو ہو لیکن عزت و احترام کا قائل نہ ہو۔ جو شخص میری عزت نفس کا خیال نہیں رکھتا، وہ میرا خیال کیا رکھے گا؟ جسے میری تذلیل سے فرق نہیں پڑتا، اسے میرے اس کی زندگی میں ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑے گا؟" زوہان کے کانوں میں بس ایک جملے کی بازگشت تھی۔

تماشا ہو کر ختم ہو چکا تھا لیکن وہ وہیں جما کھڑا تھا۔ جہاں چند گھنٹے پہلے کھڑا تھا۔

"آئی ایم سوری" ہانیہ نے پاس سے گزرتے ہوئے سر جھکا کر کہا۔

اور وہ کہہ بھی نہ سکا...... "اِٹس او کے"

☆☆

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

فرح بخاری

مکمل ناول

سلام شہر ہجر

میانڈم کا گھرانہ ہے جہاں ایک گھر میں دو خاندان رہتے ہیں۔ رضوانہ کی تین بیٹیاں ہیں۔ شوہر مر چکے تھے، ندرت بھاوج ہیں ان کا ایک بیٹا ہے مومن جس کی منگنی رضوانہ کی بیٹی تحریم سے طے تھی۔ وسیلہ نے ایل ایل بی کیا تھا لیکن ماں کی بیماری کی وجہ سے پریکٹس نہیں کر سکی تھی۔ چھوٹی ایلیا کالج کی طالبہ ہے۔

تھانہ میں حویلی میں رہنے والی دادی منصب پر بہت مہربان ہیں وہ ان کے منشی کا بیٹا ہے۔ حویلی میں کوئی اس کا آنا پسند نہیں کرتا۔ دادی اس کی تعلیم کا خرچہ اٹھاتی ہیں وہ پولیس آفیسر بن جاتا ہے اس کا ٹرانسفر میانڈم ہو جاتا ہے۔ منصب کی دو بہنیں ہیں میمونہ اور رمشہ، میمونہ شادی شدہ ہے۔

حویلی میں رہنے والی شہناز اور کمال خان کا بیٹا ارحم ہے جو ضدی اور بد دماغ سا ہے۔ شہناز بی بی کی بہن گلناز ہے جو نیم پاگل ہے۔ ارحم شادی کرنا چاہتا ہے۔

رضوانہ اور ندرت مومن کے ساتھ شاپنگ پر جاتی ہیں دو گاڑیوں میں قافلہ جاتا ہے ایک گاڑی وسیلہ اور دوسری مومن چلا رہا ہے راستے میں بارش اور طوفان کا سامنا کرنا پڑتا ہے منصب بھی اس طوفان کا شکار ہوتا ہے۔

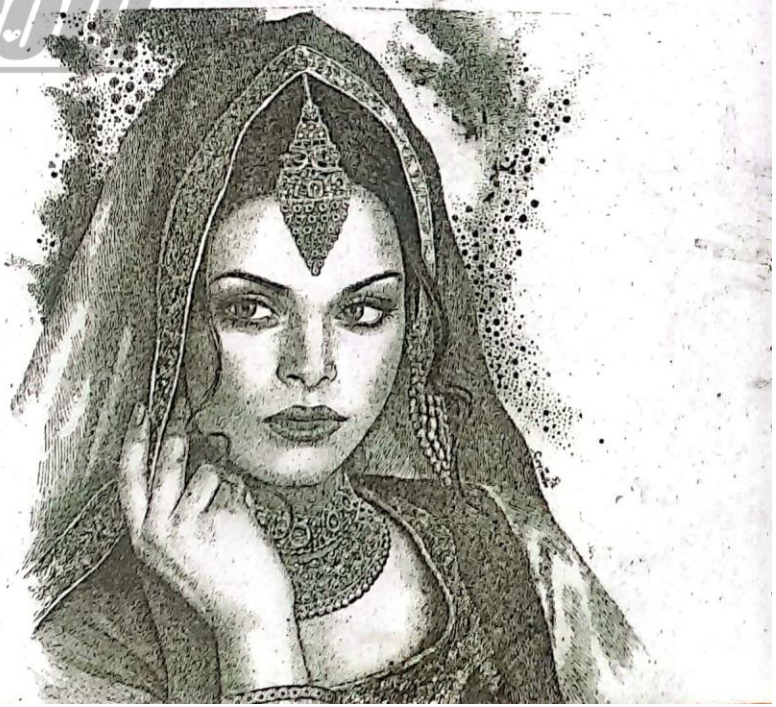

وسیلہ اور منصب اس طوفان میں ملتے ہیں۔ اتفاقاً وسیلہ ایک پتا پوچھتے منصب سے ٹکراتی ہے وہ اسے مختصر راستے سے اپنے گھر لے کر جاتا ہے۔ لیکن وہ اس پر شک کرتی ہے بعد میں اسے منصب کے گھر اسی بچے کی غرض سے جانا پڑتا ہے وہ شرمندہ ہوتی ہے۔

تحریم اپنی شادی میں وسیلہ، منصب اور رمشہ کو انوائٹ کرتی ہے۔ منصب اور رمشہ کو وسیلہ اچھی لگتی ہے تحریم اور مومن پوری فیملی کے ساتھ کالام گھومنے جاتے ہیں اسی سفر میں وسیلہ اور منصب کی پھر ملاقات ہو جاتی ہے۔

ارحم رضوانہ اور ان کی فیملی کو ڈھونڈ لیتا ہے اور شہناز اور دادی کو بھی ان سے ملوانے لاتا ہے۔ رضوانہ کا خوف ختم ہو جاتا ہے، شہناز ارحم کے لیے وسیلہ کا رشتہ مانگتی ہے۔ منصب کو جب یہ بات پتا چلتی ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

تحریم کا انتقال ہو جاتا ہے مومن کی شادی ایلیا سے ہو جاتی ہے وہ اس رشتہ کو قبول نہیں کر پاتا کیوں کہ اس کے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ تانیہ عیسیٰ کے بھائی کا علاج کرتی ہے۔ وہ اس لڑکی کی شادی کا پتا چلنے پر خود کشی کر لیتا ہے۔ عیسیٰ اس سب کا ذمہ دار ڈاکٹر تانیہ کو سمجھتا ہے۔ اس کے کلینک پر توڑ پھوڑ کی جاتی ہے۔ وہ میکہ چھوڑ کر میانڈم آ جاتے ہیں۔ شہناز شادی میں دادی کو نہیں لاتی۔ منصوبے کے تحت وہ وسیلہ کو اپنی نیم پاگل بہن کے ساتھ تہ خانے میں بند کر دیتی ہے۔

وسیلہ کی حالت خراب ہو جاتی ہے، منصب اپنے طور پر کسی کے ذریعے معلوم کرواتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ ارحم چترال میں رہ رہا ہے اور دوسری شادی بھی کر چکا ہے، وہ مومن کو اعتماد میں لے کر ساری صورت حال بتاتا ہے۔

UUNovels

مومن رضوانہ اور ایلیا کے ساتھ تھانہ آتا ہے۔ وسیلہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوتی ہے، اس کی دماغی حالت خراب ہوجاتی ہے وہ کسی کو نہیں پہچانتی۔ منصب کی مدد سے مومن شہناز اور ارحم کے خلاف رپورٹ درج کرواتا ہے۔ ارحم اور شہناز اپنی ملازمہ کے ذریعے ہاسپٹل میں وسیلہ کو مارنے کی کوشش کرتے ہیں، عین وقت پر منصب آجاتا ہے۔

مومن وسیلہ کو میانديم لے آتا ہے۔ یہاں اس کا علاج ہوتا ہے لیکن اس کی دماغی حالت بہتر نہیں ہوتی۔ اس کے لیے تانیہ کی مدد لی جاتی ہے۔

دادی منصب کو بتادیتی ہیں کہ وہ ان کا پوتا ہے، شہناز اسے مارنے کا پروگرام بناتی ہے اس لیے وہ منشی کی بیوی سے رضوانہ کا بیٹا تبدیل کردیتی ہیں۔ تاکہ اس کی جان بچ جائے۔

بارہویں قسط

"مم۔ میں کیسے؟" اسے پوچھنا ہی پڑا۔

"اُس دن تمہاری ایک دوست آئی تھی گھر۔"

"میری دوست؟" ایلیا کا دماغ ایک دم بلینک ہوچکا تھا۔

"تمہاری کتنی دوست ہمارے گھر آئی ہیں پچھلے دنوں؟" اب وہ تھنے پھلا کر قدرے غصے سے دریافت کررہا تھا۔

"اے۔ے۔ک۔س۔ستارہ۔" اس نے گھبرا کر فوراً اُگلا۔

"تو..... کیا کہہ رہی تھی وہ اُس دن؟"

"کیا؟" ایلیا بس رو دینے کو تھی۔

"میرے متعلق؟"

"آپ نے کیا سُنا اس دن؟" ایلیا کا سر مجرموں کی طرح جھک گیا۔ مومن نے جھکے سر کو پہلی مرتبہ مسکرا کر دیکھا۔

"تمہیں نہیں پتا، میرے متعلق کیا باتیں ہوئیں؟"

"آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں۔" وہ منہ بسورے بیٹھی تھی، سمجھ میں آگیا کہ چوری پکڑی گئی ہے اور مومن نے اس دن سب سن لیا تھا۔

"یہی....." مومن نے زور دے کر اس کی بات دہرائی "یہی ہے وہ وجہ ایلیا! جس کی طرف میں تمہارا دھیان دلانا چاہ رہا ہوں۔ دوسرے اگر بنا مجھ سے پوچھے اور بنا میرے جذبات کی پرواہ کیے اپنے اپنے کام کے بوجھ مجھ پر ڈالتے جائیں گے تو میں انہیں رعایت دینے کو تیار ہوں کیونکہ وہ دنیاوی معاملات اور ذمہ داریاں ہیں جو مجھ پر عائد ہیں لیکن تم اگر محبت کے معاملے میں بھی ایسا کرو گی تو میں ہرگز رعایت دینے کو تیار نہیں ہوسکتا۔ تم چاہتی ہو، میں ساری زندگی فرض ادا کرنے میں گزار دوں۔ تو پھر کیا ہوئی ہماری لولائف۔ اور کیا ہوگا اس کا انجام۔ آج ہماری شادی کو آٹھ نو ماہ کا عرصہ بیت چکا ہے۔ اور اس دوران پہلے تمہیں یہ پتا چلتا ہے کہ تمہارے شوہر کو تم سے محبت ہوگئی ہے، اور ایک دن مجھے یہ پتا چلتا ہے کہ میری بیوی تو ہمیشہ سے مجھ سے محبت کرتی ہے۔ لیکن....."

وہ کچھ دیر کے لیے رُکا۔ بنا یہ جانے کے سر جھکا کر بیٹھی ایلیا کی پلکوں سے آنسو جاری ہیں۔ وہ اپنی لے میں کہے جارہا تھا۔

"ہمارے تضادات آج بھی اسی ہٹ دھرمی سے ایک ہی جگہ جمے کھڑے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ایلیا! یہ کوئی بددعا ہے، آزمائش ہے، سزا ہے۔ کیا ہے آخر؟ کیوں مجھے اتنی بندشوں کا سامنا ہے۔ کیوں ہم کھل کر ایک دوسرے سے کچھ کہہ نہیں سکتے۔ میں اظہار کرچکا ہوں، اور جواباً تم اتنی بڑی بے حس ہو کہ ایسی خبر سن کر بھی تمہارا دل اظہار کے لیے مچلتا

نہیں ہے۔"

"کیونکہ....." اس نے مومن کی اتنی لمبی تقریر کے جواب میں، کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن آنسوؤں کے بوجھ اور رندھے گلے نے کیونکہ کا ہی گلا گھونٹ دیا۔ وہ مزید کچھ کہہ نہ پاتے ہچکیاں لے کر رونے لگی۔

"تم رو رہی ہو۔" مومن کے لیے یہ ایک بالکل نئی اور عجیب بات تھی۔ پہلے تو گھبرا کر اس نے آس پاس دیکھا۔ کسی کا دیکھ لینا بھی اسی کی مصیبت بننے والا تھا۔

"یار! رونا بند کرو، کوئی دیکھے گا تو بنا کچھ پوچھے مجھے دھر لے گا۔" مومن نے التجا کی تو ایلیا نے بھی فوراً آنکھیں صاف کیں۔

"اب بتاؤ، کیونکہ کیا؟"

"کیونکہ جواباً اگر میں یہ کہتی کہ میں بھی پیار کرتی ہوں تو بات، بالکل بے اثر اور بہت پھیکی سی ہوجاتی۔"

"اُف خدایا۔" مومن نے جھرجھری لی "مطلب تم نے صرف اس وجہ سے اظہار نہیں کیا کیونکہ وہ جوابی کارروائی لگتا..... ویسے....." وہ کہتے کہتے کچھ سوچ کر رُکا پھر ایک دم ہنس پڑا۔

"بات تو ویسے ٹھیک ہے۔" اب وہ ہنس رہا تھا۔

"دیکھا..... میں نے کہا تھا۔" اس نے منہ پھلا کر مومن کی طرف دیکھا تو آنسو پھر گال پہ لڑھک آئے

"تو پھر دیکھو نا، قدرت نے تمہاری کیسی مدد کی۔ لیکن۔ نہیں رُکو۔" وہ چونکا "اگر اس دن تمہاری دوست یہ سب نہ کہتی تو مجھے بتاؤ، تمہارے ذہن میں آخر کیا تھا۔ اے ایلا۔ کیا تم کبھی مجھے یہ بات نہ بتاتیں۔" وہ پھر سے الجھ گیا۔ تنگ کر ایلیا کو دیکھا۔

"نہیں خیر۔ ایسا کبھی نہیں ہے۔" وہ روتی آنکھوں سے مسکرادی اور اس کی مسکراہٹ دیکھ کر لگا کہ اس کے ذہن میں بھی کچھ تھا۔

"بتاؤ نا۔ کیا تھا تمہارے دماغ میں؟"

"ابھی نہیں۔" وہ اب مسکرائے جارہی تھی۔

"ابھی کیوں نہیں۔ دیکھو، اب مجھے تنگ مت کرو۔"

"بتانے کی بات نہیں ہے مومن جی۔ گھر چل کر دکھا سکتی ہوں۔"

"ایسا کیا ہے؟" وہ بالکل سمجھ نہیں پارہا تھا۔

"گھر پہنچنے تک سکون کرلیں۔" اس نے ہاتھ جوڑے تو مومن بھی ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ "تو چلو پھر دیر کیسی۔"

☆☆☆

شہناز بیگم کی آنکھ کچھ ملے جلے سے شور کی وجہ سے کھلی۔ نیند سے جاگتے پر فوری طور پر کچھ سمجھنا مشکل تھا لیکن ان کے ذہن میں سارہ کا خیال جونہی آیا وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔

باہر بچوں اور عورتوں کی آوازیں کیوں آرہی تھیں۔ انہوں نے دوپٹہ کھینچ کر چپلیں پہنیں اور تقریباً دوڑ کر دروازے تک آئیں۔ لیکن دکھائی دیتا منظر مزید ہوش اُڑا گیا۔

صحن کے بیچوں بیچ وہ اُن کی ماموں زاد جنون تھی، ساتھ اس کی دو بہوویں شبنم، نور پری اور ان کے چار پانچ بچے کھڑے مسکرا رہے تھے۔ مسرت بوکھلائی ہوئی سی ان کو چھوٹے صحن کی طرف ہانک رہی تھی لیکن وہ بڑی خوش خلقی سے، سارہ سے بغل گیر ہورہی تھیں۔ وہ گوری چٹی مصیبت پھر باہر گھوم رہی تھی۔

شہناز بیگم کی شعلہ بار آنکھیں، خاموشی سے مسرت پر ٹکی تھیں کیونکہ مسرت کو سختی سے تنبیہ کی ہوئی تھی کہ حویلی کا بڑا گیٹ ہر وقت بند رہا کرے۔

ایسے میں کسی کی آمد کی صورت میں وہ پہلے سارہ کو اس کے کمرے میں بند کرتی اور اس کے بعد مہمانوں کو چھوٹے صحن کی طرف لے جاتی۔

ساس کے جانے کے بعد ان ہی کے کمرے کو شہناز نے مہمان خانے میں تبدیل کردیا تھا۔ وہ

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

پورشن ارحم کے نئے کمرے سے بہت دور پڑتا تھا۔ اب سے پہلے کئی مہمان خواتین کو بڑی خوبی سے نمٹا لیا گیا تھا لیکن آج۔

"وہ میں...... کھاٹ نکلوا رہی تھی، شمروز لالہ کے ساتھ۔ اُدھر زیرے میں ضرورت تھی۔ پھاٹک کھلا ہوا تھا تو یہ اندر گھس آ گئیں۔" مسرت نے جلدی سے آ کر صفائی دی۔ شہباز چپ کھڑی سارہ اور ان خواتین کو دیکھ رہی تھیں۔

"آپ کہہ دیں بی بی! کہ یہ مسرت کی بہو ہے، کام کے لیے آئی ہوئی ہے۔" مسرت نے مشورے کے انداز میں گھسر پھسر کی۔

"نہیں کہہ سکتی۔" وہ ایک گہری سانس اندر کو کھینچ کر آگے بڑھ گئیں۔ مہمانوں کو بجائے دوسرے صحن دوڑانے کے اپنے کمرے میں ہی لے آئیں کہ یہ بھانڈا تو اب پھوٹ ہی چکا تھا۔ باقی کیا رہ گیا تھا۔ سارہ کو کچھ بھی اور ثابت کرنا اب کے لیے تو بہت آسان تھا لیکن آگے۔ مستقبل میں جب ارحم اسے باقاعدہ اپنی بیوی کے طور پر سب سے ملوانے کے درپے تھا۔ تب اس آج کے جھوٹ نے خود ان ہی کا منہ کالا کرنا تھا اور پھر وہ حویلی کا نیا آنے والا وارث، جس کی آمد کے آثار مہمان خواتین کی نگاہوں سے ہرگز چھپے نہ رہے تھے۔

شہباز نے خود کو ذہنی طور پر تیار کیا کہ انہوں نے زیتون بی بی اور بہوؤں کے سامنے ارحم کی کہانی کس انداز میں بیان کرنی تھی۔

☆☆☆

"یہ سب کیا ہے؟" مومن کی حیرت بھری نظریں بیڈ پہ بکھرے رنگ رنگ کے صفحات پر تھیں۔

"یہ تو ابھی آدھے بھی نہیں، صرف پچھلے آٹھ نو ماہ کے ہیں۔ جو اس سے پہلے لکھے تھے وہ تو ضائع کر دیے۔" ایلیا شرمندہ شرمندہ سی وضاحت کر رہی تھی۔

"پہلے کب؟" مومن کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

"پہلے یعنی کہ۔" وہ کہتے کہتے رُکی "وہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گی۔ ابھی میں آپ کے لیے چائے بنانے جا رہی ہوں۔ آپ بس ان سب کو خود ہی پڑھ لیں۔"

وہ کھل کر کچھ بھی کہنے کی حالت میں نہ تھی۔ جلدی سے جان چھڑا کر باہر بھاگ گئی اور مومن نے ہنستے ہوئے وہ پلندہ اٹھایا۔ ایلیا نے بتایا تھا کہ ہر خط پر تاریخ لکھی ہوئی ہے اس لیے وہ ترتیب سے پڑھے۔ مومن نے تاریخوں کے حساب سے وہ سارا دستہ اکٹھا کیا اور پہلا خط آنکھوں کے سامنے رکھا۔

کیا کریں عرض تمنا کہ تجھے دیکھتے ہی
لفظ پیرایہ اظہار میں گم ہو جائیں

تحریم آپی کا دنیا سے جانا ہم سب کے لیے بہت بڑا غم ہے۔ لیکن ان کے جانے کے بعد ہم سب ہی ایک دوسرے سے ڈرتے اور گھبراتے پھر رہے ہیں۔

وسیلہ آپی کو لگتا ہے امی سے بات کرنا ان کے درد میں اضافہ کرتا ہے۔ ندرت مامی آپ سے بات نہیں کرتیں، انہیں لگتا ہے یہ آپ کے زخموں کو ادھیڑنا ہے۔ اور مجھے لگتا ہے امی ہوں یا آپ ہم سب کو اپنے دل کا حال ضرور کسی نہ کسی سے کہہ دینا چاہیے۔

امی کی دواؤں میں تو شاید سکون کی گولی بھی ہے تب ہی ان کو نیند تو آجاتی ہے۔ لیکن آپ کا راتوں کو جاگنا، بہت تکلیف دہ ہے۔

کیا آپ ایک بار مجھ سے تحریم آپی کی باتیں کھل کر کریں گے۔ مومن جی میں آپ کو صبح سے شام تک، رات سے دن تک لگاتار اور بے حساب سن سکتی ہوں۔ مجھے آپ کا بولنا ہمیشہ سے بہت اچھا لگتا ہے۔

اگر وہ باتیں آپ کے دل کا احوال ہوں تو میں ایک ایک لفظ کو موتیوں کی طرح اپنے دامن میں سمیٹ سکتی ہوں۔ اور آپ کا بولنا اس لیے بھی بہت ضروری ہے کہ آپ کے اندر کا غبار آپ کو چین نہیں لینے دیتا۔ کاش میں آپ سے کہہ سکتی کہ اپنے دل کی ہر

UUNovels.com

بات آپ مجھ سے شیئر کریں۔ (ایلیا جمال)

مومن نے دوسرا خط سامنے رکھا

ہماری ڈوبتی نبضوں سے زندگی تو نہ مانگ
سخی تو ہیں مگر اتنے امیر ہم بھی نہیں!

جانتی ہوں صاحب...... آپ نے تو اس پروپوزل سے انکار ہی کرنا تھا۔ لیکن میں یہ بات نہ آپ کو بتا سکتی ہوں نہ ہی کسی اور کو کہ یہ رشتہ میرا دیرینہ خواب تھا جسے میں نے روتی آنکھوں کے ساتھ خود اپنی مرضی سے اپنے دل میں دفن کر دیا تھا۔

آج آپ کے انکار سے اندر کہیں بھی کچھ محسوس نہیں ہوا۔ لیکن کاش آپ صرف ایک بار مجھ پر بھروسا کر کے دیکھ لیتے۔ (ایلیا جمال)

مومن نے اگلا خط کھولا

بہت شکریہ مومن جی! آج آپ نے بالآخر رشتے کی ہامی بھر لی، کیونکہ میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے کہ میری حیثیت صرف بچوں کی ماں کی ہو گی۔ آپ بیوی کے رشتے کے لیے چاہیں تو کسی بھی اور لڑکی کو پسند کر سکتے ہیں۔ آپ کی زندگی میں شامل ہونا، آپ کے نام سے جڑنا میری اتنی دیرینہ خواہش ہے کہ تب شاید میں ان جذبات کو کوئی نام بھی نہیں دے سکتی اور اب میں خود کو ثابت کروں گی۔ (ایلیا جمال)

چوتھا خط

تیسری شادی؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میرا مطلب ہے، میری بات کو اتنا سیریس لے لیں گے، یہ تو بالکل نہیں سوچا تھا۔ اور۔ اور آپ لڑکی بھی دیکھ رہے ہیں؟ ہائے اللہ، ابھی تو ہماری شادی کو دو ہفتے بھی نہیں ہوئے۔ مومن جی! میں بڑی مشکل سے پرانے درد بھولی ہوں، میرے لیے پھر سے ہلاکو مت بنیں۔ میں کہہ رہی ہوں، یہ آپ کا بہت غلط فیصلہ ہے۔ اور ٹھیک ہے کہ میں نے وعدہ کیا تھا، لیکن کہیں میرے دل میں یہ تھا کہ میرے ہوتے اس کی سو سال تک نوبت نہیں آنے والی۔ سوچ لیں صاحب۔ یہ سودا آپ کو مہنگا پڑے گا۔ خدارا مجھے سوتن اور بچوں کو سوتیلی ماں کے حوالے مت کریں۔ (ایلیا مومن)

مومن نے ہنستے ہوئے اس خط کو سائیڈ پر رکھا اور پانچواں خط سامنے لانے تک بے اختیار ہنستا ہی چلا گیا۔

اب تک ہیں دل، خوش فہم کو امیدیں
یہ آخری شمعیں بھی بجھانے کے لیے آ!

معافی چاہتی ہوں مومن جی۔ مجھے واقعی ایسا لگا تھا کہ آپ کامران بھائی سے جیلس ہو گئے ہیں لیکن مجھے افسوس ہے کہ بات وہ نہیں نکلی، آپ کے لیے تو گھر کی ساری خواتین ایک برابر ہیں۔ ہاں لیکن اس نئے رشتے سے سارا فرق تو مجھے پڑتا ہے۔ آپ کے لیے تو جو آئی ہی بچوں کی ماں بن کر ہے، اس کا ہونا نہ ہونا آپ کے لیے کیوں کوئی معنی رکھے۔ (ایلیا مومن)

"ہوں......" وہ لب بھینچ کر مسکرائے جا رہا تھا۔ ایک ایک لفظ ایک نئی دنیا دریافت کرنے جیسا تھا۔ اسے ساتھ ساتھ وہ سب باتیں یاد آ رہی تھیں جن کے آدھے ادھورے حوالے ایلیا نے ان خطوط میں دیے ہوئے تھے۔ اس نے چھٹا خط کھولا۔

"ہاں اچھا تو مطلب عروبہ ہی ہے وہ لڑکی۔ مجھے تو اس دن ہی شک ہو گیا تھا جب مامی نے بتایا کہ آپ کی نزہت خالہ اس رشتے سے ناخوش ہیں اور کھل کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر چکی ہیں، یعنی ان کی ناپسندیدگی بیک پر عروبہ کی پسند چھپی ہے میں بتا رہی ہوں آپ کو، عروبہ نے بچوں کا قطعی خیال نہیں رکھنا، صرف آپ پر قبضہ جمانا چاہتی ہے۔ میرا نہیں تو بچوں کا سوچ لیں۔ (ایلیا مومن)

"واہ۔ بڑی پہنچ۔" وہ ابرو تان کر استہزائیہ ہنسا اور اگلا خط نکالا۔

تو میرے ہمراہ چلتا اور دنیا دیکھتی

آج آپ نے میرے بال بنائے، تیاری میں مدد کی، وسیلہ کے سامنے اتنی محبت کا اظہار کیا، اور۔ اور پھر کچھ "جھوٹ" بھی بولے۔ مجھے یہ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا مومن جی۔ لیکن نہیں، اب مجھے

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔ آپ وسیلہ کے علاج کے لیے میرا استعمال مت کریں، کہیں پھر میں ہی نہ مریض بن جاؤں۔ لیکن یہاں میری کسے پرواہ ہے۔ میں بظاہر صحت مند ہوں تو سب کے لیے آل اوکے والا معاملہ ہے۔ (ایلیا مومن)

"ہاہ!" مومن نے ایک آہ بھری، "ہر" بظاہر" صحت مند کو یہی شکوہ ہے میری جان۔" اُس نے سر جھٹک کر اگلا خط نکالا اور پہلے ہی جملے پر ٹھٹک گیا۔

"مجھے نا، بالکل یہ اندازہ بھی نہیں ہوا کہ آپ میں دو نمبری بھی ہو سکتی ہے۔"

"ہیں اچھا؟" وہ دلچسپی سے آگے پڑھنے لگا۔

"وسیلہ آپی کی واپسی کے بعد میں بھی اتنی اپ سیٹ ہوئی کہ مجھے رونا آ گیا۔ آپ نے رات مجھے بہت محبت سے تسلی دی کہ آپ میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونے دیں گے۔ میری لائف کا ادھورا پن ختم کریں گے وغیرہ وغیرہ، لیکن مومن جی، آپ مجھ سے یہ ظاہری ہمدردی مت جتایا کریں۔ آپ کو تو مجھ پہ ترس آتا ہے لیکن میں کہیں کچھ زیادہ اونچے خواب نہ دیکھنے لگوں، ایسے میں آپ کو ہی مشکل ہوگی۔ (ایلیا مومن)

"اُف سیانے لوگ۔" وہ ہنس کر اور آگے بڑھا۔

چھوٹے چھوٹے اِن خطوط میں مومن کی دلچسپی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اُس نے ایک اور خط نکالا۔

"مومن جی! کیا واقعی میں آپ کی پہلی محبت ہوں، لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ نے مجھے کہا کہ وقت لے کر سوچو اس پر۔ لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ اس کا ڈراپ سین کچھ اور ہی نکلے گا۔ ہلکو سے اچھائی کی اُمید..... ناممکن۔" ایلیا نے "ناممکن" کو ذرا زیادہ موٹے مار کر سے مزید ابھار کر لکھا تھا۔

"واہ رے، مومن تیری قسمت۔" اس نے مسکراتے ہوئے ایک آہ بھری۔ "جسے دل دینے کی بھول کر بیٹھے ہو، اس کے بھروسے کا یہ حال ہے۔ میڈم نے مجھے اپنی محبت جتانے کے لیے خطوط تھمائے اور پتا یہ چلا کہ میں ہی کھوٹا سکہ نکلا ہوں۔"

وہ ہنس رہا تھا جب ایلیا سخت نروس اور گھبرائی گھبرائی سی کمرے میں داخل ہوئی۔ ہاتھ میں چائے کا کپ تھا۔ جو اس نے اندر آتے ہی فرہی میز پہ رکھا اور واپس گھوم گئی۔

"اے ے۔" مومن نے بے ساختہ آواز لگائی تو اس کے قدم جم گئے۔ "اندر آؤ۔" اس نے رعب سے کہا تو ایلیا نہایت سست روی سے واپس پلٹی اور دروازے کے قریب والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ نظریں جھکا رکھی تھیں اور چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

"کیا ہے یہ سب؟" مومن نے لہجہ نرم رکھنے کی کوشش کی لیکن ہو نہیں پایا۔

"سوری....." وہ فوراً بولی۔ دل میں سخت پچھتاوا ہوا کہ اموشنل ہو کر خطوط تھمانے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔

"سوری۔ کس لیے؟" مومن نے ابرو تانے۔

"نہیں وہ۔ ویسے ہی۔ میرا مطلب ہے۔" اس سے بالکل بات نہیں بن رہی تھی۔

"تو میں ہلکو ہوں؟"

"او..... نو....." اس نے بے ساختہ پلکیں بھینچ کر لب آپس میں پیوست کیے۔ خطوط تھماتے یہ تو خیال ہی نہیں آیا کہ اندر کیا کچھ لکھا ہوا ہے۔ اپنی طرف سے میڈم جوابی اظہار فرما رہی تھیں۔ موڈ میں دھرے اس کے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دے کر مومن نے اسے سامنے کھڑا کیا تھا۔

"اچھا تو وہ کون سے خط تھے جو تم نے اب ضائع کر دیے۔" وہ اب اس کے بالکل نزدیک کھڑا تھا۔ دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں کی انگلیوں میں پورے پھنسا لیے تھے۔

"یہ اب نہ پوچھیں۔ پلیز....." وہ سر نفی میں ہلانے لگی۔

"ہیں۔ کیوں۔ تم نے ہی نے کہا تھا کہ بعد میں بتاؤ گی۔"

"نہیں بس..... بالکل نہیں۔" وہ اکڑ ہی گئی۔

مومن کو دیکھ کر، نجانے اسے ایسا کیوں لگا تھا جیسے خطوط اسے پسند نہیں آئے تھے۔ تب ہی ڈوب مرنے کو تیار کھڑی تھی۔

"تمہیں سچ میں ایسا لگتا ہے ایلیا، کہ میرا محبت کا اظہار صرف تمہارا دل رکھنا تھا۔" ایلیا چپ کھڑی تھی۔ کیسے کہتی کہ بے یقینی کا دشت بہت وسعت لیے ہوئے ہے۔ کہیں کنارہ دکھائی بھی دے تو اُسے سراب کا دھوکا ہونے لگتا ہے۔

"تم ہی بتاؤ، کیسے یقین دلاؤں..... ہوں؟"

"ایلیا..... کہاں ہو....." عمدت مامی کی آواز باہر سے سنائی دی تو مومن جھٹکے سے دور ہوتے بھاگ کر الماری تک پہنچا۔ ایلیا نے اس کی گھبراہٹ دیکھی تو اپنی بھول گئی۔ اور پھر بے ساختہ لبوں پر پہلے ہنسی آئی اور پھر قہقہہ چھوٹ گیا۔ جسے منہ پہ ہاتھ رکھ کر دباتے وہ فوراً باہر نکل گئی۔ بڑے پھنے خان بن رہے تھے۔

☆☆☆

جالی کے باریک سفید اُس سرسراتے پردے کے پیچھے نجانے سونے جیسا چمکتا ہوا سا کیا تھا۔ سنہری اپنی جانب کھینچتی ہوئی سی وہ چک وسیلہ کو بے اختیار کھڑکی کے نزدیک لے گئی۔

فیروزہ نے ناشتہ اس کے سامنے رکھ کر کھڑکی کے بھاری پردے ایک سائیڈ پہ کر کے فرنٹ کا جالی دار پردہ سرکایا اور کھڑکی پوری کھول دی۔ وسیلہ نیند سے جاگ چکی تھی۔ اور جس وقت فیروزہ ناشتہ لے کر آئی وہ فریش ہو کر اس کا نکالا ہوا لائٹ اورنج اور سفید سوٹ بھی پہن چکی تھی۔ فیروزہ تو ناشتہ رکھ کر واپس چلی گئی اور چائے پیتے ہوئے وسیلہ کو چھن چھن کرتی وہ سنہری سی جھلک، بار بار اپنی جانب متوجہ کرتی رہی۔ اس نے کپ ہاتھ میں لیا اور کھڑکی میں چلی آئی۔ سفید پردہ ایک سائیڈ پہ کر دیا۔

میپل کا درخت۔ اس کے لبوں پہ بے ساختہ ایک بہت پرانا نام یوں آیا کہ وہ خود بھی سوچ میں پڑ گئی کہ وہ، کسی میپل ٹری کو بھی جانتی ہے اور اسے یہ بات ابھی ابھی یاد آ رہی تھی۔

پھر اسے یاد آیا کہ وہ اپنی یادداشت کھو چکی ہے اور اسے بہت کچھ بھول چکا ہے لیکن خزاں کے یہ پیلے پتے، سورج کی چمک سے جو سنہری سے لگ رہے تھے، وہ میپل کا درخت ان کی کھڑکی کے پیچھے والی سرسبز چراگاہ کے کنارے تو نجانے، کتنے برسوں سے موجود تھا لیکن وسیلہ کو اس کے خزاں کے پیلے رنگ نے کسی یاد کی طرف کھینچا تھا۔

چراگاہ میں اس وقت کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ ہاتھ میں بیٹ اور بال تھے۔ کچھ بڑے کچھ چھوٹے بچے اور۔

"خدارا بچالیں۔ نیچے تیز کیے بیٹھا ہے وہ خونی بلا۔"

"لاحول ولا۔ ایلیا۔ کیسی لینگویج۔" وسیلہ نے کھڑکی کے پٹ کو مضبوطی سے ہاتھ میں لیا۔ "میری بہن ایلیا۔ وہ۔ وہ مجھ سے چھوٹی تھی۔ وہ کہاں ہے۔ یا اللہ وہ اسی گراؤنڈ میں تو کھڑی تھی۔ اور وہ کسی سے ڈر رہی تھی، پتا نہیں کون۔ مجھے یاد کیوں نہیں آ رہا۔۔ نہیں۔ وہ تیزی سے واپس پلٹی، کپ واپس میز پہ رکھا اور اپنی اورنج شال کھول کر اپنے گرد لپیٹ لی۔ کمرے سے نکل کر آس پاس دیکھا۔ وہ باہر نکل کر میپل کے درخت تک آ گئی۔

گھر کے سامنے کی ڈھلان اتر کر بائیں ہاتھ تھوڑا نیچے کر کے وہ سرسبز گراؤنڈ تھا، جہاں بچے کھیل رہے تھے۔ وہ کنارے پہ کھڑی ان سب بچوں کو بغور دیکھ رہی تھی۔ اسی وقت پیچھے جیپ کی آواز سنائی دی وسیلہ نے پلٹ کر دیکھا تو گھر کے گیٹ سے جیپ نکل رہی تھی۔ منصب وردی پہنے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ گیٹ سے جیپ نکال کر وہ جوں ہی باہر آیا، نظر وسیلہ پر پڑی تو حیرت زدہ سا فوراً نیچے اترا۔

"وسیلہ آپ۔ یہاں باہر۔" وہ دیکھنے لگا کہ آیا کوئی اس کے ساتھ ہے یا نہیں۔

"وہ میں اکیلی ہی باہر نکلی ہوں۔ مجھے۔ اصل میں۔ وہ درخت دیکھ کر کچھ یاد آ رہا تھا۔" وہ ہاتھ کے

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

اشارے سے بتانے لگی۔ منصب نے بھی اپنا رویہ نارمل کیا

"اچھا اچھا۔ گڈ۔ تو کیا یاد آیا۔" اب وہ مسکرا رہا تھا۔

"مجھے میری چھوٹی بہن ایلیا یاد آ گئی ہے۔"

"ارے واہ۔" منصب حقیقتاً خوش ہوا۔ "یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اسے بھی سن کر بہت خوشی ہوگی۔ وہ اندر۔"

"لیکن۔ مجھے آپ کو دیکھ کر بھی ہمیشہ کچھ یاد آتا ہے۔" وہ ایک دم کھوئی کھوئی سی ہونے لگی۔

"مجھے ہمیشہ ایسا کیوں لگتا ہے جیسے ماضی میں کچھ خاص۔" وہ ایک دم اٹک گئی۔

"مجھے لگتا ہے جب میری یادداشت ٹھیک کام کرتی تھی میں تب سے آپ کو جانتی ہوں۔" وہ سیدھے صاف الفاظ میں نہایت شیریں انداز میں کہہ رہی تھی اور منصب کا دل کچھ پرانی یادوں، کچھ نئے نئے اندیشوں میں گھرا نہایت تیز رفتاری سے دھڑکے گیا۔

"میرا آپ سے کیا رشتہ رہا ہے؟" وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگی اور منصب اس کی شکل دیکھ کر بس چند سیکنڈز کے لیے ہی سوچ میں پڑا اور پھر سانس اندر کو کھینچے اس بار کہہ ہی دیا۔

"دوستی کا۔"

"اچھا؟" وہ بے یقین تھی۔ منصب تو کیسا ریزرو رہتا تھا۔ بہت کھنچا کھنچا دور۔ اتنا کہ وہ باوجود جاننے کے کبھی اس سے زیادہ بات کرنے کی ہمت نہیں کر پائی۔

"تو پھر وہ ختم کیسے ہوگئی۔ آپ مجھ سے خفا کیوں لگتے ہیں۔ کیا میرا کوئی قصور تھا۔ اچھا آئی ایم سوری اگر۔"

"وسیلہ۔ پلیز۔" منصب کا ضبط جواب دینے لگا۔ وہ پلٹ کر فوراً جیپ میں بیٹھا اور اسٹارٹ کر کے تیزی سے رخصت ہوگیا۔ اس کا سینہ درد کی شدت سے پھٹ رہا تھا۔ پلکیں سیکنڈز میں نم ہوئی تھیں۔

آنکھیں ہاتھ کی پشت سے رگڑتے وہ تیزی سے جیپ بھگائے جا رہا تھا۔

وہ کیسے بتا سکتا تھا وسیلہ کو کہ سارے قصور اُس کے اپنے تھے۔ اس کی ہر تکلیف کے پیچھے بس ایک ہی نام تھا۔ منصب رضا...... وہ نچلا لب دانتوں میں بھینچے اندھادھند جیپ بھگائے جا رہا تھا۔

☆☆☆

موسن ڈنر کے وقت سب کو تنبیہ کرتا پھر رہا تھا کہ جلدی سو جائیں کیونکہ اُنہوں نے منہ اندھیرے پشاور کے لیے نکلنا تھا۔

وہ جس وقت امی سے مل کر آئی وسیلہ اور رمشہ سونے جا چکی تھیں۔ موسن کمپیوٹر پر کچھ کام کر رہا تھا۔ اور وہ چونکہ دوبارہ چھوٹے کمرے میں شفٹ ہوگئی تھی تو دونوں بچوں کو لیے یہاں آ گئی۔ اور اب دونوں کے سو جانے کے بعد اس نے بڑے کمرے میں جھانکا تو موسن اُسے جاگتے ہوئے ملا تھا۔ پچھلی شام خطوط پڑھنے والے معاملے کے بعد اس کا موسن سے بالکل آمنا سامنا نہیں ہو سکا تھا۔ شام میں وہ آفس سے لیٹ آیا۔ اگلے روز چونکہ وسیلہ کو پشاور لے جانا تھا تو کچھ کلوزنگ کر رہے تھے۔

وہ شام کی چائے لائی تو موسن اپنے ابو کو جانے کے متعلق بتا رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر جتنی بے چین تھی۔ ماحول اور حالات اتنا اس کے آڑے آ رہے تھے۔ حالانکہ موسن نے اُس سے کہا تھا کہ وہ وسیلہ کی وجہ سے پریشان ہے اور اُسے جس تسلی کی ضرورت رہتی تھی، ایلیا وہ اُسے کبھی نہیں دے پائی تھی۔

وہ بہت ہمت کر کے بڑے کمرے میں داخل ہوئی۔

موسن نظر کا چشمہ لگائے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ تھا۔ وہ نزدیک تو آئی لیکن بس چھوٹا موٹا سامان یہاں وہاں سے اُٹھایا۔ مقصد اپنی موجودگی جتانا تھا لیکن موسن نے سرسری ایک نظر دیکھا اور پھر کام کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ایلیا کا یہاں آنے کا اس وقت بس ایک ہی

مقصد تھا کہ اُسے جانے سے پہلے کسی طرح موسن کو تسلی دینی ہے لیکن کیسے...... کن الفاظ میں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بس اس کی فرماں بردار طبیعت کے لیے یہی کافی ہو جاتا کہ کوئی، اسے ایک بار کچھ سمجھا دے تو دوبارہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

"بچے سو گئے؟" موسن کی بھاری آواز کمرے کی خاموشی میں اچانک ہی سنائی دی تو اس کا دل روٹین کی رفتار بھول گیا۔

"ج...... جی۔" اس نے فوراً خود کو سنبھالا۔ شکر ہے بات کرنے کا بہانا مل گیا تھا ورنہ ماحول کی خاموشی نے تو اس کا گلا ہی گھونٹ دیا تھا۔

"آپ بھی اب آرام کر لیتے۔ صبح جلدی نکلنا ہے۔" وہ کمپیوٹر ٹیبل کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

"تھوڑا سا کام اور ہے۔"

"تو اتوار کو واپس آ کر کر لیں، آفس تو اب منڈے کو جانا ہے۔" وہ بھی مُصر ہوئی۔

"اتوار کو تھکاوٹ ہوگی، سو چار یسٹ کروں گا سارا دن۔" اس نے چشمہ اُتارا۔

"وہ بعد کی بات ہے، فی الحال ابھی کے ریسٹ پر دھیان دیں۔ صبح ڈرائیونگ کرنی ہے۔" اس نے چشمہ موسن کے ہاتھ سے لے کر، فولڈ کر دیا اور ابرو سے اشارہ کیا کہ وہ لیپ ٹاپ آف کر دے اور موسن جو اس کی طرف دیکھتے کچھ سوچ رہا تھا، خاموشی سے لیپ ٹاپ آف کرنے لگا۔ ایک چھوٹا سفری بیگ لا کر موسن کی کمپیوٹر ٹیبل پہ رکھ دیا۔

"یہ سب دیکھ لیں آپ کا سامان۔"

"سامان!" موسن نے بھنوؤں کو تعجب سے جوڑا "کس لیے۔"

"کل...... سفر کے لیے۔" وہ اس سے زیادہ حیران تھی۔

"ہے کیا۔ اور کیوں؟ ہم تو شام تک واپس آ جائیں گے۔" وہ کہتے ساتھ زپ کھول کر اندر جھانکنے لگا۔ ایک سوٹ، ایک چھوٹا تاول، سوپ، ٹوتھ پیسٹ، ٹوتھ برش۔ ہیئر برش۔ سینی ٹائزر، فیس واش۔ اور۔ ایک الگ شاپر میں کیک، بسکٹ، نمکینس وغیرہ۔

"اور اگر رہنا پڑ گیا تو۔ پہلے سے تھوڑی نا پتا ہوتا ہے۔ سفر کا معاملہ ہے، پھر ہسپتال، احتیاطاً سب کچھ ساتھ ہونا چاہیے، میں تو یہ کہہ رہی تھی کچھ رہ نہ گیا ہو، اس لیے دیکھ لیں۔"

"ارے یار! بہت ہے۔ اور دیکھنا یہ بھی گاڑی میں پڑا رہ جائے گا۔"

"اچھا، کوئی بات نہیں، واپس ہی آ جائے گا نا۔" وہ دروازے کی چٹخنی چڑھا کر سوئچ بورڈ کی طرف بڑھی۔ لائٹ آف کر کے سبز نائٹ بلب آن کر دیا۔ پلٹ کر دیکھا۔ موسن بیڈ کے کنارے پر بیٹھ چکا تھا کچھ خیال آنے پر وہ قریب آئی اور سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر دور کمپیوٹر ٹیبل پر رکھ دیا۔

"موبائل بھی استعمال نہیں کرنا۔ گیارہ بج گئے ہیں اور مزید بالکل کوئی گنجائش نہیں۔"

"اچھا؟" موسن نے جاتے جاتے اس کی کلائی پکڑ کر روکا۔

"بالکل کچھ نہیں؟" اور اس کی تو ہاتھ پکڑ لینے پر ہی سٹی گم ہوگئی تھی۔ کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

"ہوں۔ جاؤ۔" اس نے کچھ دیر تک جواب کا انتظار کیا اور پھر خود ہی اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور اس حرکت نے ایلیا کو مزید نروس کر دیا۔

"س...... سوری۔" وہ پریشان ہو کر فوراً بولی لیکن موسن ان سنی کرتے لیٹ گیا۔ وہ اسی طرح کھڑی دیکھ رہی تھی۔ موسن نے نظر انداز کرتے آنکھیں بھی بند کر لیں۔

ایلیا کا دل ایک خیال آنے پر اگرچہ زور دار طریقے سے دھڑکنے لگا تھا لیکن اس نے بھی ٹھان ہی لی تھی۔ ایک نظر سوئے ہوئے موسن کو دیکھا۔ ہونٹوں پر شرمیلی ہنسی تھی جسے وہ منہ پہ ہاتھ رکھ کر روک رہی تھی۔ موسن کے آنکھیں بند کرنے پر ہمت کچھ بڑھی تھی۔

اس نے جھک کر نہایت تیزی کے ساتھ موسن

UUNovels.com

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

کے سر کو چوما اور بنا اس کا ردعمل دیکھے چھوٹے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ مومن نے حیرت سے آنکھیں کھولیں، اسے بھاگ کر جاتے دیکھا اور مسکراتے ہوئے پھر سکون سے آنکھیں موند لیں۔ تسلی کا یہ دل لبھاتا انداز بہت پیارا تھا۔

☆☆☆

ایلیا نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ ہاسپٹل اور سفر کے معاملات کا کچھ طے نہیں ہوتا۔ مومن کا خیال یہی تھا کہ وہ اگلی شام تک واپس آجائیں گے لیکن وسیلہ کے ٹیسٹ وغیرہ ہونے اور رپورٹس آنے میں دو دن لگے تھے۔ آج سنیچر کی سہ پہر ان کی میانم واپسی ہو رہی تھی۔ وسیلہ کے ٹیسٹس کا پروسیس کافی طویل اور سنجیدہ نوعیت کا تھا۔ باہر وہ سب ہی مسلسل دعا گو رہے تھے اور اگلے دن جب اس کی رپورٹس ملنا تھیں تو مومن کا اضطراب، شدید سر درد کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ لیکن اللہ کا بے حد احسان ہوا کہ سرجن کفایت نے رپورٹس دیکھ کر بہت تسلی دی تھی۔

انہوں نے بتایا کہ دماغ اندرونی طور پر زیادہ ڈیمیج نہیں ہوا۔ اور کوئی بھی پرانی یاد کسی بھی وقت وسیلہ کے لیے مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ انہوں نے وسیلہ کے آس پاس پرانا ماحول پیدا کرنے کو بہت خوش آئند قرار دیا تھا۔ مومن نے واپسی کا سفر نسبتاً بہت پرسکون گزارا۔ سر کا درد البتہ اتنی آسانی سے جانے والا نہیں تھا۔ وہ سب شام سے کچھ پہلے میانم پہنچے۔

ایلیا نے بچوں کو تیار کیا۔ گھر میں سب بہت خوش تھے۔ مومن نے انہیں فون پر ہی وسیلہ کی رپورٹ سے متعلق اچھی خبریں سنا دی تھیں۔ توفیق ماموں، وسیلہ کی طبیعت کا حال جاننے خود اس طرف آنا چاہتے تھے۔ ندرت ان کو وہیل چیئر پر لانے لگیں تو انہوں نے ہاتھ سے منع کر دیا۔

"خود ہی آہستہ آہستہ چل کر جاتا ہوں۔" انہوں نے ارادہ کیا اور ندرت کا ہاتھ تھام کر دوسرا ہاتھ دیوار سے لگا لگا کر چلنے لگے۔ رضوانہ کے گھر داخل ہونے تک ان کی چال کچھ اور رواں ہو گئی تھی۔

"دیکھا نا۔ ڈاکٹر بھی یہی کہتے ہیں کہ جتنا زیادہ چلیں گے، اتنا ہی پرابلم کم ہوتی جائے گی۔ تم خوامخواہ مجھے کرسی پہ دھکیلے رہتی ہو۔"

وہ ندرت سے شکوہ کرتے برآمدے تک آ پہنچے۔ وہ بس مسکرا کر انہیں سنتی رہیں۔ توفیق اب واقعی فالج کے شدید اثر سے اسی فیصد تک باہر نکل آئے تھے۔ وہ اب ایک نارمل آدمی کی طرح اپنے سب ہی کام بنا کسی کی مدد کے، انجام دے لیتے تھے اور ندرت ان کو ایک مدت بعد گھر میں چلتے پھرتے دیکھ کر خوش ہوتی رہتی تھیں۔

"ارے بھائی جان!" رضوانہ بھائی کو آتے دیکھ کر بوکھلا کر اٹھیں۔ لیکن ندرت کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھتے انہوں نے خود کو ٹوکنے سے باز رکھا۔ پھر توفیق بھائی بھی تو کتنے نارمل انداز میں خود چل کر آ رہے تھے۔

"ماشاء اللہ۔ بہت مبارک ہو۔ بھیا تو اب بالکل خیریت سے ہیں۔ آئیں، یہاں بیٹھ جائیں۔" رضوانہ نے خود ہی کرسی ان کے نزدیک کی۔

"مامی اب ہمیں ٹریٹ دیں۔" ایلیا نے مسکرا کر ساس کو دیکھا۔ سب ہی اس وقت ہال کمرے میں بیٹھے تھے۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ اپنی اپنی پسند بتاؤ۔ میں سب بنا دوں گی۔"

وہ بے طرح خوش دکھائی دیتی تھیں۔ منصب ڈاکٹر تانیہ کو اس کے گھر چھوڑنے گیا تھا۔ اور مومن آتے ہی فریش ہونے چلا گیا تھا۔ ایلیا نے سب کے لیے چائے بنائی، ابھی سہ پہر ڈھلی تھی۔ رات کا کھانا ندرت اور ایلیا نے مل کر بنانا تھا۔

چائے پینے کے دوران ہی منصب بھی واپس آگیا۔ جس وقت مومن نہا کر وہاں آیا سب ہی رمشہ سے پشاور کا احوال سن رہے تھے۔ وسیلہ البتہ اپنے کمرے میں ہی تھی۔ تانیہ ہی اسے اپنے روم میں لٹا

آئی تھی۔ باہر نکل کر تانیہ نے کچھ ضروری ہدایات سب کو دی تھی، اور یہ بات بھی اس میں شامل تھی کہ اگر وسیلہ گھر کے کچھ لوگوں کو پسند نہیں کرتی تو اسے زبردستی گھلنے ملنے کا نہ کہا جائے کیونکہ اس کی اس وقتی حالت سے اُن سب نے کمپرومائز کرنا تھا۔"

"چائے۔" ایلیا نے چائے کا کپ مومن کے آگے کیا تو اُس نے پہلی مرتبہ سر اُٹھا کر بغور ایلیا کو دیکھا۔ بڑے بڑے گرین پتوں والے اونی کے بلیک سوٹ میں وہ اس وقت بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ایلیا نے نظر ملنے پر گھبرا کے دوسری جانب دیکھا۔ سفر کی تھکاوٹ اور نہانے کی وجہ سے مومن کی آنکھیں ایک دم گلابی سی ہو رہی تھیں۔

"سردی بڑھ رہی ہے نا، ریبا کا اپر اٹھانے جا رہی ہوں۔ پہلے ہی اس کو فلو ہے۔"

وہ اسی تیزی سے درمیانی دروازہ عبور کر گئی۔ مومن نے چائے ختم کر لی تھی۔ وہ بھی بلاوجہ حسیں سٹوڈ سا اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اوہو، میرا موبائل شاید کمرے میں رہ گیا۔" وہ تیز قدموں سے اپنے گھر کی طرف بڑھ گیا۔ ایلیا کے واپس آنے سے پہلے وہ اس تک پہنچنا چاہتا تھا اور وہی ہوا۔ وہ ریبا کا اپر اٹھا کر کمرے سے نکلی تو بری طرح مومن کے سینے سے آ لگی۔

"آرام سے میری جان۔" مومن کی تو روح تک سرشار ہو گئی تھی۔

"آپ......" وہ سر اٹھا کر اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"ہوں!" وہ اس کے شانوں سے دھکیلتے ہوئے اسے دوبارہ کمرے میں لے آیا۔ ایلیا اپنی مسکراہٹ دبا رہی تھی لیکن چہرا گلنار ہو رہا تھا۔ صاحب کی بے چینی تو ان کے انداز سے عیاں تھی۔ اس نے اندر آتے ہی پیٹھ پھیر لی۔ ہنسی روکنا بہت مشکل تھا۔

"تیار ہونے کا کیا مطلب۔" وہ اس کے پیچھے سے کھڑا چہرا اس کے کان کے قریب کیے پوچھ رہا تھا۔ "اور کلر بھی بلیک پہن لیا، تمہیں شرم نہیں آتی۔"

"کچی تیار تو نہیں ہوئی میں۔" وہ مسکرا کر وضاحت دے رہی تھی۔

"تو پھر کیوں اتنی پیاری لگ رہی ہو؟"

"کیوں جی۔ میں سادہ اچھی نہیں لگتی؟" وہ لاڈ سے پوچھنے لگی۔

"مت پوچھو، کتنی اچھی لگتی ہو۔" اس نے بازو کچھ اور کسے۔

"سادہ یا تیار؟" وہ آہستہ آواز میں پوچھنے لگی۔

گزرے دو دنوں میں اس نے خود سے یہی عہد کیا تھا کہ مومن کی شوخیوں اور محبت پر اب وہ گھبرائے گی نہیں، مومن کی جھجک بھی نئی نئی تھی اور اس کی گھبراہٹ تو شاید برسوں پرانی اور دونوں مل کر ایک دوسرے کے نزدیک آنے کی راہوں میں رکاوٹ بن رہے تھے۔ پہل کا ساتھ دینا تھا۔ مومن اور اب ایلیا نے کشادہ دلی سے اس بڑھے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھنا تھا۔

☆☆☆

تھانہ سے میمونہ اور انیس کی کال آئی تھی۔ میمونہ کے دیور عرفان کی شادی تھی اور انہوں نے رمشہ اور منصب کو بلایا تھا۔

وسیلہ کے گھر پہنچتے ہی منصب اور رمشہ نے جانے کی تیاری کر لی کیونکہ اگلے روز، اتوار کو انہوں نے عرفان کے ولیمہ میں شرکت کرنی تھی۔ منصب نے گھر میں سب کو بتا دیا تھا کہ وسیلہ کو پیپل کا درخت دیکھ کر کچھ یاد آنے لگا تھا اور اس نے اپنی بہن ایلیا کا بھی ذکر کیا تھا۔ اس کی بات سن کر ایلیا کو بھی وسیلہ کے سامنے لایا گیا کہ شاید اسے مزید کچھ یاد آئے لیکن وسیلہ کو صرف چند جملے اور نام ہی یاد آ سکا تھا کیونکہ ایلیا کے سامنے آنے پر، وہ اسی اجنبیت بلکہ ناپسندیدگی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

وسیلہ کے سو جانے کے بعد ایلیا اور رمشہ بہت دیر تک یہ پلان بناتے رہے تھے کہ وسیلہ کی یادداشت واپس لانے کے لیے کیسے اقدامات پر عمل

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

کرنا چاہیے۔

☆☆☆

مومن نے گاڑی گھر کے پورچ میں روک کر کچھ ضروری سامان، فی الحال گاڑی کے اندر ہی رہنے دیا۔ وہ منصب اور رمشہ کی روانگی کے وقت ان کی جیب کے ساتھ ہی اپنی گاڑی میں یہ کہہ کر بازار تک آ گیا تھا کہ اسے کچھ ضروری سامان لینا ہے۔ منصب تو رمشہ کے ساتھ جیپ لیے آگے بڑھ گیا اور وہ بازار میں ہی گھوم پھر کر کچھ چیزیں لیتے، قریب نو بجے گھر واپس آیا۔ جب اپنے کمرے میں آیا تو بچوں کے روم کی لائٹ آف تھی اور خاموشی بتاتی تھی کہ بچے سو چکے ہیں۔ اس نے مسکرا کر کچھ سوچا، اپنے کمرے کی لائٹ بھی آف رہنے دی۔ اور دبے پاؤں واپس آ کر سامان کے تھیلے اٹھا لیے۔

مومن نے سرخ گلابوں کا گل دستہ سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر دوسرے تھیلے سے، گلاب کی پتیاں نکال کر اپنے بیڈ کو سجایا۔ خوب صورت کینڈلز کو دور رکھی میزوں پر سجا کر وارڈ روب سے ایلیا کے لیے ایک سرخ لباس منتخب کیا۔ یہ سرخ لباس اگرچہ دلہن کا روایتی سرخ لباس نہیں تھا۔ بلکہ ایلیا کا سرما کا ایک میرون اور ریڈ ڈریس تھا، جو شاید اس نے ایک بار کہیں آتے جاتے ہی پہنا تھا۔ اسے بہت خوب صورت لگا تھا لیکن ایلیا سے دوبارہ کبھی کہنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ یہ لباس زیادہ پہنا کرے۔ آج رات کے لیے البتہ اس کا انتخاب اسے بہت ہی مناسب لگا۔ لباس کو پلنگ کے کنارے رکھا اور اپنے لیے لائٹ آسمانی کرتا شلوار لے کر واش روم چلا گیا۔ اور مختصر سے وقت میں واپس آ کر موبائل اٹھایا۔ تھوڑی سوچ بچار کی، بالآخر ایلیا کے موبائل پر کال کر دی۔

ایلیا کی بچوں کو سلاتے اکثر آنکھ لگ جایا کرتی تھی لیکن ابھی کچھ دیر پہلے اس کی شاید کسی کھٹکے سے آنکھ کھلی تھی۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا جو ہلکا سا کھلا ہوا تھا۔ بڑے کمرے کی لائٹ آف دکھائی دی جس کا مطلب تھا، مومن ابھی نہیں آیا۔ وہ اب باہر نکلنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ مومن کی طرف سے موبائل پر کال آنے لگی۔ ایلیا کا دل پریشانی سے دھڑک اٹھا۔

"یا اللہ خیر۔ یہ کہاں سے کال کر رہے ہیں۔ کہیں گیٹ پر تو نہیں آئے ہوئے۔" وہ بنا دوپٹے کے ہی باہر بھاگی اور چھوٹے کمرے کے دروازے سے نکلتے ہی بڑے روم کے دروازے تک پہنچی۔ ہاتھ ہینڈل پہ تھا جب پیچھے کمرے سے مومن کے ہلکا سا کھانسنے کی آواز آئی

"آپ۔" وہ چونک کر پلٹی۔ کمرے میں نائٹ بلب جل رہا تھا اور مومن کا دھندلا سا عکس سامنے صوفے پر دکھائی دیا۔

"آپ آ گئے۔ میں سمجھی، گیٹ پر بلا رہے ہیں۔" اس نے گہرا سکون کا سانس لیا۔ اس دوران مومن اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔

"بلا تو رہا ہوں لیکن گیٹ پر نہیں۔"

"آپ آئے کب۔ مجھے تو پتا ہی نہیں چلا۔" وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"لائٹ آن کرو۔" وہ بنا اس کی بات کا جواب دیے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"ہاں لائٹ....." وہ بھی چونکی اور سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ گئی۔ لائٹ آن کر کے پلٹی تو پہلی نظر بیڈ پر پڑی۔ اس کا ریڈ اور میرون سوٹ کنارے پہ رکھا تھا۔ اور لائٹ گرے بیڈ شیٹ پر سرخ گلابی پتیاں، اس کے گلے میں کچھ پھنسا، مومن کی طرف تو دیکھا ہی نہیں گیا۔ مومن نے اس کا سوٹ اٹھایا اور قریب آیا

"جاؤ، یہ چینج کرو۔"

"جی....." اس نے ہینگر کو تھاما اور فوراً پلٹنے لگی۔

"جلدی آنا، میں تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔" اس نے ہینگر کو دوبارہ تھوڑا کھینچ کر تنبیہ کی اور وہ گھبرا کر پھر پلٹ گئی۔ آنکھوں کے بھی کئی رنگ کئی لہجے بے شمار موڑ ہوتے ہیں۔ وہ کچھ مدت ہوئی اب اُن

آنکھوں میں محبت، شوخی، معنی خیزی اور اندرونی مزاج کے کچھ بہت گہرے رنگوں کو الگ کرنا بھی سیکھ گئی تھی۔ آج کا رنگ البتہ مومن کے مزاج کے ایک بالکل نئے رنگ سے آشنا کروا گیا۔ ایلیا کی سانسیں اس رنگ کی گہرائی میں ڈوبتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ مومن کو زیادہ انتظار نہ کرواتے کچھ ہی دیر میں واپس آ گئی۔

سائیڈ ٹیبل کے گل دستے پر نظر پڑی تو ایلیا نے مسکراتے ہوئے ان پھولوں کو اٹھا لیا۔ وجہ کچھ اپنی گھبراہٹ پہ قابو پانا بھی تھا۔

"خوب صورت ہے؟" مومن مسکراتے ہوئے اس کے نزدیک آیا

"جی۔ مجھے ایسے ڈیپ ریڈ روز بہت پسند ہیں جن کی تہوں سے کالا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔" وہ ایک گلاب کو باہر نکال کر قدرت کی اس حسین تخلیق کو سراہ رہی تھی۔

"بالوں میں لگا دوں؟" مومن نے ایک گلاب نکالتے ایلیا سے اجازت چاہی۔

"آپ کو اچھا لگتا ہے؟" وہ ہنستے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں، بہت۔" اس نے پھول کی لمبی سبز ڈنڈی کو کاٹا اور ایلیا کے ہیئر بینڈ میں پھول اٹکا دیا "اور ایسی بہت سی باتیں ہیں جو مجھے پسند تو ہیں لیکن مجھے ان کا اور اک اب ہو رہا ہے۔" اس نے دراز کھول کر ایک نیا کی لفافہ نکالا اور اس میں سے یاسمین اور گلاب کے گجرے نکال کر باری باری ایلیا کی کلائیوں میں پہنا دیے۔ وہ حیرت سے مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔

"کہیں تمہیں تو یہ سب عجیب نہیں لگتا۔" اس نے کچھ شرمندہ سا ہو کر سر کھجایا، اسے لگا، آج کل کی کالج گرلز کا مزاج تو بالکل ہی الگ سا ہوتا ہے۔

"آپ کی کوئی بات بری نہیں لگتی۔" وہ سر جھکائے اپنے گجرے سے کھیل رہی تھی۔

"کب سے؟" مومن نے کچھ دیر رُک کر بہت سوچ کر ایک سوال کیا۔ ایلیا نے بے ساختہ سر اٹھایا، مومن کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ اور نظر میں بہت گہرا سوال تھا۔ ایلیا جانتی تھی، مومن کو اب تک اپنے اس سوال کا جواب نہیں مل پایا تھا۔ مومن اِس دوران ایلیا کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ تک آیا اور بیڈ کے کنارے پر بیٹھتے اسے بھی اپنے سامنے بٹھا لیا۔

"بتاؤ نا ایلیا۔ کب سے۔"

"ویسے تو ہمیشہ سے، بچپن سے، لیکن۔" اس کا لہجہ ہلکا سا کپکپا گیا "تب تیرہ برس کی عمر سے۔ جب ہم۔ مرغزار گھومنے گئے تھے۔ اونچائی پر چڑھتے آپ نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا، آپ کو لگتا تھا میں گر جاؤں گی۔ پھر جب ہم اوپر آ گئے آپ کو تب بھی سب سے زیادہ فکر میری طرف سے لاحق تھی۔ آپ کو لگتا میں اچانک کسی کھائی کی طرف دوڑ جاؤں گی۔" وہ اب روانی سے مسکرا کر بتا رہی تھی۔ مومن کو بھی وہ ٹور یاد آ گیا۔ اس نے مسکرا کر ایلیا کو دیکھا

"تو..... تم نے تب سے خط لکھنا شروع کیے تھے۔"

"جی۔" اس نے مسکرا کر سر ہلایا "واپس آنے کے کچھ دن بعد کی بات ہے، آپ نے مجھے کسی بات پر ڈانٹا تو میں نے پہلی بار آپ کو خط لکھ کر اپنی ڈائری میں چھپایا۔ اس میں نے آپ کو لکھا کہ مجھے سڑو مومن بالکل اچھے نہیں لگتے۔ آپ صرف مرغزار والے مومن بن کر رہا کریں، لیکن ظاہر ہے کہ آپ کو بھیجا نہیں۔"

"ہوں۔ تو اندازاً کتنے خط تھے؟" وہ دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

"جی، وہ تو میں اکثر ہی لکھ لیتی تھی۔ ہوں گے پچاس ساٹھ۔" وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

"تو ضائع کیوں کیے۔ اور کب؟"

"وہ تو....." ایلیا ایک دم ہی چپ ہو گئی۔ چہرے پر مسکراہٹ بھی نہیں تھی۔ مومن نے تعجب سے دیکھا اور خاموشی سے جواب کا منتظر رہا۔

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

"مجھے پتا نہیں تھا کہ آپ کا اور تحریم آپی کا بچپن سے رشتہ طے ہے۔"

"اچھا۔ واقعی۔" مومن کے لیے یہ نئی بات تھی۔ "لیکن یہاں تو سب کو اس بات کا پتا تھا۔"

"جی، پر مجھے دسویں جماعت میں پتا چلا۔ آپ کی شادی سے کوئی سال بھر پہلے۔ میرے سامنے بھی کسی نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ امی ہی ہمیشہ بہت محتاط رہتی تھیں کہ گھر کے بچوں کے سامنے سنجیدہ باتیں نہ کی جائیں۔ خیر میں نے تب ہی سارے خط بھی پھاڑ دیے تھے اور اپنی سوچ کو بھی خود اپنی کوشش سے تبدیل کر لیا تھا۔"

"بہت مشکل ہوا ہوگا؟" وہ اسے توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ ایلیا نے بس ہلکا سا سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اتنی کم عمری میں بنا کسی کو کچھ بھی بتائے کیا ایسے جذباتی مسائل سے بندہ اکیلے نمٹ لیتا ہے؟" وہ حیران ہو کر پوچھ رہا تھا۔

"جب درد ملتا ہے تو اللہ پاک اسے اٹھانے کی طاقت بھی عطا فرما دیتا ہے۔"

"تو مطلب دریا میں جاتی کار کی چھت پر چھلانگ یونہی نہیں تھی۔"

وہ آنکھوں میں بڑی انوکھی سی چمک لیے مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا "ہم سب بے وقوف تھے ایلیا! جو اتنی سی بات سمجھ نہیں پائے۔ حالانکہ انسان کا ہر وہ عمل جو بالکل بے اختیاری میں سرزد ہوتا ہے۔ وہ لاشعور میں چھپے اس جذبے کا پتا دیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ عمل ہم نے انجام دیا تھا۔ جس طرح نفرت اور غصے میں بندہ بے اختیار اگلے پر ہاتھ اٹھا دیتا ہے، عین اسی طرح محبت میں۔" وہ کچھ دیر کے لیے رُکا پھر شرارت نے اندر گدگدی کی "ڈوبتی کار کی چھت پر۔" وہ اسے یاد دلاتے کھل کر ہنس پڑا۔ ایلیا نے منہ پھلا لیا۔

"اب آپ تنگ کیا کریں گے مجھے۔"

"ہاں، دن میں کئی کئی بار۔" وہ ہنسا تو ایلیا اٹھنے لگی لیکن مومن نے کھینچ کر بٹھا لیا "اب میں خوش ہوں تو تم سے میری خوشی دیکھی نہیں جا رہی۔ ہاں؟ مجھے بتاؤ، تم نے ایسا مومن احمد پہلے دیکھا تھا کیا؟"

"نہیں۔" وہ بھی شرما کر تائید کرنے لگی۔

"پتا ہے ایلیا! مجھے تحریم کہتی تھی کہ آپ ہر بات دل میں رکھتے ہیں، اور صرف تحریم نہیں، میرے متعلق ہر ایک کا یہی خیال تھا لیکن سچ تو یہ ہے ایلیا کہ تب میرے اندر کوئی گہرائی تھی ہی نہیں، کوئی جذبہ بہت شدت سے کبھی محسوس ہی نہیں ہوا۔ سب کچھ لگا بندھا ایک معمول پر چلتا ہوا سا تھا۔ مجھے ایسے انوکھے احساسات سے تم نے متعارف کروایا۔"

"وہ کیسے؟" اب وہ دلچسپی سے مومن کو دیکھ رہی تھی۔

"محبت میں کب اور کیسے کے جامع جواب کبھی نہیں ملتے کیونکہ یہ جذبات، بڑے ہی دبے پاؤں چپکے سے دل کی زمین پر پڑتے ہیں، یہ تو بس اچانک ایک دن خود ہم پر بھی انکشاف بن کر اترتے ہیں کہ یہی تو ہے وہ۔ زمانہ جسے محبت کہتا ہے اور بالآخر اس نے ہمیں بھی آلیا۔"

"آپ کا "درد" کہیں یہی تو نہیں کہ اس نے آپ کو بھی آلیا۔" ایلیا نے بے ساختہ پوچھا لہجے میں البتہ شرارت چھپی تھی، مومن نے قہقہہ لگایا۔

"نہیں بدتمیز لڑکی! میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ خوب صورت جذبہ بھلے ہر دل میں پلتا ہے لیکن وقت کا تعین نصیب سے ہوتا ہے۔ تیرہ اگر بہت ابتدائی عمر ہے تو تینتیس چونتیس بہت زیادہ لیکن عجب اتفاق ہے کہ دونوں دل ایک دوسرے پر جینے مرنے کے لیے بنے تھے۔

کہو ایلیا..... ہمیشہ ساتھ دو گی نا۔" مومن نے اپنی ہتھیلی اس کے سامنے کھولی۔ جس پر ایلیا نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ رکھ کر سر اثبات میں ہلایا اور مومن نے اسی ہاتھ کو کھینچ کر ایلیا کو اپنے قریب کیا۔

"خوش تو ہو نا ایلیا؟"

"جی میں خوش ہوں، بہت خوش، بس اب دعا ہے مومن جی! سب پہلے جیسا ہو جائے۔" وہ اس کے سینے سے سر ٹکائے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"پھر کہو۔" مومن نے اس کی ٹھوڑی اونچی کی۔ وہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

"دعا ہے سب۔"

"نہیں اُس سے پہلے کیا کہا۔"

"اُس سے پہلے۔" وہ سوچ میں پڑ گئی، پھر سمجھ آنے پر سر مومن کے سینے میں چھپایا "مومن جی۔"

"بہت اچھا لگتا ہے۔ کہا کرو۔"

"اور آپ بھی مجھے۔ جب۔" وہ روانی میں کہتے کہتے رک گئی، مومن نے حیرت سے اس کا چہرا دیکھا "میں۔ کیا کہتا ہوں تمہیں؟" اسے تو خود بھی یاد نہیں تھا۔

"ایلا۔" اس نے شرمائے شرمائے لہجے میں یاد دلایا تو مومن بھی ہنس دیا۔

"پتا ہے۔، جب بھی تمہیں ایلا کہا، بہت بے ساختہ بہت اندر سے نکلا۔"

"اور وہ کیا بات تھی۔ جو اس دن مجھے ڈانٹتے وقت کہی تھی، جب میں امی کے گھر فرش وغیرہ دھو رہی تھی۔"

"وہ۔" مومن نے وہ کو لمبا کیا "اسی وقت بتا تو دی تھی۔" وہ تھوڑا سا جھینپ گیا۔

"جی۔ لیکن میری سمجھ میں کہاں آئی تھی۔" وہ اضطراری کیفیت میں اس کی آستین کا بٹن کھول بند کر رہی تھی۔

"سمجھ میں کیوں نہیں آئی؟"

"تحریم آپی آپ کی بیوی تھیں کیا آپ کو ان سے محبت نہیں تھی؟"

"یہی بات تو میں سمجھا رہا تھا میری جان، رشتے لائف میں لگے بندھے معمول کی طرح ہوتے ہیں۔ امی کا بچپن سے یہ کہنا کہ وہ تحریم کو اپنی بہو بنائیں گی۔ سن کر میں نے اپنا ذہن بنا لیا تھا کہ جو امی نے کہا۔ وہی کرنا ہے۔ شادی کے بعد وابستگی ضرور پیدا ہوئی۔ جسے محبت بھی کہہ سکتے ہیں لیکن تمہارے آنے کے بعد جو آہستہ آہستہ میرے جذبات بدلے، انہیں محسوس کرنے تک کا ہر لمحہ انکشاف جیسا تھا۔ تمہارے دور جانے پر جس طرح میں نے تمہاری کمی کو محسوس کیا۔ رات کو سارے کام کاج نمٹا لینے کے بعد تمہارا کمرے میں آنا میرے لیے ہر لمحہ ایک نیا ہونا تھا۔"

"اور میں سوچتی تھی کہ نجانے اس نفرت کو ختم کرنے میں میری کتنی عمر خرچ ہو جائے گی۔"

"جانتی ہو ایلیا، مجھے سب سے زیادہ تم میں کیا پسند ہے؟"

"ہوں؟" اُس نے حیران ہو کر خاموشی سے مومن کو دیکھا۔

"ایک روز تم سامنے بیٹھی میرا بیگ بنا رہی تھیں۔ جب میں امی اور ابو کو اسلام آباد چھوڑنے جا رہا تھا۔"

"جی یاد ہے۔" ایلیا کو یاد آیا، وہ اس روز یہ سمجھ رہی تھی کہ مومن بھی پندرہ دنوں کے لیے جا رہے ہیں۔

"میں نے تم سے کہا کہ اپنی امی کو میٹرس کے متعلق جھوٹ بولنا۔"

"جی یاد ہے۔" وہ مسکرا دی۔

"تب تم نے "جی" کہہ کر نظریں جھکائیں تو میں نے پہلی بار تمہیں بہت غور سے دیکھا تھا۔ میں یونہی بے ارادہ تم پر نظریں جمائے بیٹھا تھا لیکن پہلی بار میرے اندر ایک خیال پیدا ہوا کہ ایلیا کی آنکھیں بہت خوب صورت ہیں۔ اور جب وہ انہیں جھکاتی ہے تو دل بھی جیسے ڈوبنے لگتا ہے، اور اس کا شرماتا اپنی طرف کھینچتا ہوا سا کیوں لگتا ہے۔ تب میں بہت گھبرا کر اُٹھ گیا کہ نجانے یہ کیسے اول فول خیالات آتے جا رہے ہیں۔"

"اول فول کیوں۔ میں تب بھی بیوی تھی آپ کی۔"

"وہی نا۔ میری پگلی سی وائف۔" مومن نے انگلی اس کی ناک پر بجائی۔ "ہمارا ایک دوسرے کی زندگی میں شامل ہونا چونکہ عام کپلز سے بہت ہٹ کر رہا ہے تو اس لیے یہ لفظ "بیوی" بیزار کن سے انتہا کا

UUNovels.com

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

خوش گمن یونہی نہیں بن گیا، ہر لمحہ میں نے اس میں ایک نیا پن محسوس کیا۔ تم جب میرے آس پاس نہیں ہوتی تھیں تو میں سوچتا یہ چھوٹی سی موٹو میری بیوی ہے۔" وہ اپنی ہی بات پر ہنسا تو ایلیا نے کشن اس کے کندھے پر مارا۔

"مجھے پتا تھا ایک دن یہ بات ضرور کہیں گے۔" وہ تحریم اور وسیلہ جیسی لمبی پتلی نہ تھی۔ اس کا جسم نسبتاً بھرا ہوا اور قد درمیانہ تھا۔

"اور مجھے تو اب پتا چلا کہ یہی میری پسند ہے۔" وہ شوخی سے کہتے اس کے قریب ہوا۔

☆☆☆

منصب اور رمشہ رات کو تھانہ پہنچے۔ اگلے روز میمونہ کے دیور عرفان کا ولیمہ تھا۔ اتوار کی دوپہر ولیمہ اٹینڈ کرنے میں گزری۔

منصب کی وہیں راشد سے ملاقات ہوئی۔ اس وقت اگرچہ وہ سب بہت سارے دوستوں میں گھرے بیٹھے تھے اور کسی خاص گفتگو کا موقع نہ تھا تو راشد نے اجازت لیتے وقت، چپکے سے اشارہ دیا تھا کہ اسے منصب کو کچھ بہت خاص بتانا ہے۔

منصب کے لیے اس کا کہنا ہی کافی تھا۔ راشد سے ماضی میں وہ ارحم سے متعلق معلومات لیتا رہا تھا۔ اس نے کال کر کے میمونہ سے کہا کہ رمشہ کو وہ اپنے ساتھ ہی رکھے۔ وہ ایک دوست سے مل کر گھر آئے گا۔ پھر ولیمہ ختم ہونے پر وہ راشد کے ساتھ ہی وہاں سے نکل آیا۔

راشد اسے اپنی کار میں اپنے ڈیرے لے آیا۔ یہاں کے کلچر میں تقریباً ہر گھر میں مردانہ حصہ موجود ہوتا ہے۔ وہ راشد کے ساتھ اس کی مردانہ بیٹھک میں اکیلا تھا۔ راشد بلاوجہ ہی آؤ بھگت میں لگ گیا۔

"یہ سب چھوڑو یار! ابھی اتنے ڈٹ کر ولیمہ کھایا ہے۔" منصب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔

"کھانے کے بعد چائے کا اپنا مزا ہے۔" وہ بھی مسکراتے ہوئے بیٹھ گیا۔

"ہاں لیکن صرف چائے۔ او کے تو اب سناؤ۔ کیا حالات ہیں حویلی کے؟"

"یار! بڑی دھوم مچی ہے آج کل کسی پہاڑی حسینہ کی۔" وہ بھی سسپنس پھیلاتے نزدیک آ بیٹھا، منصب پہلے ہی جملے پر چونک گیا۔

"کیا مطلب۔ یار میں ارحم خان کی بات کر رہا ہوں، اس کی حویلی؟"

"میں بھی اسی کی بات کر رہا ہوں میرے بھائی۔۔ اور مجھے لگا شاید تمہیں بھی اڑتی اڑتی خبر مل چکی ہو گی کچھ، لیکن بالکل ہی بے خبر لگتے ہو۔ تو سنو۔" راشد نزدیک ہو بیٹھا۔

"ارحم خان کی حویلی میں آج کل ایک عورت گھومتی پھرتی ہے۔ پریگننٹ ہے اور ہماری پشتو سے کچھ الگ پہاڑی زبان بولتی ہے۔ ارحم خان کا ڈرائیور فرمان میرا جاننے والا ہے۔ ایک دن خود ہی مزے لے کے بتا رہا تھا کہ پرانی بہو تو میکے میں بیمار پڑی ہے اور ارحم خان نئی بیوی لے آیا ہے۔"

"اچھا...... کب سے؟" منصب کے لیے یہ بالکل نئی بات تھی۔

"بس یہی کوئی مہینہ بھر سے۔ ویسے اس لڑکی کو چھپانے کی بڑی کوششیں ہو رہی ہیں۔ کہیں آنے جانے نہیں دیا جاتا۔ نہ ہی ارحم نے کھل کر کسی سے بات کی ہے۔ خفیہ رکھا جا رہا ہے معاملے کو۔ اب پتا نہیں بیوی ہے بھی کہ نہیں۔"

"ہوں...... منصب کا لہجہ پرسوچ ہوا" اور۔ اس کے علاوہ کوئی بات؟"

"بس یہ ارحم خان کی شادیوں کے معاملے شروع سے بڑے مشکوک ہیں۔ نہ پہلی بیوی کو کسی نے دیکھا، نہ یہ اب والا معمہ کسی کی سمجھ میں آ رہا ہے۔"

"لیکن یہ کیسے پتا چلا کہ وہ ارحم کی بیوی ہے۔ کیا پتا، بی بی کی کوئی رشتہ دار ہو اور کسی وجہ سے آئی ہوئی ہو۔"

"اگر ایسا ہوتا میرے بھائی، تو اس کو چھپانے کا کیا مطلب اور فرمان بتاتا ہے کہ وہ ارحم کے ساتھ گاڑی میں اکیلے گھومنے جاتی ہے۔، وہ حویلی کے

اندر کا بندہ ہے، پورے وثوق سے یونہی نہیں کہہ رہا تھا۔ کہتا ہے چترال کی پہاڑی زبان بولتی ہے۔ دیکھنا منصب! یہ وہی چترالی لڑکی نکلے گی، جس کے قصے خود سنایا کرتا تھا۔ بالآخر اس کو لے ہی آیا۔ اچھا ویسے تمہارا کیا انٹرسٹ تھا اس سارے معاملے میں؟" راشد کو اچانک خیال آیا۔ "پولیس کا کچھ معاملہ ہے؟"

"ہاں پولیس کا ہی سمجھ لو۔ دراصل اس کی بیوی جس کا تم بتا رہے تھے کہ بیمار ہے۔ اس کے میکے میں میرا ملنا جلنا ہے۔"

"اچھا......" راشد کو حیرت ہوئی۔ "یار! پھر تو وہ بہت کچھ جانتی ہو گی۔ تو وہ۔"

"نہیں...... اس کا دماغی علاج ہو رہا ہے۔ ابھی وہ کچھ بتانے کی حالت میں نہیں۔ اس لیے مجھی یہاں کی باتیں جاننا بہت ضروری ہے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔" منصب نے سہولت سے راشد کو بتا دیا، کیونکہ راشد بہت دیرینہ، قابل اعتماد دوست تھا۔ وہ بھی سنجیدگی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

"یار! ایک تو تم دور بہت چلے گئے ہو، ملنا جلنا بھی دیکھو کیسے اتفاق سے ہو پاتا ہے۔"

"تو تم آ جایا کرو میاں مٹھو۔ کسی نے روکا ہے۔" منصب ہنس دیا۔

"ہاں، امی کہہ رہی تھیں۔ جائیں گے۔ لیکن پہلے شاید یہاں تمہاری بڑی سسٹر سے ملنا چاہتی ہیں۔" وہ کچھ کہتے کہتے رکا۔

"اچھا؟ منصب کو اس کی بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی "میمونہ سے، کچھ کام تھا؟"

"آں۔ وہ تو شاید امی کو۔" وہ گڑبڑا کر موضوع بدلتے اسے اپنی نئی پارکین کے متعلق بتانے لگا اور منصب کا دھیان بھی یکسر بدل گیا۔

☆☆☆

"سب کچھ ہی بہت مشکوک ہے منصب! لیکن کہاں سے کون سا سرا پکڑا جائے، کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا۔"

"سب ہی مسئلوں کا حل تو وسیلہ کے ٹھیک ہونے میں ہی ہے تانیہ!" اس نے ایک سرد آہ کھینچی۔

"میں بالکل مایوس نہیں ہوں اس معاملے میں، ڈاکٹر نے کہا ہے ذہنی ٹریجک بہت معمولی ہے، اب تو سمجھو، جو بھی کوشش کرنی ہے، ہمیں خود کرنی ہے۔" تانیہ ہرگز مایوس نہ تھی، لہجہ بھی پرجوش اور جذبے سے بھرپور تھا۔

"مومن کہہ رہا تھا، کہ ہمیں وسیلہ کو کہیں باہر لے جانا چاہیے۔ گھر کے بند ماحول میں بیٹھ کر بہت انتظار کر لیا۔ لیکن اسے لگتا ہے، وسیلہ کی یادوں کو کچھ زیادہ پیچھے سے اٹھانا چاہیے۔"

"مطلب؟"

"ایکچوئلی ایلیا مشورہ دے رہی تھی کہ کالام جانا چاہیے، کیونکہ وسیلہ کی شادی سے کچھ عرصہ پہلے ہی سب کالام گئے تھے لیکن مومن نے اس بات کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ وسیلہ کو، زیادہ قریب کی باتیں یاد نہیں ہیں۔ بہت ماضی کی باتیں پھر بھی، اس کے ذہن سے ٹکرا ہی رہی ہیں تو کیوں نہ اس کو پرانی باتیں یاد دلانے پر فوکس کیا جائے۔"

"مومن کی سوچ بھی درست ہو گی اپنی جگہ۔ لیکن مجھے لگتا ہے اسے کم پرانی باتیں بھی پریشان ضرور کرتی ہیں۔ جیسے اس نے مجھ سے کہا کہ وہ کسی تہہ خانے میں تھی اور کچھ عورتیں اس پر ظلم کرتی تھیں۔"

"ہاں لیکن وہ عورتیں کون تھیں اور کیوں اس کی دشمن تھیں، یہ سب اسے بالکل یاد نہیں۔ اور پچھلے دنوں ہی میری وردی کے ذکر پر بھی اس نے بے ساختہ یہی کہا کہ اسے وردی کے نام پر بھی، کوئی بات ہے جو یاد آ کر رہ جاتی ہے۔ خیر۔" وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"مومن نے جہاں کا پروگرام بنایا ہے، ہم اس کے ساتھ ہیں۔ دیکھتے ہیں اس ٹور کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔"

"مجھے لگتا ہے، سب بہتری کی طرف جا رہا ہے۔"

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

"بالکل۔ جانا بھی چاہیے، آخر ہماری ڈاکٹر صاحبہ اتنی محنت کر رہی ہیں۔"

"میں تو صرف ایک کوشش کر رہی ہوں منصب! لیکن تمہاری بات وہیں رہ گئی۔" وہ بھی کھڑی ہو چکی تھی۔ دونوں اس وقت رضوانہ کے گھر پر تھے۔ تانیہ کچھ دیر پہلے وسیلہ سے مل کر آئی تھی۔ اب منصب سے اس کی تفصیلی بات ہوئی تھی۔ جس میں منصب نے، اسے وسیلہ کے حوالے سے راشد کی باتیں بتائی تھیں۔

"کون سی بات؟" منصب سوچ میں پڑ گیا۔

"میرا مطلب ہے تمہارے دوست نے تمہیں ارحم کے متعلق اتنی اہم باتیں بتائی ہیں۔ تو تمہیں کیا لگتا ہے، اس بارے میں مزید کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"دل تو چاہتا ہے ڈائریکٹ حویلی پر چھاپہ مار دوں، ارحم خان کی ساری پول کھل جائے لیکن قانونی باریکیاں ہاتھ باندھ دیتی ہیں۔ میں نے کہا نا تانیہ، ہر مسئلے کا حل وسیلہ کی یادداشت واپس آنے اور اس کی طرف سے ایک ٹھوس بیان دیے جانے میں ہے۔"

"ان شاء اللہ وہ وقت بھی جلد آجائے گا۔ پریشان مت ہو۔"

"ہوں۔ آجاؤ، تمہیں چھوڑ دوں۔ وہ اس سے پہلے باہر نکل گیا"

☆☆☆

مومن نے آفس سے آکر اپنا سامان رکھا، کپڑے بھی تبدیل کر لیے لیکن ہر طرف مکمل خاموشی تھی۔ نہ بچے دکھائی دیتے تھے نہ ایلیا۔ وہ آستینیں اونچی کرتا باہر آیا۔ امی ابو کا کمرا بھی خالی ملا، وہ حیران ہوتا برآمدے کا دروازہ کھولتے باہر آنے لگا جب ایلیا درمیانی دروازے سے اس گھر میں داخل ہوتی نظر آئی۔ مومن کی دن بھر کے بعد اب ملاقات ہو رہی تھی۔ دل اسے دیکھ کر ہی شاد ہو گیا۔ اس نے اپنی ہنسی روکی اور اسے قریب آنے دیا۔

"کمال ہے، یہاں کسی کو احساس ہی نہیں کہ کسی تھکے ہارے کے، آفس سے آنے کا وقت ہے۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"جی۔ میں اسی لیے آئی ہوں۔" وہ گھبرا گئی۔ مومن کی آنکھوں میں تو پہلے ہی دیکھا نہیں جا رہا تھا۔

"امی ابو کہاں ہیں؟" وہ بغور ایلیا کو دیکھ رہا تھا۔ آسمانی گلابی لائٹ پرنٹڈ سوٹ میں، وہ بہت فریش لیکن مومن کی نظروں سے پریشان کچھ نروس سی کھڑی تھی۔

"جی۔ ابھی کھانے کے بعد امی کی طرف گئے ہیں۔ ماموں صبح سے ایک ہی جگہ بیٹھے تھے۔ اب ان کا کچھ ٹہلنے پھرنے کا دل چاہ رہا تھا۔ اس لیے امی کی طرف چلے گئے۔" اس نے ساری بات نیچے دیکھتے مکمل کی۔

"اور بچے؟"

"جی، وہ بھی اُدھر ہی ہیں۔"

"مطلب۔ اِس طرف ابھی اور کوئی نہیں ہے؟" وہ یوں تو شاید قطعی شرارت کے موڈ میں نہ آتا لیکن ایلیا کی گھبراہٹ خود بخود اُکسا رہی تھی۔ اس نے بڑھ کر ایلیا کا ہاتھ بھی تھام لیا تھا۔

"تو......؟" وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی جس پر مومن نے قہقہہ لگایا۔

"تو یہ میری جان، کہ دل بے چارا فرصت کے لمحات کا ترسا ہوا ہے۔ اس لیے تمہیں سامنے بٹھا کر دیکھیں گے، تمہیں سنیں گے۔ اور بس ابھی کے لیے یہی میری خوراک ہے۔ کہ فی الحال میرا نہ تو کچھ کھانے کا موڈ ہے نہ کسی کے ساتھ باتیں کرنے کا۔ اس لیے میں تو اپنے کمرے میں جاؤں گا۔ تمہاری اپنی مرضی ہے۔"

اس نے کہہ کر ایلیا کا ہاتھ بھی چھوڑ دیا اور کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ایلیا نے کچھ دیر تک اس کی پشت کو دیکھا پھر پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ مومن کمرے میں آکر پلٹا تو وہ بھی دروازے میں کھڑی تھی۔ مومن نے سوالیہ ابرو اُٹھایا۔

"کچھ ڈسکس کرنا تھا۔ لیکن آپ کا تو بولنے کا موڈ نہیں ہے۔"

"سننے کا تو ہے۔" وہ مسکرایا "وہ بھی صرف تمہیں، آجاؤ۔ اس نے ہاتھ پکڑ کر ایلیا کو اپنے پاس بٹھا لیا۔" اس بار ایلیا بھی مسکرادی۔

"وہ اصل میں وہاں سب پروگرام ڈسکس

کر رہے ہیں۔ مرغزار جانے کا۔"

"اچھا۔ کب؟"

"جی وہی تو آپ سے پوچھنا تھا۔"

"سنڈے کے علاوہ تو نہیں ہو سکتا۔ منصب بھی ڈیوٹی والا ہے۔"

"جی یہی کہہ رہے تھے لیکن بات یہ ہو رہی تھی کہ ایک ہی وہیکل ہو۔ مطلب کوئی کوچ وغیرہ۔ سب ایک ساتھ ہوں۔"

"ہاں یہ تو صحیح ہے۔ کرتے ہیں پتا اور جا کون کون رہا ہے۔"

"جی، ہم سب گھر والے اور ڈاکٹر تانیہ۔"

"اور دادی؟"

"وہ نہیں جانا چاہتیں۔ کہتی ہیں۔ گھر پہ ریسٹ کروں گی۔"

"بابا؟" اسے خیال آیا۔

"وہ بھی نہیں جا رہے۔ پھر ان کی وجہ سے مامی نے کہا کہ میں بھی نہیں جاتی لیکن ماموں نے منع کر دیا۔ کہتے ہیں اب میں رہ سکتا ہوں۔"

"ہاں الحمدللہ۔ وہ خوش ہوتے ہیں اب اپنی صحت کی بحالی پر۔ کسی کی مدد لینا ایسے میں اچھا نہیں لگتا۔"

"تو اِسی سنڈے کا ڈن کر دیں۔؟"

"جی مائی لو...... کیونکہ چھ سال بعد میں ایک بار پھر وہاں جانے کے لیے، بہت بے تاب ہوں جہاں کسی کا ہاتھ پکڑنا میرے لیے اتنا خوش آئند ثابت ہوا تھا،" اس نے پیار سے ایلیا کا ہاتھ تھام رکھا تھا اور اسے دھیرے دھیرے سہلا رہا تھا۔

"اِس بار نہ پکڑ لیں، سب کے سامنے۔" وہ شرما کر تنبیہہ کر رہی تھی۔

"اتنا کیوں گھبراتی ہو سب سے۔ میں تو اس بار بھی تھامے رکھوں گا، کون سا تم سمجھ دار ہو چکی ہو، آج بھی گرتی پڑتی رہتی ہو۔"

"ہاں بس یہی دکھائی دیتا ہے آپ کو۔" اس نے نروٹھے پن سے ہاتھ چھڑوایا، مومن تو شام تک سامنے بٹھا کر باتیں کر سکتا تھا۔ وہ بہانے سے ہاتھ چھڑا کر دروازے تک آئی اور شرارت سے مسکرا کر پیچھے دیکھا۔ مومن اس کے جانے پر مصنوعی غصے سے گھور کر دیکھ رہا تھا۔ وہ ہنستی ہوئی باہر نکل آئی۔

زندگی کے اِس نئے آغاز کا آج وہ پہلا دن تھا۔ اور شادی کے آٹھ نو ماہ بعد شروع ہونے والا یہ ہنی مون پیریڈ، بلاشک وشبہ زندگی کا حسین ترین وقت تھا۔ زندگی کے اس نئے سفر کی خوشیوں کے لیے، دعا کرتی کچن میں داخل ہوئی تو پلکیں خوشی سے نم ہو چکی تھیں۔

☆☆☆

"اتوار کی صبح۔ اچھا۔" تانیہ نے زیرلب دہرا کر سوچا "اور۔ کون کون جا رہا ہے۔؟"

"یہاں تو دادی اور تو حتی انکل کے علاوہ سب ہی۔"

"منصب جا رہا ہے؟" تانیہ نے تو نجانے کس خیال کے تحت پوچھا لیکن رمشہ اس کے سوال پر مسکرا دی۔

"ہاں۔ وہ بھی جا رہا ہے۔"

"تو کیا لگتا ہے رمشہ۔ مرغزار سے شام تک واپسی بھی ہو جائے گی؟"

وہ موبائل پر رمشہ سے بات کرتے یونہی کچن تک آئی تھی، لیکن مرغزار کا نام سن کر خدیجہ بیگم کا ہاتھ رُکا۔ کام چھوڑ کر وہ کچن کے دروازے میں آئیں۔

"مرغزار۔ کون جا رہا ہے؟" انہوں نے کچھ ایسی تشویش سے سوال پوچھا کہ تانیہ کا پہلے تو حیرت سے منہ کھلا، پھر فوراً اس نے اپنے حواس یکجا کیے۔ امی کی ہوائیاں کس لیے اُڑی تھیں، اسے سمجھنے میں بس بہت کم وقت لگا تھا۔ عیسیٰ کا تعلق مرغزار کے ایک دیہات سے تھا اور امی کی پریشانی کی وجہ یقیناً یہی نام بنا تھا۔

"جی۔ ابھی طے نہیں ہوا۔" تانیہ نے سنبھل کر بات بنائی "ابھی کچھ جگہیں ڈسکس ہو رہی ہیں۔ زیادہ امکان مالم جبہ کا ہے۔" وہ انہیں بہلا کر فوراً دور چلی آئی۔

"کیا ہوا؟" رمشہ کے کان میں آدھی ادھوری باتیں پڑی تھیں۔ اس لیے تانیہ سے پوچھا۔

"یار! وہ امی ابو بھی مرغزار کے لیے ہاں نہیں

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

ہاجرہ ریحان

صورت گر خوابوں کے

دیکھا تو اس بار، اُس نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔ وہ دونوں جس شاپ میں بارش کی وجہ سے پھنس گئے تھے وہ کافی کشادہ تھی۔ وہاں کھانے پینے کی اشیاء کے ساتھ کچھ کرسیاں اور دو چھوٹی میزیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ دونوں نے اپنے لیے چائے بنوائی اور وہیں بیٹھ کر برستی بارش سے لطف لینے لگے۔

"تو۔ چائے کیوں اچھی لگنے لگی؟" مومن نے پہلا گھونٹ لیتے معنی خیزی سے ایلیا کو دیکھا جس پر وہ جھینپ کر ہنس دی۔

"مجھے پتا نہیں تھا، اتنی مزے دار ہوتی ہے۔"

"اور مجھے یہ چائے اس وقت صرف تمہارے ساتھ کی وجہ سے اچھی لگ رہی ہے۔ تمہیں پتا ہے۔ جو وقت ہم گزار رہے ہوتے ہیں، وہ چاہے کتنا خوب صورت ہی کیوں نہ ہو، ہمیں اس کی خوب صورتی کا احساس اس میں رہتے، اس شدت سے نہیں ہوتا جتنا اس کے گزر جانے پر ہوتا ہے۔ ایسی یادیں گزر جانے کے بعد ایک خوب صورت پیراہن اوڑھ لیتی ہیں۔ اس کے سارے حسین رنگ ہمیں دور جانے پر دکھائی دیتے ہیں۔"

"مطلب یادیں بھی قوس قزح ہیں، جو دور سے بھلی لگتی ہیں۔" ایلیا نے اسے دیکھتے بے اختیار اس کی بات میں اضافہ کیا تو مومن نے ستائشی نظروں سے دیکھا۔

"واہ..... یہ شاعرانہ اپروچ۔ ویسے بالکل صحیح کہا۔"

"اللہ کرے آپی کی یادیں بھی واپس آ کر ان کی زندگی کو رنگوں سے بھر دیں۔" ایلیا نے بے ساختہ ایک آہ بھری۔

"ایسا ہی ہوگا ان شاء اللہ، رات کی سحر ضرور ہوتی ہے۔"

"جی۔" ایلیا اسے محویت سے بولتے دیکھ رہی تھی" کچھ عرصہ پہلے تک ہماری زندگیوں میں بھی ایک اندھیرا جمود طاری ہو گیا تھا۔ تحریم آپی کی اچانک موت، وسیلہ کی عجیب و غریب حالات میں اچانک شادی، ماموں کی بیماری، دونو مولود بچوں کی پرورش، امی کی صحت، ان کے صدمے، میں اور آپ تو عنقریب پاگل ہی ہونے والے تھے، ایک سال پہلے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ محض ایک برس بعد ہی سب کچھ اپنے آپ سنورتا چلا جائے گا۔"

"یہ ادراک بھی تم جیسی نیک روحوں کو ہوتا ہے ایلا۔" مومن اسے بہت محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا" ورنہ انسان ناشکری پر اتر آئے تو دنوں کا سنورنا اسے دکھائی نہیں دیتا۔ بس وہ کچھ اور نئی پریشانیاں گلے میں گھنٹی کی طرح سجائے اُنہی کا رونا رہتا ہے۔"

"جی بالکل۔ اللہ پاک ہمیں ایسی سوچ سے بچائے۔" اس نے تائید کرتے پلٹ کر دیکھا۔ بارش بہت ہلکی ہو چکی تھی۔

"چلیں مومن جی، کہیں بارش پھر سے نہ تیز ہو جائے۔" اسے تو بچوں کی ہی فکر لگی تھی۔

"ہاں۔ نکل چلتے ہیں۔" مومن بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ کاؤنٹر پر وہ چائے کی پے منٹ کر رہا تھا جب تانیہ اور منصب نے دکان میں جھانکا۔

"ہمارا یہی اندازہ تھا کہ آپ بھی ساتھ والی دکان میں ہیں۔" تانیہ ان کو دیکھ مسکرا دی۔ پے منٹ کر کے وہ چاروں اکٹھے باہر نکلے۔ اوپر چڑھ کر آتے وہ ہلکے ہلکے بھیگ چکے تھے۔ تانیہ اور منصب اپنے موبائل کیمروں سے تصویریں بھی بنا رہے تھے۔ دھلا دھلا سفید محل کچھ اور بھی حسین لگ رہا تھا۔ ندرت، بچے اور رمشہ وسیلہ سب ابھی تک وہیں برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب کو آتا دیکھ کر رمشہ اپنی جگہ سے اٹھی اور وسیلہ کو بھی ہاتھ تھام کر ساتھ چلنے کو کہا۔ پیلس کی سیڑھیاں اتر کر سیلہ نیچے اتر رہی تھی جب فضا اچانک ہی گولیوں کی آوازوں سے گونج اٹھی۔

سب نے فائرنگ کی اتنے نزدیک آواز پر گھبرا کر آس پاس دیکھا۔ چہرے کپڑے سے چھپائے وہ کم از کم چھ مرد تھے، جو یک لخت ان سب کے سروں پر پہنچے تھے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے تانیہ کو کھینچ کر دور لے گئے تھے۔

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

☆☆

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

"مجھے ابھی تک یاد ہے وہ رات جس رات سے ہی یہ ساری کہانی شروع ہوئی تھی۔ جس رات مجھے یار دوستوں کے ساتھ فلم دیکھنے جانا تھا بمطلب ہمارا کئی دنوں سے یہ منصوبہ بن کر پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ پا رہا تھا اور اس ناکامی کی وجہ بھی میں ہی تھا کہ میں باوجود کوشش کے فلم کے ٹکٹ کے پیسے حاصل کرنے میں ناکام رہا تھا مگر میں اپنے دوستوں کو اپنے بغیر فلم دیکھنے کی اجازت بھی نہیں دے پا رہا تھا، پچھلے تین ہفتوں سے ہر ہفتے کی رات ماجد کے گھر کے لان میں سب جمع ہو کر ایک اسی فلم کو سنیما میں چل کر دیکھنے کا منصوبہ بنتے سرے سے بناتے کہ میں ان کو یقین دلاتا کہ اگلے ہفتے تک تو میں ضرور پیسے کا بندوبست کر ہی لوں گا۔

اتفاق سے اس زمانے میں سارے ہی دوست کنوارے اور بے روزگار تھے لہٰذا کسی کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ میرا ٹکٹ بھی خرید لے اور اگر کوئی کبھی ایسا مجھے اشارہ دیتا بھی تو میں صاف منع کر دیتا کیونکہ میں اچھی طرح ان سب کے متوسط طبقے کے والدین کی سفید پوشی سے واقف تھا۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ ان سب کے والدین مجھے بے حد چاہتے تھے بلکہ ماجد کی والدہ تو ہمیشہ مجھے کھانا کھلا کر بھیجتی تھیں اور میں جانتا تھا کہ ماجد اگر میرا نام لے کر ان سے اضافی رقم مانگے گا تو وہ کبھی انکار نہیں کریں گے مگر میں نے دوستی یاری میں کبھی بھی پیسوں کے لین دین تک نوبت نہیں آنے دی تھی خیر.....

میرے ہاتھ میں دبے اس کے دائیں ہاتھ نے ہلکی سی جنبش کی تھی شاید وہ ہوش میں آنے والی تھی ڈاکٹر نے یہی بتایا تھا کہ وہ اب کچھ ہی دیر میں ہوش میں آجائے گی یا پھر بے ہوشی میں وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی تھی۔ میں نے جھک کر اس کے خراش بھرے چہرے کی طرف دیکھا، وہ چہرہ پرسکون فرشتوں جیسی مسکراہٹ لیے بالکل نہیں تھا بے ہوشی میں بھی اس کے چہرے سے اس کی تکلیف عیاں تھی.....اور اس کو تکلیف میں دیکھ کر مجھے بے حد دکھ کا سامنا تھا ایک بار پھر ان لفنگوں پر شدید غصہ آنے لگا جو میرے للکارنے اور قریب آنے پر اپنا شکار ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر اسے بلاوجہ ہی پیچھے کی طرف گہری کانٹوں سے بھری اندھیری کھائی میں دھکا دے کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے مجھے کھائی میں جا کر اسے باہر نکالنے میں خود بھی کافی خراشیں آئی تھیں مگر میں ہوش وحواس میں اندر اترا تھا جبکہ اسے دھکا دینے سے پہلے بھی لفنگوں نے شاید کافی تنگ کر دیا تھا۔"

اصولی طور پر مجھے ابھی اسے کسی بھی طرح کی جسمانی یا ذہنی تکلیف سے بچانا چاہیے تھا مگر میں آج اس سے سب کچھ کہنا چاہتا تھا آج ہی کے دن اسے ساری حقیقت بتا دینے پر تلا ہوا تھا۔ میں پھر گویا ہوا۔

"تو پھر اس رات حد ہو گئی تھی۔ سب نے یک زبان ہو کر بہت ہی بے مروتی سے مجھے لال جھنڈی دکھا دی تھی کہ اب اس ہفتے بھی نہ جائیں گے تو فلم ہی اتر جائے گی وہ سب مجھے پیسوں کا بندوبست کرنے کا کہہ کر چلے گئے تھے اور یہی بتایا تھا کہ وہ آخری وقت تک میرا انتظار کریں گے تاکہ ٹکٹ خریدتے وقت ہم سب ایک ہی قطار میں بیٹھ سکیں۔ میری ہی طرح وہ سب بھی کنگلے تھے مگر ان کے والدین پھر بھی ان سب کو کچھ نہ کچھ جیب خرچ دیتے ہی تھے مگر میں..... میرا کون تھا..... مجھے تو بچپن نے ہی گھر کے باہر والا کمرا دے دیا گیا تھا کہ میری دوسری امی جان کے آرام میں خلل نہ پڑے۔

مجھے ٹھیک سے یاد نہیں کہ میں نے ایسا بابا جانی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا کہ ان کی میری طرف سرد مہری روز بروز بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ اب وہ میری شکل تک سے بے زار تھے۔ بس اتنی مہربانی کی انہوں نے کہ میرے اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی فیس باقاعدگی سے انتظامیہ کو بھجوا

دیتے تھے تو شکر ہے کہ میں پڑھ تو گیا۔ میں نے اپنی مدد آپ کے تحت ٹیوشن بھی پڑھائی.....اور اسی سے میرا روز کا خرچہ نکلتا تھا۔ دیکھنے والوں کو لگتا کہ بڑے باپ کا لڑکا ہے اتنے بڑے گھر میں آرام سے بالکل الگ تھلگ کمرے میں رہتا ہے اس کے پاس کیا کچھ نہیں ہو گا لہٰذا کچھ لوگ تو ٹیوشن فیس دینے میں کاہلی دکھاتے اور اکثر تو مجھے اپنے گھر کے مشکل حالات بتا کر فیس مار لیتے تھے۔ لہٰذا ان دنوں یہی میرے ساتھ ہو رہا تھا۔

مجھے امید تھی کہ پچھلے دنوں جس نالائق بچے کا میٹرک میں میرے ٹیوشن پڑھانے کے باعث نوے فیصد نتیجہ آیا ہے اس کے ماں باپ مجھے نہ صرف بلا کر شاباشی دیں گے بلکہ پچھلے چار ماہ سے روکی ہوئی فیس بھی جھٹ سے ادا کر دیں گے کس کو معلوم تھا کہ ان کا یہ لڑکا جو کم عمری میں ہی سگریٹ اور لڑکیوں سے عشق عاشقی میں لگ گیا تھا ایک میرے پڑھانے سے اس قدر اچھے نمبر لے لے گا۔ مگر نہیں بھئی لڑکے نے ایک دن مجھے ویسے ہی کرکٹ کھیلنے جاتے ہوئے راہ میں مل کر اپنا رزلٹ بتا دیا تھا اور میں چاہ کر بھی اس کو اپنی فیس ادا کرنے کا نہیں کہہ سکا تھا۔

اسکولوں کی چھٹیاں تھیں اور چھٹیوں میں ویسے ہی ٹیوشن پڑھانے والوں کی بھی چھٹی کر دی جاتی ہے۔ لہٰذا میں بہت ہی لاچارگی، بے کسی اور بے بسی کے حالات سے دوچار تھا۔ چاروں دوستوں کو ایک ہی بائیک پر جڑے بیٹھ کر سینما کی طرف روانہ ہوتے دیکھ کر کچ پوچھو میرا دل مکمل طور پر ٹوٹ گیا تھا۔ تم یقین کرو کہ اگر میرے پاس پیسے ہوتے تو اسی بائیک پر مجھ پانچویں کی بھی جگہ بن جاتی مگر وہ چاروں ایک میرے نہ ہونے سے بائیک پر اس قدر کھلے کھلے بیٹھ کر گئے کہ مجھے اس بات کا بھی شدید قلق ہوا تھا۔

میں نہایت ہی نا امیدی، مایوسی اور شکستہ حالت میں یوں ہی بے مقصد گھومتا پھرتا تمہارے گھر کی طرف آ نکلا۔

تمہارا چھوٹا آٹھ نو سالہ بھائی باہر کسی بات پر اپنے دوست یا دشمن سے شدید جنگی حالات میں گتھم گتھا زمین پر ٹوٹ رہا تھا۔ میں نے جا کر جلدی سے دونوں کو الگ کیا اس کے دوست کو آنکھیں دکھائیں اور اسے کان سے پکڑ کر تمہارے دروازے پر آ گیا۔ بیل بجانے پر تمہاری امی آئی تھیں، میں نے ان کو سارا احوال بتایا تو پہلے تو انہوں نے تمہارے بھائی کو سخت سنایا اور پھر مجھے شکریہ ادا کر کے گھر کے اندر آنے کا کہا..... میں جانتا تھا کہ تمہاری امی مجھے اچھی طرح جانتی ہیں میں نے تمہارے والد کو ایک زمانے میں ان کی دکان کے آڈٹ میں کافی مدد کی تھی اور اس زمانے میں تمہارے گھر اکثر آیا کرتا تھا، میں نے تمہارے والد کی مدد بالکل مفت کی تھی جس کے باعث تمہاری امی میرے کھانے پینے اور چائے پانی کا بے حد خیال رکھتی تھیں مگر پھر تمہارے والد کا ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا اور ان کی کپڑوں کی دکان بند کر دی گئی اس کے بعد تمہارا بڑا بھائی دبئی چلا گیا تھا اور وہی تم لوگوں کا خرچہ پورا کرتا تھا۔

میں سوچتا ہوں اس رات اگر میں تمہارے گھر داخل نہ ہوتا تو میری یہ غلط فہمی ہمیشہ قائم ہی رہتی۔ تمہاری امی مجھے بیٹھک میں بٹھا کر اندر گئی ہی تھیں کہ تم اپنی کچھ سہیلیوں کے ساتھ آ گئیں۔ بعد میں پتا چلا تھا کہ وہ تمہاری سہیلیاں نہیں تمہارے ساتھ کام کرنے والی کچھ تمہاری ہم جولیاں تھیں کہ بڑے بھائی کے ساتھ تم بھی گھر کے لیے کمانے جایا کرتی تھیں۔ بیٹھک کے علاوہ گھر کے اندر جانے کا کوئی اور راستہ نہ تھا اس سے گزر کر ہی گھر میں داخل ہوا جاتا تھا لہٰذا میرا اور تمہارا سامنا ہونا ہی تھا۔

تمہاری ہم جولیوں کو شاید باتھ روم جانا تھا لہٰذا وہ سب کی سب اندر چلی گئیں جبکہ تم مجھ سے بہت خوش اخلاقی سے پیش آئیں اور مجھ سے میری

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

حالیہ نوکری تلاش کرنے کے سلسلے میں بات کرنے لگیں ـــــــ اس کے بعد ہی سب سے خطرناک کام ہوا۔ تمہاری ہم جولیاں واپس آئیں تو تم ان کو دروازے تک چھوڑنے چلی گئیں اور ذرا سے آنے جانے میں نجانے تمہارے دماغ میں کیا سمایا کہ تم نے اپنا پرس بالکل میرے سامنے رکھی میز پر رکھ دیا۔

دنیا کی شاید ہر لڑکی کی طرح تم سب کو بھی گھر کے دروازے پر پہنچ کر بہت کچھ یاد آگیا تھا اور اسی دوران میں اپنی کاروائی آرام سے کر گیا حالانکہ مجھے امید بالکل نہیں تھی کہ یوں کسی متوسط طبقے یا سفید پوش خاندان کی لڑکی کے پرس میں دس ہزار بھی ہوں گے۔ میں نے سکون سے تین ہزار نکال کر پرس ویسے ہی رکھ دیا اور تمہارے واپس آتے ہی تمہاری امی کو چائے کی زحمت سے بچانے کا بہانہ بنا کر باہر نکل آیا۔"

میں نے سانس لینے کی خاطر سامنے دیوار پر نصب ٹی وی جیسے اسکرین پر اوپر نیچے ہوتے دو تین نقطوں کو دیکھا یہ اس کے دل سے جڑی مشین جو بہت ہی مدھم آواز کے ساتھ اس کے دل کے دھڑکنے کی رفتار بتا رہی تھی۔ میں ایک خیال سے مسکرا گیا۔

" اگر اس دن تم یہی مشین میرے دل سے لگاتیں تو یقیناً میرے دل کی رفتار اور دھڑکن کی تیز آواز تم کو حیران کر دیتی۔ مجھے اس دن پہلی بار اندازہ ہوا تھا کہ آپ کا دل آپ کو اس قدر پریشان بھی کر سکتا ہے کہ آپ قدم اٹھاتے ہیں سانس لیتے ہیں راستے پر چل رہے ہیں مگر یہ دل ہے کہ با آواز بلند آپ کی چوری کی داستان آپ کے دماغ میں گونج کی صورت بتاتا چلا جا رہا ہے۔ شکر ہے کہ یہ دل اپنے ہی جسم کے کانوں تک اپنی بات پہنچا سکتا ہے اگر اسے بھی باقاعدہ زبان ملی ہوتی اور یہ تیز اور اونچے لہجے میں باتیں کر سکتا ہوتا تو سوچو کس قدر فساد ہوتے۔"

میں نے ہمیشہ کی طرح اپنے بے ڈھنگے پرانے گھسے پٹے جملے پر بھی اس سے داد چاہی اور اس کی خاموشی سے بے حد مایوس ہوا۔ اسے اب تک جاگ جانا چاہیے تھا۔

"مجھے سینما پہنچنے میں دیر ہو چکی تھی میرے دوست اندر جا چکے تھے لہٰذا ہم منصوبے کے مطابق ایک ساتھ ایک قطار میں نہ بیٹھ سکے حالانکہ مجھے باآسانی ٹکٹ مل گیا بلکہ میں نے اپنے لیے فلم کے انٹرویل میں برگر اور کولڈ ڈرنک بھی خرید لی مگر پتا نہیں کیوں میرا دل فلم میں نہ لگ سکا۔ خدا گواہ ہے جب جب ہیرو نے ولن کی ٹھکائی لگائی مجھے ولن کی ساری تکلیف اپنے جسم پر محسوس ہوتی ہیروئن کے باپ نے بے چاری پر جو بھی ظلم ڈھائے مجھے لگا یہ سارے ظلم میں تم پر ڈھا رہا ہوں۔

اس سے پہلے میں نے کبھی تم کو اس قدر بھرپور نہیں سوچا تھا اور اسی سوچنے میں مجھے معلوم چلا کہ تم اپنی ہم جولیوں کے درمیان کس قدر نمایاں کس قدر جاذب شخصیت کی لگ رہی تھیں۔ تم کتنی مترنم آواز میں ہنستی ہو اور ہم جولیوں سے باتوں کے دوران تم جس قدر شوخ چنچل بن گئی تھیں اسی قدر مجھ سے بات کرنے کے دوران تم مکمل مشرقی شرم و حیا کا پیکر سنجیدہ اور بردبار لڑکی لگ رہی تھیں۔ میں نے کسی طرح فلم مکمل کی اور اپنے دوستوں کے ساتھ بائک پر جانے کے بجائے اکیلے پیدل ہی گھر کے لیے نکل کھڑا ہوا ...... اور میں اس دن بہت پیدل چلا تھا کیونکہ سینما میرے گھر سے بہت فاصلے پر تھا اور راستے بھر میں نے خود کو بہت زیادہ لعنت ملامت کی تھی اور خود سے پکا وعدہ کر لیا تھا کہ اب تو جو کرنا تھا کر چکا مگر کچھ بھی ہو کبھی نہ کبھی میں تم کو یہ رقم لوٹا دوں گا۔

رات گئے گھر پہنچ کر میں تھک کر بستر پر گر پڑا اور ٹانگوں میں بے پناہ درد کے باوجود مجھے اسی وقت ایک عجیب طرح کی سرشاری، خود مختاری اور طاقت سے محسوس ہوئی۔ مجھے اسی دن پتا چلا تھا کہ

آج تک ہماری کتب نے ہمیں حلال و حرام کی بہت سی غلط سلط تفصیلات سکھائی ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ محنت کے بغیر اگر تین ہزار بھی مل جائیں ناں تو اس سے حاصل ہونے والی دلی طمانیت، سکون و سرشاری کا حلال کمائی کے دس ہزار سے مقابلہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ حلال کما کر آپ کو کیا ملتا ہے؟ ٹھوکریں، لوگوں کی چالاکیاں، چھوٹے دلوں کی کنجوسی...... بھاگ بھاگ کر لوگوں کے آگے سجائے جانے والے اشتہا انگیز کھانوں کی خالی پلیٹیں اٹھاتے کبھی اس بیرے سے پوچھو جس کو بل کی ادائیگی کے وقت ٹپ کے نام پر صرف دس روپے دیے جاتے ہیں اور کبھی کبھی تو وہ بھی نہیں دیے جاتے۔ حلال کمائی پر دینے والے لوگوں کی کیسی کیسی گندی بدنیت لگی ہوئی ہوتی ہے جبکہ حرام کمائی۔ اس کے لیے دینے والا آپ کے پاس خود چل کر منت سماجت کر کے آپ کی اندرونی جیبوں میں محبت و اپنائیت سے بھر کے جاتا ہے تو تم بتاؤ حلال کمائی اچھی ہوئی یا حرام؟"

اس کے ہاتھ نے ایک بار پھر میرے ہاتھ میں جنبش بھری تھی اور میں سنبھل گیا۔

"ہاں جانتا ہوں تم تو حیران ہو رہی ہو گی میری باتیں سن کر تمہیں تو یہی لگتا ہے ناں کہ میں ناکام ہی اسی وجہ سے ہوں کہ مجھے حلال حرام کا بہت واضح فرق معلوم ہے تب ہی تو میرے ہر انٹرویو کی ناکامی پر تم مجھے مٹھائی کھلایا کرتی تھیں کہ میں نے بہت ہی بہادری سے صرف سیدھے راستے پر چل کر نوکری حاصل کرنا چاہی تھی اور نہ ملنے پر افسوس نہیں خوشی منانی چاہیے کہ مجھے غلط طریقوں سے نوکری حاصل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے بچا لیا ہے۔

تمہاری ایسی دوستی محبت انسیت کے لیے میں تمہارا کبھی شکریہ بھی ادا نہ کر سکا یہ بھی عجیب بات لگتی مجھے کہ جس کے پرس سے ایک بار نہیں کئی بار میں نے پیسے چرائے تھے اس ہی لڑکی سے دوسری طرف مجھے میرے اپنے تکلیف دہ دنوں میں آگے بڑھنے کے لیے ہمت افزائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ الگ بات کہ اس رات کے بعد میں کتنے ہی دن تمہاری گلی میں جانے سے ڈرتا رہا تھا پھر ایک شام مجھے اسی طرح روپوں کی شدید ضرورت پڑ گئی دراصل مجھے ایک بہت ہی اچھی کمپنی سے بہت بڑی پوسٹ کے انٹرویو کے لیے بلایا گیا تھا اور مجھے لگتا تھا کہ اس انٹرویو میں نیا ٹراؤزر نہ سہی مگر کم از کم مجھے شرٹ تو نئی ہی پہن کر جانی چاہیے۔

میں اپنے اس وکیل دوست کے پاس گیا جس کے حالیہ ایک بڑے قانونی کیس کے دوران میں نے اس کے کیس کو مضبوط کرنے کے لیے بہت اچھی ریسرچ کر کے اس کے کیس کی تیاری کروائی تھی، وکیل دوست تو سارا وقت گھومتا رہتا جبکہ میں لائبریری کی خاک چھانتا رہتا اور پھر وکیل دوست وہ بڑا کیس باآسانی جیت گیا مجھے معلوم تھا کہ اس نے اپنے کلائنٹ سے بھاری رقم فیس کے طور پر لی تھی اور ہم دونوں کے درمیان زبانی یہ معاہدہ ہوا تھا کہ وہ مجھے فیس ملتے ہی آدھی رقم دے دے گا مگر کئی دنوں میں اس سے ملنے کی کوشش کرتا رہا تھا مگر وہ ہمیشہ مجھے جل دے جاتا یہ آنکھ مچولی چل رہی تھی کہ مجھے تمہاری امی کا پیغام ملا۔

تمہارا بڑا بھائی دبئی سے آیا ہوا تھا اور اسے تمہارے مرحوم والد کی دکان کے اکاؤنٹس کی کچھ معلومات درکار تھیں۔ مجھے تو یہی لگا کہ یہ کوئی چال ہے تمہارا بھائی آیا ہوا ہے اور تم نے سوچا ہو گا کہ اب اپنے بڑے بھائی سے میری پٹائی لگوانے کا اچھا موقع ہے مگر میں چاہ کر بھی انکار نہ کر سکا دراصل میں خود بھی چاہتا تھا کہ میں ایک بار پیسے لوٹانے کی بات کر کے اپنے سر سے تمہارے پیسے چرانے جیسا احساس جرم ختم کر سکوں۔

بہت سے ڈائیلاگ سوچ کر نکلا تھا کہ اگر تم نے یا تمہارے بھائی نے مجھ سے باز پرس شروع

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

کی بھی تو میں چوری کا اعتراف کر کے پیسے لوٹانے کا فوراً اطمینان دلا دوں گا۔ حیرت انگیز طور پر ایسا کچھ نہ ہوا میں پہنچا تو معلوم چلا کہ بڑا بھائی ابھی ابھی کہیں نکلا ہے لہٰذا میں اسی طرح بیٹھک میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا تم اسی طرح مگر اکیلی گھر میں داخل ہوئیں میں تم کو اچانک دیکھ کر گڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا مگر تم نے اپنے رویے سے مجھے بالکل بھی احساس نہیں ہونے دیا کہ تم میری چوری سے واقف ہو مجھے تھوڑی حیرت بھی ہوئی کہ دس ہزار میں سے تین ہزار کم ہو جانے کو فوراً ہی بھانپا جا سکتا ہے مگر تم نے مجھ سے اس قدر معمول کے مطابق باتیں کیں کہ ایک دو جملوں کے تبادلے پر ہی مجھے اطمینان ہو گیا کہ تمہیں میری چوری کا کچھ معلوم نہیں چلا ہے بس زیادہ حیرت اس وقت ہوئی جب تم نے اپنا پرس اسی طرح میرے سامنے رکھ کر سیدھے باورچی خانے جا کر میرے لیے چائے لانے کا کہا۔

اب سوچ کر ہنسی آ رہی ہے میں کس قدر بے بے وقوف ہوں اس وقت یقین کرو مجھے یہی لگا کہ مجھے تم نے نہیں بلکہ میری قسمت نے ایک اور سنہری موقعہ دے دیا ہے میں نے اطمینان سے اسی طرح تمہارے پرس سے تین ہزار نکال لیے۔ جس میں اس بار پھر سامنے ہی دس ہزار رکھے صاف نظر آ رہے تھے بعد میں مجھے پتا چلا کہ تم جس گارمنٹ فیکٹری میں بطور شفٹ انچارج کام کرتی تھیں وہاں سے ہر ہفتے کی رات تمہیں پورے ہفتے کی تنخواہ ملا کرتی تھی۔ دس ہزار جس میں سے تین ہزار اکثر میں لے لیا کرتا تھا۔

خود سے یہی وعدہ کرتا کہ یہ پیسے میں جلد لوٹا دوں گا پہلے تو میں باقاعدہ اپنی ڈائری میں تمہارے پرس سے چرائی گئی رقم لکھتا رہا تھا مگر پھر میرا دل اچاٹ ہو گیا اور وہ حساب کتاب بھی کہیں گم ہو گیا۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ ساتھ یقیناً تمہاری امی کا بھی اس سب میں بڑا ہاتھ ہے شاید تم دونوں ماں بیٹی نے میری اسی طرح مدد کرنے میں ہی عافیت سمجھی کہ میں کسی بھی طرح کھلم کھلا مدد نہ لیتا تھا مگر پھر مجھے تم سے یہ شکایت ہے کہ کم از کم مجھے دوست تو نہ بناتیں مجھ سے ہر انٹرویو کی بابت باز پرس کرنے کے لیے مجھے چھوٹے بھائی سے شام کو گھر پر آنے کے پیغامات تو نہ بھجواتیں اس قدر میری ہمت تو نہ بندھاتیں۔

مجھے آگے بڑھنے اور اچھی امید پر قائم رہنے کی تلقین تو نہ کرتیں بلکہ مجھ سے غیریت برت کر مجھے دیکھتے کے ساتھ ہی اگر تم منہ موڑ کر چلی جایا کرتیں تو شاید تمہارے پرس سے پیسے چراتے مجھے اس قدر احساس جرم نہ ہوتا اور نہ ہی میں اس قدر کھلے دل ہونے کا ہی رسک لے سکتا مجھ سے اس کے بعد اور بھی لوگوں نے کتنے ہی ادھر ادھر کے کام کروائے ہیں میرا وکیل دوست تو ابھی بھی مجھ سے ہی اپنے تقریباً سارے کیس کی تیاری کرواتا ہے مجھے اب گئی ایک کمپنیاں اپنے ہاں آڈٹ سے پہلے بلا کر ان کے کاغذات اور اخراجات کی رسیدوں کو ٹھیک کرنے جیسے کام لیتی رہتی ہیں ہر کوئی معاوضے کی رقم تو بتاتا ہے کہ اتنی دیں گے مگر یہ نہیں بتاتا کہ کب دیں گے اگر مجھے تم سے امید نہ بندھ گئی ہوتی تو شاید میں بھی تو ان سب سے اپنی حق حلال کی کمائی کو میرے حوالے کرنے کا مطالبہ کر ہی سکتا تھا۔

اب یہی پرسوں کی بات دیکھ لو۔ مجھے ایک بار پھر سے انٹرویو میں جانا تھا اور ہمیشہ کی طرح میرے پاس پیسے نہیں تھے۔ مگر اس بار میں ذرا سا بھی پریشان نہ ہوا تھا نہ ہی اپنے وکیل دوست کے گھر کا چکر لگایا نہ ہی کسی کمپنی کے اکاؤنٹنٹ کو ہی فون کیا بلکہ بہت سکون و اطمینان سے تمہارے گھر پہنچ گیا۔ اب تو تمہارا پرس مسلسل ہی بیٹھک میں رہنے لگا تھا۔ تمہارا چھوٹا بھائی اندر جا کر تمہیں اطلاع دینے گیا ہی تھا کہ میں نے بہت ہی اعتماد سے تمہارے پرس کو کھول کر سامنے ہی رکھے دو ہزار نکال لیے آج ہفتہ نہیں تھا ناں۔ ساتھ

ہی ایک لال رنگ کا لفافہ بھی تھا جس میں اکثر کسی تقریب میں سلامی کی رقم رکھ کر دی جاتی ہے۔ میں نے سکون سے لفافہ نکال کر پڑھا ایک کونے پر شادی ہال کے پتے کا کارڈ بھی چسپاں تھا۔ اور اوپر کے بائیں کونے پر تمہاری لکھائی۔ بہت واضح صحیح مگر اس میں الگ طرح کا گنجلک پن ہوتا ہے تمہارے لکھے ہوئے الفاظ کو بالکل واضح مگر ایک دوسرے سے مکمل طور پر جڑے ہوئے دیکھنا مجھے بے حد بھاتا تھا لہٰذا میں نے اس لفافے کو بھی اپنی جیب میں منتقل کر لیا تھا۔

چند ہی لمحوں بعد تم متانت و پروقار طریقے سے تیار ہو کر سہیلی کی شادی میں جانے کے لیے بیٹھک میں آئیں کہ تمہیں اس وقت اپنی ایک دوست کی گاڑی کا انتظار تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ تم نے مجھے دیکھ کر بھی باہر نکلنے سے پہلے اپنا پرس کیوں نہیں دیکھا یا تم واقعی بھول گئی تھیں کہ میں تو آتا ہی اسی لیے ہوں یا تمہیں یہ امید تھی کہ میں تمہارے لیے تمہارے پرس میں کم از کم آج کے دن تو کچھ رقم چھوڑ ہی دوں گا یا تمہیں یہی خیال تھا کہ واپسی پر بھی تمہاری دوست ہی تمہیں گھر چھوڑے گی اور تم پیسوں کے ہونے یا نہ ہونے سے بالکل بے پرواہ تھیں یا تم مجھے شرمندہ کرنے کے ڈر سے سب کچھ جان بوجھ کر بھی سہہ گئیں چلو یہ بھی مانا کہ واپسی پر تم کو دوست کی گاڑی میں نہیں بلکہ کچھ دوسری سہیلیوں کے ساتھ انٹرنیٹ سے گاڑی بک کروا کر گھر آنا تھا تو بھئی اس میں کیا مسئلہ تھا تم گھر پہنچ کر اپنی والدہ سے بھی تو پیسے لے کر گاڑی والے کو دے سکتی تھیں ناں۔ مگر در اصل تم مجھے سزا دینا چاہتی تھیں۔

تم نے پرس میں لفافہ تک غائب دیکھ کر مجھے اسی وقت سزا دینے کا سوچ لیا تھا، جان بوجھ کر رات گئے اکیلے گھر جانے کی غلطی تم جیسی سمجھ دار بردبار اور خوب صورت لڑکی سے ممکن ہی نہیں ہے کہ سرزد ہو سکے۔ تم نے شادی میں بہت سے قہقہے لگاتے خوش باش چمکتے دمکتے ایک دوسرے پر محبت سے نثار ہوتے چہروں کے درمیان میرے زرد خوفناک اور کریہہ چہرے کو یاد کر کے بے حد مایوسی سے سوچا ہوگا کہ ٹھیک ہے مجھے تمہاری پرواہ نہیں تو پھر نہ سہی۔

بے وقوف لڑکی! تم نے ایسا سوچا بھی کیسے کہ مجھے تمہاری پرواہ نہیں ہے۔ میں تو گھر پہنچ کر ہی الٹے قدموں تمہیں لینے شادی ہال پہنچ گیا تھا اور پھر یہ معلوم چلنے پر کہ تم کسی کو بغیر بتائے چلی گئی ہو بالکل پاگلوں کی طرح تم کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ اگر میں وہاں عین وقت پر نہ پہنچتا تو شاید وہ لفنگے تمہیں جھاڑیوں بھری کھائی میں بھی نہ پھینکتے مگر..... اور اس مگر کے بعد میں بالکل نہیں سوچ پاتا ہوں۔ اچھی سزا دی ہے تم نے جیسے ایک دم میری آنکھیں کھول دی ہیں۔

پرسوں رات جیسے ہی میں تمہیں ہسپتال لے کر آیا یہاں پر تمہارا علاج شروع کرنے سے پہلے ہی پیسوں کا تقاضہ ہونے لگا تمہاری امی تمہارے بڑے بھائی سے رات گئے فون کر کے تمہارے علاج کے لیے پیسے مانگ رہی تھیں اور میں تمہیں معلوم ہے میں نے کیا کیا؟ میں نے سر پر سفید پٹی باندھی اور نکل گیا ہر اس شخص کے پاس گیا جس پر میرا حساب نکلتا تھا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی میرے سر کی سفید پٹی تھی یا میرے مزاج کا کھردرا پن کہ میں نے جس سے بھی اپنی رقم طلب کی تقریباً سب نے ہی مجھے فوراً دے دی اور جنہوں نے نہیں دی انہوں نے وعدے کے مطابق کل صبح مجھے خود پہنچائی۔

میں نے تمہاری امی کو تمہارے بڑے بھائی سے پیسے مانگنے سے منع کر دیا مجھے تو ویسے بھی تم سے چرائی گئی ایک ایک پائی لوٹانی تھی تو چلو یوں ہی سہی، بس اتنا ہے، اتنا ہے کہ میں اب جان گیا ہوں تم سے رقم چراتے چراتے میں دراصل خود کو کھو دے بیٹھا ہوں۔ بلکہ تم چاہو تو یہ بھی کہہ سکتی ہو کہ تمہاری سزا سے ڈر گیا ہوں۔ اب میں تم کو تمہاری امی سے ہمیشہ کے لیے چرا لینا چاہتا ہوں کیونکہ اب مجھے رقم چوری کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی مجھے نوکری مل گئی ہے۔

☆☆

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

شاہین قمر

قرینۂ زندگی

باس کا پہلا دن ہے۔ اب میں یہ شرٹ پہن کر آفس جاؤں گا۔" اس نے چلاتے ہوئے کہا۔

"میں ابھی لگا دیتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے دراز سے سوئی دھاگے اور بٹنوں کا بکس نکالا اور جلدی سے بٹن ٹانکنے لگی۔

تبھی اسے تھمائی کمرے کی طرف علی کے رونے کی آواز آئی۔ ان کا گیارہ ماہ کا بیٹا، جسے وہ کچن میں جانے سے پہلے ہی اماں کے کمرے میں چھوڑ گئی تھی کہ احمر

"صبا۔" آواز اتنی زوردار تھی کہ کچن میں اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ گرتے گرتے بچا۔ جلدی سے کپ ناشتے کی ٹرے میں رکھا اور ناشتہ میز پر رکھ کر کمرے کی طرف بھاگی، جہاں احمر اپنے نام کی طرح غصے سے سرخ ہوا جا رہا تھا۔

"کیا ہوا اب؟" صبا نے قدرے بے زاری سے پوچھا۔

"یہ دیکھو! شرٹ کا بٹن ٹوٹا ہوا ہے۔ آج نئے کے چلانے سے اس کی نیند خراب نہ ہو مگر روز کی طرح وہ اٹھ کر رونے لگا تھا۔

احمر کی آواز تو دس گھر سنتے تھے، بھلا ایک چھوٹا سا بچہ جو اسی گھر میں ہو، وہ کیسے بچ سکتا تھا۔

"آپ کا ناشتہ ٹیبل پر ہے۔" وہ اسے بتاتی ہوئی اماں کے کمرے کی طرف بھاگی اور اماں کے ہاتھوں سے علی کو لے لیا۔ یہ بھی اماں کی اچھائی تھی کہ وہ علی کو سنبھال لیتی تھیں اور وہ گھر کا کام کر لیتی۔ علی جو بھی نیند سے اٹھتا تھا، جب ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ وہ اسے گود میں لیے ٹہل رہی تھی۔

ایک دفعہ پھر احمر کی دھاڑ موصول ہوئی تو اس نے اماں کی طرف دیکھا۔ جنہوں نے آنکھوں میں ندامت لیے کہا۔

"تم بچے کو مجھے دو اور اسے پہلے آفس کے لیے روانہ کر دو۔"

صبح صبح اتنی اعصابی مشقت نے اس کے جسم سے جان کھینچ لی تھی۔ پھر بھی وہ تیزی سے کمرے کی طرف گئی۔

احمر کمرے کے بخیے ادھیڑ چکا تھا۔ کوئی چیز اپنی جگہ پر نہیں تھی۔ تمام درازیں باہر تھیں اور ان کا سامان کچھ اندر، کچھ باہر پڑا تھا۔ بیڈ حال سے بے حال، ڈریسنگ ٹیبل پر موجود آدھی سے زیادہ چیزیں نیچے گری تھیں۔ ان میں سے ایک اس کی گھڑی تھی جو اس کے بابا نے اسے شادی پر تحفے میں دی تھی۔ اس کے شیشے پر استعمال کی وجہ سے نشان پڑ گئے تھے۔ اس نے سوچا تھا کہ صبح احمر کو دے گی کہ آتے ہوئے اس کا شیشہ بدلوا لائے مگر اب وہ ریزہ ریزہ ہوئی پڑی تھی۔

ایک نگاہ میں اس نے کمرے اور گھڑی کا حال دیکھ لیا۔ احمر نے اس کا چہرہ دیکھا تو پھر سے چیخا۔

"میں ضروری فائل اسٹڈی کے لیے لایا تھا مگر وہ نہیں مل رہی۔ جہاں تم جیسی پھوہڑ اور بدسلیقہ بیوی ہو، وہاں شوہر ایسے ہی چیزوں کے لیے چلائے گا۔ آج نئے باس کا پہلا دن ہے اور میں لیٹ ہو گیا ہوں۔"

صبا نے تکیہ ہٹایا تو وہاں پر نیلے رنگ کی فائل نظر آئی۔ احمر کی عادت تھی کہ وہ رات کو جو کچھ پڑھتا یا

کوئی فائل دیکھتا، اسے تکیے کے نیچے گھسا دیتا تھا۔ احمر نے صبا کے ہاتھ سے فائل جھپٹی اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

صبا نے تھکی تھکی نظر کمرے اور بکھرے سامان پر ڈالی کہ اب اسے یہ سب سمیٹنا تھا۔ سارے گھر میں صرف کچن ایسی جگہ تھی جہاں احمر پاؤں دھرنا گناہ سمجھتا تھا۔ اس کے نزدیک یہ بیوی کی ذمہ داری تھی کہ وہ کچن سے متعلقہ ہر کام کرے۔ خود سے پانی پینا بھی اس کے لیے حرام تھا۔

احمر تین بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ بڑی بہنیں اس سے اس قدر پیار کرتی تھیں کہ اس کا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرتیں۔ ان کا بس چلتا تو گلاس تھام کر خود پانی پلاتیں یا نوالے بنا بنا کر اس کے منہ میں ڈالتیں۔

اس والہانہ محبت نے احمر کو دوسروں پر انحصار کرنے کی حد سے زیادہ عادت ڈال دی تھی اور اب یہ سب صبا کے لیے ہینڈل کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ بہنیں تو بیاہ کر سسرال رخصت ہو چکی تھیں۔

اس کی شادی کو دو سال گزر رہے تھے۔ احمر کے ساتھ اس کی ایک بہن کی بھی شادی ہوئی تھی کہ اماں بیٹیوں کو بیاہ کر احمر کا گھر بھی آباد دیکھنا چاہتی تھیں۔ سو بڑی دو بہنوں کی شادی کے بعد انہوں نے احمر اور ثوبیہ کے فرض سے اکٹھے سبک دوش ہونا بہتر سمجھا۔

صبا دو سالوں سے احمر کی لاپروائی اور سخت گفتگو جھیل رہی تھی۔ بہنوں نے اسے بہت نازک مزاج بنا دیا تھا۔ اب صبا، بوڑھی ساس اور چھوٹے بچے سمیت احمر کا پھیلایا ہوا پھیلاوا کیسے سمیٹتی اور کیسے گھر کے کام سرانجام دیتی مگر احمر کچھ بھی سمجھنے کی زحمت نہیں کرتا تھا۔ وہ چیزیں بہت بکھیرتا تھا اور اکثر اپنی چیزیں رکھ کر بھول جاتا پھر ان کی تلاش کے لیے صبا کو پکارتا تھا۔

اب بھی بہت سا کام اس کی راہ تک رہا تھا سو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

آفس کی سیڑھیاں چڑھتے احمر کو آج آفس سے کافی دیر ہوگئی تھی۔ جب وہ اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھا تو دوسری ٹیبل پر فرحان غصے میں فائلوں کا انبار لیے مصروف تھا۔ احمر نے فرحان سے پوچھا۔

"کیا ہے باس آ گئے؟"

"باس نہیں، ملک الموت کہو۔ آتے ہی تمام فائلز کا کام دے دیا ہے۔" فرحان خاصا جلا بھنا بیٹھا تھا۔

احمر نے تمام آفس پر ایک نظر ڈالی تو اسے ہر ورکر کام میں لگا نظر آیا۔ یہاں وہ سینئر اکاؤنٹنٹ تھا اور سیلری بھی ٹھیک ٹھاک تھی۔ کام کے معاملے میں وہ محنتی تھا۔ تھوڑی دیر میں اسے باس نے بلایا اور اس پر ایک تیز نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"میں وقت اور کام کے معاملے میں بڑا اصول پسند ہوں۔ وقت کے معاملے میں تو آپ فیل ہو چکے اور تمام فائلز کا کام مکمل کر لیں۔ میں آپ کو کل تک کا ٹائم دیتا ہوں۔"

"سوری سر، آئندہ ایسا نہیں ہوگا اور کام بھی آپ کو مکمل مل جائے گا۔" احمر نے مستعدی سے کہا۔

"اب آپ جا سکتے ہیں۔" باس نے اسے جانے کی اجازت دی۔ احمر نے اپنی میز پر آ کر چپڑاسی سے اکاؤنٹس کی تمام فائلز لانے کو کہا۔ سارا دن وہ کام میں مصروف رہا مگر پھر بھی کچھ فائلز کی ری چیکنگ رہ گئی تو اس نے وہ فائلز گھر لے جانے کا فیصلہ کیا۔ آفس میں سب ہی سارا دن مصروف رہے تھے۔

اماں دوائی کھا کر اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں اور علی بھی کچھ دیر پہلے سویا تھا۔ صبا ابھی کاموں سے فارغ ہو کر بیٹھی تھی۔ اسے اپنے شادی سے پہلے کے دن یاد آئے، جب وہ اپنے خاندان کی بے حد پھرتیلی اور سلیقہ مند لڑکی سمجھی جاتی تھی۔

وہ اس کی بہن انیلا اور امی ابو تھے گھر میں اور وہ سب کام اس تیزی سے نمٹاتی تھی کہ انیلا کہتی۔

"تم میں تو بجلی بھری ہے پتا نہیں چلتا کہ کام شروع کب ہوا اور کب ختم۔"

سب اہل خانہ سلجھے ہوئے اور اچھی عادتوں کے مالک تھے۔ والدین نے انہیں اچھی تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا تھا۔ نہ صرف وہ خود اچھی عادات کے مالک تھے بلکہ ان بہنوں میں بھی یہ عادات پختہ کر دی تھی۔ صفائی کا خیال، مل جل کر کام کرنا، ایک دوسرے کا احساس کرنا، جب کوئی بیمار ہوتا یا مصروف ہوتا تو وہ ایک دوسرے کا کام کر دیتے اور کام کبھی بوجھ نہ لگتا۔ صبا کو تو یہ محسوس ہوتا تھا کہ گھر کا کام ایک تفریح ایک خدمت اور ایک اچھی سکون دیتی مصروفیت ہے۔ وہ گھر کو سجانے سنوارنے کے کئی کورس کر کے گھر کو سنوارتی رہتی۔

مگر یہاں ہر وقت کام میں لگے رہنے کے باوجود نہ گھر کا کام ختم ہوتا اور نہ گھر میں سکون میسر ہوتا۔ احمر کے غصے اور چلانے کی عادت نے اس پر اس درجہ اثر ڈالا تھا کہ تھکن اس کے تمام وجود پر طاری رہتی وہ علی کے کام پر بھی جھنجھلا جاتی۔ علی کی پیدائش کے بعد تو اس نے کوشش بھی کی کہ کوئی کام والی رکھ لے مگر وہ چند دن احمر کا غصہ سہہ نہ سکی اور آنے سے انکاری ہوگئی۔

ناچار یہ سب کچھ صبا کو خود کرنا پڑتا۔ کھانا، صفائی، برتنوں اور کپڑوں کی دھلائی، وہ کسی کام سے نہیں گھبراتی تھی مگر صرف احمر کے چیخنے چلانے اور چیزیں پھیلانے سے اس کی جان جاتی تھی۔ اس نے احمر کو کئی بار احساس بھی دلایا مگر وہ کہتا۔

"کہ تم کوئی انوکھی عورت تو نہیں ہو جو یہ سب کرتی ہے، میری بہنیں بھی تو تھیں، وہ میرے سارے کام کرتی تھیں۔"

☆☆☆

احمر جب واپس آیا تو کھانا کھانے کے بعد فائلز کا کام لے کر بیٹھ گیا۔ پھر وہ تمام وقت اس میں مصروف رہا۔ رات تک اس نے ایک فائل کے علاوہ تمام کام مکمل کر لیا تھا۔ صبا بھی اس دوران اپنا کام سمیٹ چکی تھی۔ آج اس نے شام کا وقت سکون سے

گزارا تھا۔ اور نہا کر کپڑے بدلے اور میک اپ بھی کیا تھا۔

اماں بھی عرصے بعد گھر کی پرسکون فضا دیکھ کر خوش تھیں۔ علی کو صاف کپڑے پہنا کر اماں کو تھما دیا تھا جو خوش خوش اس سے اپنی ہی باتیں کر رہی تھیں۔

جب رات کو احمر فارغ ہوا تو گھر کا منظر اسے بڑا اچھا لگا۔ تیار بیوی، صاف ستھرا گھر، ہنستا مسکراتا بچہ، اطمینان بھری مسکراہٹ لیے ہوئے اس کی ماں، تو اس کا موڈ بھی بے حد خوش گوار ہو گیا۔ پھر سب نے اچھے ماحول میں کھانا کھایا اور دیر تک باتیں ہوتی رہیں نتیجتاً سب کی آنکھ دیر سے کھلی۔

صبا نے جلدی سے کچن کا رخ کیا۔ احمر نے تیار ہو کر فائلز اٹھائیں اور بغیر ناشتے کے آفس آ گیا۔ آج وہ ٹائم پر آ گیا تھا۔ پھر اسے باس کا بلاوا آیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی بے توجہی کی عادت سے وہ فائلز میز سے گر گئی تھیں۔

صباحت پر کل کی خوش گواری طاری تھی اور صبح بھی احمر کو غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ احمر بغیر ناشتے کے نکل گیا تھا۔ اس لیے آج وہ اس کی پسند کا کھانا تیار کرنا چاہتی تھی۔ اس نے جلدی سے کام سمیٹا اور اماں نے علی کے کپڑے بدلوائے۔ اماں بھی فریش تھیں۔ اس لیے وہ بھی صبا کے ساتھ مل کر کام میں مدد کرانا چاہتی تھیں مگر اس نے پیار سے انہیں منع کر دیا۔

ساری دوپہر لگا کر اس نے کافی اہتمام کر لیا تھا۔ پلاؤ، کباب، رائتہ سلاد اور چکن کڑاہی، یہ سب احمر کے پسندیدہ کھانے تھے۔

شام کو نہا کر اس نے اپنا سب سے اچھا ڈریس پہنا اور اس کا انتظار کرنے لگی۔ دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے مسکراتے ہوئے دروازہ کھولا۔ احمر کا چہرہ سرخ تھا اور اس پر سخت غصہ اور خشونت طاری تھی۔

وہ سیدھا کمرے کی طرف لپکا مگر ٹیبل پر کوئی فائل نہ تھی اس نے صباحت سے کہا۔

"میں کل رات جو فائلز لایا تھا۔ ان میں سے دو امپورٹنٹ فائلز کم ہیں۔" اس سے پہلے وہ تمام کمرے میں فائل ڈھونڈ چکا تھا۔ صبا کی تمام محنت زمین پر پڑی اپنی ناقدری رو رہی تھی۔ صبا نے ایک رنجیدہ نظر کمرے پر ڈالی تھی کہ احمر اس پر چیخا۔

"میں نے پوچھا، وہ فائلز کہاں ہیں؟"

"مجھے کیا پتا، وہ کہاں ہیں؟ آپ لائے، آپ نے رکھیں، آپ نے دیکھیں، اس میں میرا کیا عمل دخل؟ میں نے تو چھوا بھی نہیں۔" صباحت نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

"تم جاہل گنوار، بدسلیقہ اور پھوہڑ عورت ہو۔ تمہاری وجہ سے آج مجھے کتنی ذلت اٹھانا پڑی۔ جو فائلز میں گھر لایا تھا، ان میں سے دو امپورٹنٹ فائلز کم نکلیں اور اسی بات پر باس نے پورے اسٹاف کے سامنے میری انسلٹ کی۔ مجھے غیر ذمہ دار، لاپروا، سخت سست اور نا اہل، کیا کیا نہیں کہا اور اس سب کی ذمہ دار تم ہو۔ اگر تم میری تمام چیزیں سنبھال کر رکھتیں تو آج مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ اب بھی وہ فائلز نہیں مل رہیں۔" وہ اونچی آواز میں اس پر چیخ رہا تھا۔

صبا ایک دم ساکت ہو کر اسے دیکھتی رہی۔ اس کے اندر کیا احساسات تھے وہ نہیں جانتی تھی۔ نجانے کہاں سے ایک طوفانی قوت اسے اپنے اندر بھرتی ہوئی محسوس ہوئی اور وہ احمر کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

اس نے حتی الامکان، اس کا سامنا کرنے سے گریز کیا تھا۔ مگر آج بات اس کی برداشت سے باہر ہو گئی تھی۔

"تم سمجھتے کیا ہو مجھے؟ بے دام لونڈی، کنیز یا کوئی زر خرید خادمہ کہ بیوی کا درجہ تو تم نے مجھے دیا نہیں۔ کیا نہیں کیا میں نے؟ تمہاری کڑوی کسیلی باتیں، غصہ، چیخنا چلانا، سب برداشت کیا۔ پھر اس پر تمہاری لاپروائی اور غیر ذمہ داری بھی۔ اس کے علاوہ اپنی تمام غلطیوں کی ذمہ داری مجھ پر ڈال کر جھگڑا شروع کر دیتے ہو۔ نہ اپنی ماں کا احساس ہے نہ اپنے بچے کا۔

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

ان کو گھر کا سکون اور آرام درکار ہے مگر تمہیں اپنے سوا کوئی نظر ہی نہیں آتا۔

تمہارے لیے تمہاری اپنی ذات اہم ہے۔ میری، اماں اور علی کی ضروریات کیسے پوری ہوتی ہیں؟ گھر کی تمام ذمہ داری مجھ پر ہے۔ سودا سلف، بلز جمع کرانا، خاندان میں ملنا ملانا سب دیکھتی ہوں۔ کوئی بیمار ہو جائے یا گھر کا کوئی کام ہو، تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ کیا اماں کی دیکھ بھال اور علی کی پرورش میری اکیلی کی ذمہ داری ہے؟ کیا یہ گھر صرف میرا ہے؟ تم صرف مہینے کے شروع میں تنخواہ پکڑا کر بے فکر ہو جاتے ہو۔ اس ہفتے علی کو تین دن بخار رہا۔ کیا تمہیں پتا چلا؟ نہیں نا؟"

اس کی آواز کبھی چیخ رہی تھی۔ کبھی غصے سے تیز ہو جاتی، کبھی درد سے رنجیدہ اور کبھی مایوسی سے ہلکی۔

یہ سب آج احمر پر واضح ہو رہا تھا کہ بے حس اور غیر ذمہ دار صبا نہیں بلکہ وہ خود ہے۔ کئی ذمہ داریاں تو وہ اس کو بتائے بغیر ہی، اپنے کندھوں پر لیے ہوئے ہے۔ احمر کا غصہ اس کے آتش فشاں وجود کے آگے کب کا ختم ہو چکا تھا۔ وہ حیرانی سے دیکھ رہا تھا اس عورت کو، جو سر جھکائے، آنکھوں میں آنسو لیے اس کی سب جائز، ناجائز باتیں برداشت کر رہی تھی۔

صبا کی اسی بات نے اس کے حاکمانہ رویے کو پنپنے میں مدد دی تھی اور وہ اس پر بے جا غصہ کرتا۔ مگر آج وہ سب حساب بے باق کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

"تم کہتے ہو کہ میں اس سب کی ذمہ دار ہوں۔ کیا تم نے ایک لڑکی سے شادی کی تھی یا ایک خادمہ کو گھر لائے تھے؟ تم نے کبھی میرے احساسات کو سمجھا نہ کبھی مجھے محبت و توجہ دی۔ کیا میں انسان نہیں۔ جسے گھر کا تحفظ، شوہر کی توجہ و محبت اور سکون چاہیے؟ میں کیا ہوں تمہارے لیے؟ ایک مشین جو تمہارا گھر سنوارے، تمہاری اماں کی دیکھ بھال کرے اور تمہارے بچے کی پرورش بھی کرے۔ اس پر تمہاری بدزبانی اور بے پروائی بھی برداشت کرے۔

نہیں احمر! نہیں، اب میں تھک گئی ہوں اب مجھ میں اتنی سکت نہیں کہ میں اپنی ذات کے پرخچے اڑتے دیکھوں۔ میں کیا تھی اور تمہارے ساتھ نے مجھے کیا بنا دیا۔ ایک شوخ و شنگ، سمجھ دار سلیقہ مند لڑکی سے ایک پژمردہ اور زندگی سے تھکی عورت۔ یہ دیا ہے مجھے تمہاری رفاقت نے۔ اس گھر کی ذمہ داری میری ہی نہیں تمہاری بھی ہے۔ تم مجھ سے اپنا خیال کی توقع رکھتے ہو، کیا یہ توقع میں تمہیں رکھ سکتی؟"

اس کے اندر اتنی گھٹن تھی، جو الفاظ کا روپ دھار کر باہر نکلنا شروع ہوئی تو تھکتی ہی چلی گئی۔ آج احمر خود اس کی عدالت میں کھڑا تھا اور خود کو کچھ بولنے کے قابل نہ پا رہا تھا۔

صباحت نے زور زور سے رونا شروع کر دیا اور پھر ایک دم ہی اس کے حواس، اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور وہ زمین پر گرتی چلی گئی۔ اس کے گرتے ہی احمر اور اماں دونوں اپنی جگہ سے ہلے اور اس کی طرف لپکے۔ اماں ان کے جھگڑے کی آواز سن کر کمرے کی طرف آئی تھیں مگر صباحت کو بولتے دیکھ کر وہیں رک گئی تھیں کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتی تھیں۔ آج صباحت نے سب احمر سے کہہ دیا مگر اتنا اعصابی دباؤ وہ برداشت نہیں کر سکی تھی۔

احمر نے اسے اپنی بانہوں میں اٹھایا اور تیزی سے سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ نہ اسے فاکٹر کا خیال رہا نہ گھر کا۔

☆☆☆

اسپتال میں آج دوسرے دن بھی صبا کی حالت سنبھلی نہ تھی اور احمر کو آج احساس ہو رہا تھا کہ وہ تو اس کے لیے جان سے بھی بڑھ کر تھی۔ وہ سب کچھ بھلائے اسپتال میں بیٹھا تھا۔ ڈاکٹر نے صبا کو زیادہ ذہنی دباؤ بتایا تھا۔ اور ساتھ یہ کہ وہ اعصابی طور پر بہت کمزور ہو چکی ہے۔ اس پر اس کی پشیمانی اور بڑھ گئی۔ صبا کے گھر والے حیران ہو کر اس سے پوچھ رہے تھے کہ کون سا اسٹریس؟ اور وہ کس بات پر پریشان تھی صبا نے انہیں آج تک کچھ نہیں بتایا تھا۔

اسپتال میں سب اسے دیکھنے آئے تھے۔ اس کی بہنیں بھی ایک دفعہ ہو کر جا چکی تھیں، اب فون پر رابطہ میں تھیں۔ وہ آپا کو گھر لے آپا تھا اماں بھی بستر سنبھالے تھیں۔ ان حالات نے ان کی صحت پر برا اثر ڈالا تھا۔ پھر علی اور گھر کی ذمہ داری بھی تھی۔

آج آپا نے فون کر کے اسے گھر بلایا تھا۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی گھر آیا تو اسے علی کے رونے اور اماں کے بولنے کی آوازیں دروازے پر ہی سنائی دیں۔ آپا بھی زور زور سے بول رہی تھیں۔ احمر کو صبا کا خیال آیا کہ پہلے جب وہ گھر آتا تو ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔ ہر چیز اسے حالت سکون میں ملتی تھی۔ آپا اسے دیکھتے ہی کہنے لگیں۔

"بھیا! اپنا گھر سنبھالو تم خود، ہم سے تو اب یہ نہیں سنبھلتا، تمہارا گھر، بچہ، پھر اماں بھی بیمار ہیں۔ میں اپنا گھر کتنی دیر چھوڑے بیٹھی رہوں۔ میرا گھر اور بچے بھی متاثر ہو رہے ہیں۔ تم ایسا کرو کوئی کام والی ڈھونڈ لو گھر کے لیے اور بچے کے لیے آیا۔"

احمر بے حد حیرانی سے ان کی صورت دیکھتا رہ گیا کہ یہ وہ آپا تھیں، جو اس کا جان سے بڑھ کر خیال رکھتی تھیں۔ اب ان کا یہ انداز اس کے لیے بہت نیا تھا۔

آپا رکھائی سے کہتی کمرے سے نکل گئیں۔

وہ اماں کی طرف آیا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر رونے لگا تو انہوں نے پیار سے اس کا سر سہلایا۔

"بیٹا! یہ صباحت کا ہی حوصلہ تھا کہ وہ گھر کو لیے چل رہی تھی۔ گھر اس کے بغیر اوندھا پڑا ہے۔ بچہ ماں کے بغیر سنبھلتا نہیں اور میں تو اسی پر انحصار کرتی ہوں کہ مجھے خود نہیں پتا کہ میری دوائیاں کہاں ہیں اور کیسے لیتی ہیں؟ تم نے اس اچھی لڑکی کی قدر نہیں کی۔ میں اس دن تمہیں برا بھلا کہنے ہی تمہارے کمرے کی طرف آئی تھی، مگر صباحت کو بولتے دیکھ کر وہیں رک گئی کہ اچھا ہے وہ خود یہ باتیں تم سے کہے مگر اتنی پریشانی وہ سہار نہ سکی۔

اللہ اسے تندرستی دے، وہی ہے تمہارے سکھ دکھ کی ساتھی۔ جو میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے ہو سکتے ہیں وہ کوئی تیسرا نہیں ہو سکتا۔ اب اپنی بہن کو دیکھ لو۔ بھائی ہو مگر اسے اپنا گھر زیادہ عزیز ہے، اپنی بیوی اور بچے کی قدر کرو۔" انہوں نے اسے سمجھایا۔

"ہاں اماں! سب کروں گا، سب کروں گا۔ اللہ مجھے معاف کر دے۔ میری صباحت کو مجھے واپس کر دے۔ میری ناشکری کی مجھے بڑی سزا مل چکی ہے۔ میں اپنی کوتاہیاں اور لاپروائیاں ختم کر دوں گا۔"

احمر کے لہجے میں پریشانی اور پشیمانی دونوں تھیں۔

اس کا سیل بجا انیلا کا فون تھا۔ وہ اماں کو بتاتے ہوئے جلدی سے ہسپتال پہنچا۔ جہاں سب صبا کے گرد جمع تھے۔ وہ اس کے قریب آیا تو صبا نے آنکھیں بند کر لیں۔

احمر نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور کہا، اللہ کا شکر ہے تم اب ٹھیک ہو۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم میرے لیے کیا ہو؟ تم میری زندگی ہو اور میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں مگر پتا نہیں میں کیوں یہ سب بھول گیا۔"

آج احمر اس سے اپنی محبت کا اظہار کر رہا تھا تو اسے اچھا بھی لگ رہا تھا اور بہت زیادہ رونا بھی آ رہا تھا۔ اس کی بند آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"تمہارے بغیر جینے کا میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ تمہاری بیماری نے تو مجھے آدھا مار ڈالا تھا۔" آج تو احمر تمام اعترافات پر تلا تھا۔

احمر نے اس کی آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اب ان آنسوؤں کی ہماری زندگی میں کوئی جگہ نہیں۔ تم گھر آؤ گی تو تمہیں ایک نیا احمر ملے گا۔"

احمر کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو چکا تھا۔ فطرت تو نہیں بدلتی لیکن صبا کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ اپنی غلطیوں پر پشیمان تھا وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

☆☆

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

زمانے بھر کو ہم ہی سے گوا اختلاف رہا
زمانے بھر میں ہم ہی تھے جو معتبر ٹھہرے

تمہاری یاد کی آندھی چلی ہے جان جس دم
نہ پھر مکیں میرے دل کے بام و در ٹھہرے

نہیں عجب کہ کوئی شے بھی دل کو بھا جائے
یہ منتظر سی نگاہ تجھ سے ہٹ کر گر ٹھہرے

تیرے وجود کے آنگن میں گر بہار اُترے
تو میرے گھر نہ کبھی موسم ہجر ٹھہرے

میں اپنی ساری وفائیں کسی کو سونپ آیا
خدا کرے کہ وہ اک لمحہ عمر بھر ٹھہرے

وہ میری روح میں آسیب بن کے اُترا ہے
یہی فسانے ہیں اصغر نگر نگر ٹھہرے

اصغر علی

آج ہم نا گہاں کسی سے ملے
مدتوں بعد زندگی سے ملے

شمع کیا، چاند کیا، ستارے کیا
سلسلے سب کے تیرگی سے ملے

اُن اندھیروں سے کوئی کیسے بچے
وہ اندھیرے جو روشنی سے ملے

زندگی کے سلوک کیا کہیئے
جس کو مرنا اور زندگی سے ملے

ہم پہ گزرا ہے وہ وقت خمار
جب شناسا بھی اجنبی سے ملے

شام ہوئی اور سورج رستہ بھول گیا
کیسے ہنستے بستے گھر خاموش ہوئے

بولتی آنکھیں چپ دریا میں ڈوب گئیں
شہر کے سارے تہمت گر خاموش ہوئے

کیسی کیسی تصویروں کے رنگ اُڑے
کیسے کیسے صورت گر خاموش ہوئے

کھیل تماشا بربادی پر ختم ہوا
ہنسی اُڑا کر بازی گر خاموش ہوئے

کچی دیواریں بارش میں بیٹھ گئیں
بیتی رُت کے سب منظر خاموش ہوئے

ابھی گیا ہے کوئی مگر یوں لگتا ہے
جیسے صدیاں بیتیں، گھر خاموش ہوئے

افتخار عارف

چھوڑیں
جانے دیں
آگے بڑھیں
کون جانے کتنا وقت کس کے پاس
کیوں لڑیں
چھوڑیں
جانے دیں
آگے بڑھیں
جینا دوبھر کر دیا ہے
کسی پہ الزام کیوں دھریں
چھوڑیں
جانے دیں
آگے بڑھیں
یہ دُنیا بڑی ظالم شے ہے
سر پر سوار کیوں کریں
چھوڑیں...
جانے دیں
آگے بڑھیں

عینا عدل

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

پیشن گوئی

ایک قبیلے کے بزرگ انتقال فرما گیا تو قبیلے کے ایک جدید یونی ورسٹی سے پڑھے ایک نوجوان نے دیگر نوجوانوں کو ساتھ ملا کر سرداری پر قبضہ کرلیا۔ چند ماہ بعد خزاں کا موسم آیا تو قبیلے والے اس کے پاس آئے اور پوچھنے لگے کہ سردار اگلی سردیاں عام سردیوں جیسی ہوں گی یا زیادہ برف پڑے گی؟

اب اس نوجوان کے پاس قدیم بزرگوں کی دانش تو تھی نہیں۔ جو زمین آسمان دیکھ کر بتا سکتے تھے کہ کیسا موسم آنے والا ہے۔ وہ تو شہر کی یونی ورسٹی سے پڑھ کر آیا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر کہہ دیا کہ عام سی سردی ہوگی اور زیادہ برف پڑی تو قبیلہ مارا جائے گا۔ اس لیے اس نے از راہ احتیاط کہہ دیا کہ کچھ سخت سردی ہوگی، لکڑیاں جمع کرلو۔ قبیلے کے جوان لکڑیاں اکٹھی کرنے میں جت گئے۔

ہفتہ بھر سردار بے چین رہا۔ قبیلے کی زندگی کا دارومدار اس کے فیصلے پر تھا اور وہ تکا لگا کر فیصلہ کر چکا تھا۔ لیکن وہ یونی ورسٹی کا اتنا زیادہ پڑھا لکھا تھا کہ بالکل امریکی لہجے میں انگریزی بول سکتا تھا، اسے جدید علوم کا خیال آ گیا۔ اس نے مقامی محکمہ موسمیات کو گمنام فون کر کے پوچھا کہ ”موسم سرما کتنا سخت ہوگا؟“ محکمہ موسمیات کے افسر نے جواب دیا ”بہت ٹھنڈ پڑے گی۔“

سردار نے اپنے جوانوں کو مزید لکڑیاں اکٹھی کرنے پر لگا دیا۔ اگلے ہفتے اس نے پھر محکمہ موسمیات کو فون کر کے پوچھا ”یہ سرما کتنا سخت ہوگا؟“ محکمہ موسمیات کے افسر نے جواب دیا ”ہمارے گزشتہ اندازے سے کہیں زیادہ سردی ہوگی۔ ہر چیز جم کر رہ جائے گی۔“

نوجوان سردار نے اپنے قبیلے والوں کو مزید لکڑیاں اکٹھی کرنے پر لگا دیا اور کہا کہ لکڑی کا جو چھوٹا بڑا ٹکڑا ملے، لے آؤ۔ ہفتے بھر بعد اس نے پھر محکمہ موسمیات کو فون کیا اور پوچھا ”کیا کہیں یقین ہے کہ یہ بہت سخت موسم سرما ہوگا؟“ محکمے کے افسر نے جواب دیا ”تاریخ کا سرد ترین موسم سرما ہوگا۔ سارے اگلے پچھلے ریکارڈ ٹوٹ جائیں گے۔“

سردار گھبرا گیا۔ اب تو مزید لکڑیاں بھی باقی نہیں بچی تھیں جو وہ کٹوا سکتا۔ اس نے ڈری ہوئی آواز میں پوچھا ”تم اتنے پر یقین کیسے ہو کہ سردی اتنی زیادہ سخت ہوگی؟“

محکمہ موسمیات کے افسر نے جواب دیا ”ہمیں یقین ہے کہ موسم بہت زیادہ سرد ہوگا کیونکہ یہاں کا قبیلہ پاگلوں کی طرح لکڑیاں جمع کر رہا ہے اور اس کے سردار کی پیشن گوئی کبھی غلط نہیں نکلی۔“

استانی جی کا اپنے منگیتر کو جوابی خط

مائی ڈیئر تاج الدین!

سلام محبت

تمہارا املا کی غلطیوں سے بھرپور مراسلہ ملا جسے تم بدقسمتی سے ”محبت نامہ“ کہتے ہو۔

کوئی حیرت نہیں ہوئی۔

یہ خط بھی تمہارا پچھلے خطوط کی طرح بے ترتیب اور بے ڈھنگا تھا۔

اگر خود صحیح نہیں لکھ سکتے تو کسی سے لکھوا لیا کرو۔

خط سے آدھی ملاقات ہوتی ہے اور ہم سے یہ آدھی

ملاقات بھی اس قدر دردناک ہوتی ہے کہ میں!

اور ہاں..... یہ جو تم نے میری شان میں قصیدہ لکھا ہے یہ دراصل قصیدہ نہیں بلکہ ایک فلمی گانا ہے اور شاید تمہارے علم میں نہیں کہ فلم میں یہ گانا ہیرو اپنی ماں کے لیے گاتا ہے۔

اور سنو! پان کم کھایا کرو۔

خط میں جگہ جگہ پان کے دھبے صاف نظر آتے ہیں۔

اگر پان نہیں چھوڑ سکتے تو کم از کم خط لکھتے وقت تو ہاتھ دھو کے بیٹھا کرو۔

اور یہ جو ملاقات کی خواہش کا اظہار انتہائی احمقانہ انداز میں کیا ہے۔

یوں لگتا ہے کہ جیسے کوئی یتیم بچہ اپنی ظالم سوتیلی ماں سے نانی کی فرمائش کر رہا ہو، اس یقین کے ساتھ کہ وہ اسے نہیں دے گی۔

ایک بات تم سے اور کہنی تھی کہ کم از کم اپنا نام تو صحیح لکھا کرو۔

”یہ تاجو“ کیا ہوتا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ جیسے کسی قصائی یا دودھ والے کا نام ہو۔

مخفف لکھنا ہی ہے تو صرف ”تاج“ لکھ دو۔

آئندہ خط احتیاط سے لکھنا۔

اس میں کوئی غلطی نہیں ہونی چاہیے۔

آخر میں تم نے جو شعر لکھا ہے وہ تو اب رکشہ والوں نے لکھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔

”اوہ مائی گاڈ“

مجھے ڈر ہے کہ تم سے عشق کا یہ سلسلہ میری اردو خراب نہ کر دے۔ بس یہ ہی کہنا تھا۔

فقط

تمہاری بانو

تسلی

اس عمارت میں ایک ہی لفٹ تھی اور وہ بھی نہایت پرانی ایک مرتبہ وہ دسویں اور گیارہویں فلور کے درمیان پھنس گئی۔ اندر ایک ہی آدمی تھا۔ چوکیدار نے آ کر لوہے جالی دار دروازے سے اسے دیکھا اور تسلی دی۔

گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ میں نے لفٹ ٹھیک کرنے والے مکینک کو فون کر دیا ہے، وہ آتا ہی ہوگا۔

جھوٹے کہیں کے! ”میں ہی لفٹ ٹھیک کرنے والا مکینک ہوں“۔ اندر پھنسا ہوا آدمی غصے سے بولا۔

ایک اور

ایک جگہ سات منگ سات چٹائیوں پر لیٹے ہوئے تھے۔ ایک آدمی آیا اور سب سے بڑے منگ سے کہنے لگا۔

”باباجی! میری بیوی بہت لڑاکا ہے۔ کوئی حل بتائیں۔“

منگ نے سب سے چھوٹے منگ کو آواز لگائی۔

”چھوٹو! ایک چٹائی اور بچھا دے۔“

بزنس مائنڈ

شبنم نے ندیم سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تو ندیم نے محبت نامے واپس مانگ لیے۔

”تم اپنے محبت نامے واپس کیوں لینا چاہتے ہو؟“ شبنم نے حیرت سے پوچھا۔ کیا تمہیں یہ ڈر ہے کہ میں ان خطوط کے ذریعے تمہیں بلیک میل کروں گی؟

”نہیں مجھے ایسا کوئی خوف نہیں ہے دراصل وہ محبت نامے ایک معروف ادیب سے بھاری معاوضے پر لکھوائے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی میرے کام آتے رہیں۔ کم از کم یہ احساس تو ہو کہ پیسے وصول ہو گئے۔“

ندیم نے قدرے ہچکچاہٹ کے بعد جواب دیا۔

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

شگفتہ جاہ

حسب حسب شکر یا دل کو چھونے والے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک گھر کو آگ لگ گئی جب کہ گھر والے گھر میں تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حادثے کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"یہ آگ تمہاری دشمن ہے۔ جب تم سونے لگو تو اسے بجھا دیا کرو۔"

ساس سے حسن سلوک

حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی ساس حضرت علی کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد کی حقیقی ماں کی طرح دل و جان سے خدمت کرتی تھیں۔ حضرت فاطمہ بنت اسد کہتی تھیں۔

"جس قدر میری خدمت فاطمہؓ نے کی ہے۔ شاید ہی کسی بہو نے اپنی ساس کی اتنی خدمت کی ہوگی۔"

ریا کاری

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنا سر نیچے کیے ہوئے ہے یعنی یہ ظاہر کر رہا ہے کہ میں زاہد ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا۔

"اے گردن کج کرنے والے گردن سیدھی کر، تواضع اور خاکساری کا تعلق دل سے ہے، گردن سے نہیں۔"

سوال نہ کرنا

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ایک دفعہ ہمیں ایسی بھوک لگی جو نہ کبھی زمانہ جاہلیت میں لگی اور نہ اسلام لانے کے بعد۔ میری بہن فریعہ رضی اللہ عنہا نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔

انہوں نے کہا "آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے لیے کھانے کا مطالبہ کریں۔ اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنے والا کبھی ناکام نہیں لوٹتا کبھی خالی ہاتھ نہیں آتا۔ جایئے آپ کے ساتھ دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہوگی اگر ان کے پاس کھانے کے لیے کچھ ہوا تو وہ آپ کو دے دیں گے اور اگر کچھ نہ ہوا تو یہ اعلان کر دیں گے کہ اپنے بھائی سے تعاون کریں میں اس میں کوئی کراہت نہیں سمجھتی۔"

جب میں مسجد کے قریب گیا ان دنوں مسجد کی چار دیواری نہیں تھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی تو میں نے دل میں کہا "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو خطاب فرما رہے ہیں۔ پہلی بات جو میرے کان میں پڑی، وہ یہ تھی۔"

ترجمہ:

جو پاک دامنی کا خواہاں ہو، اللہ اسے پاک دامن رکھتا ہے اور جو استغنا کا طالب ہو اللہ اسے مستغنی کر دیتا ہے۔

میں نے کہا: اے سعد بن مالک رضی اللہ عنہ تیری ماں تجھے گم کرے، تو نے اسی کا تو ارادہ کیا ہے۔ "مجھے قسم ہے اس ذات کی آپ کا یہ فرمان سننے کے بعد میں کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا۔"

میں وہاں بیٹھ گیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے۔ میں گھر واپس ہوا۔ فریعہؓ بڑی بے چین تھیں دروازے پہ ان کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ بھوک نے انہیں نڈھال کر رکھا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ میرے پاس تو کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا۔

"بھیا! کیا لائے ہو؟ اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سائل کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے۔"

میں نے جو کچھ آپ سے سنا تھا، بہن کو حرف بحرف سنا دیا۔

بہن نے کہا "کیا یہ فرمان سننے کے بعد آپ نے سوال کیا؟"

میں نے کہا "نہیں۔"

اس نے کہا۔ "بہت اچھا کیا میرے بھائی! جب کل کا دن آئے گا تو اللہ کی قسم میں اپنے آپ کو مشقت میں ڈالوں گی۔

دوسرے دن ہم نے محنت کی جو دِرہم ملے ہم نے ان کا کھانا کھایا پھر اللہ کی قسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسن سلوک سے پیش آتے رہے۔"

اس طرح اللہ تعالیٰ نے مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کے خاندان کو عزت عطا کی اور وہ مالی اعتبار سے اپنے صبر و تحمل اور اتباع رسول کی برکت سے تمام انصار میں زیادہ مال دار ہوئے۔

منفی پہلو دیکھنے والے

ایک شکاری کے پاس ایک انوکھا کتا تھا۔ وہ نادر کتا پانی پر چل سکتا تھا۔ شکاری چاہتا تھا کہ وہ یہ کتا اپنے دوستوں کو دکھائے۔ اس نے ایک دوست کو دعوت دی کہ وہ اس کے ساتھ بطخ کے شکار پر چلے۔ شکار گاہ میں پہنچ کر انہوں نے چند بطخوں کو گولی کا نشانہ بنایا اور کتے کو حکم دیا کہ وہ انہیں اٹھا کر لائے۔

سارا دن کتا پانی پر دوڑ دوڑ کر بطخیں لاتا رہا۔ کتے کا مالک شکاری توقع کر رہا تھا کہ اس کا دوست کتے کی انوکھی کارکردگی پر کوئی تبصرہ کرے گا اور اس کی تعریف کرے گا لیکن اس نے کوئی بات نہیں کی۔

جب وہ گھر واپس جا رہے تھے تو اس نے اپنے دوست سے پوچھا کہ "کیا اس نے کتے میں کوئی غیر معمولی بات دیکھی۔"

اس کے دوست نے کہا۔ "ہاں یار! میں نے یہ غیر معمولی بات دیکھی ہے کہ تمہارا کتا تیر نہیں سکتا۔"

بعض لوگوں کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کی خوبیوں کے بجائے ان کی خامیاں تلاش کرتے ہیں اور ہر چیز میں منفی پہلو دیکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی باتوں پر توجہ نہیں دینا چاہیے۔

سونا تلاش کرو

ایک بار کسی نے اینڈریو کارنیگی سے پوچھا کہ وہ لوگوں سے کس طرح معاملہ کرتے ہیں؟

انہوں نے جواب دیا۔ "لوگوں سے معاملہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے زمین سے سونا نکالنا۔ آپ کو ایک اونس سونا نکالنے کے لیے ٹنوں مٹی کھودنی پڑتی ہے۔ تاہم مٹی کھودتے وقت آپ اس کی طرف توجہ نہ دیں بلکہ سونے پر توجہ مرکوز رکھیں۔"

اینڈریو کارنیگی کے مندرجہ بالا جملے میں ایک اہم سبق موجود ہے۔ وہ سبق یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہمیں کسی شخص یا صورت حال میں بظاہر کوئی مثبت پہلو دکھائی نہیں دے رہا ہوتا۔ مثبت پہلو ڈھونڈنے کے لیے ہمیں "ڈھیروں مٹی کھودنا" پڑتی ہے۔ اصل بات یہ کس طرف توجہ دیتے ہیں؟

"سونا ڈھونڈنے کی طرف یا مٹی کی طرف؟"

کامیاب لوگ

کامیاب لوگ زیادہ رسک لیتے ہیں، اس وجہ سے ان کو ناکامیاں بھی زیادہ دیکھنا پڑتی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ گرنے کے بعد ہر بار اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ بجلی کے بلب کے موجد ایڈیسن کو کہ ایک دوست نے طنزاً کہا۔

"تم نو سو نوے (990) مرتبہ ناکام ہونے کے بعد بھی بلب بنانے کے ارادے پر ڈٹے ہوئے ہوئے ہو۔"

پرعزم سائنس دان کا جواب تھا۔

"دراصل میں نے یہ سیکھا ہے کہ ان نو سو نوے طریقوں سے میں بلب نہیں بنا سکتا۔ بلب بنانے کے لیے مجھے جو درست طریقہ چاہیے میں اسی طرف جا رہا ہوں۔"

نیک نامی

زندگی صرف ایک نسل کے لیے ہے۔ نیک نامی ہمیشہ کے لیے ہے (جاپانی ضرب المثل)

ابن رشد کے اقوال

☆ اسلام کا سب سے بڑا دشمن وہ جاہل ہے جو لوگوں پر کفر کے فتوے لگاتا پھرے۔

☆ اگر آپ جاہلوں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں تو ہر باطل کو مذہبی لبادے میں پیش کریں۔

UUNovels.com

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

☆ یہ ممکن نہیں کہ اللہ ہمیں عقل دے پھر اس عقل کے خلاف شریعت نازل کرے۔

☆ مذہب کی تجارت جاہل معاشروں میں رائج ہوتی ہے۔

کوشش زندگی ہے

آپ اڑ نہیں سکتے تو دوڑ لگایئے۔ دوڑ نہیں سکتے تو تیز قدموں سے چلیں۔ قدم اٹھا نہیں سکتے تو گھسٹتے چلے جایئے۔ مگر کبھی رکیں نہیں، ٹھہریں نہیں کہ زندگی مسلسل تحریک کا نام ہے، جمود کا نہیں۔

(مارٹن لوتھر کنگ)

اصل کامیابی

تقریباً سو سال پہلے ایک شخص نے صبح کے وقت اخبار دیکھا۔ وہ یہ پڑھ کر حیران اور خوف زدہ ہو گیا کہ اس کا نام فوت ہو جانے والوں کے کالم میں درج تھا۔

اخبار میں غلطی سے اس کی وفات کی اطلاع شائع ہو گئی تھی۔ یہ خبر پڑھنے سے اسے سخت صدمہ ہوا۔ اس نے سوچا۔

"کیا میں زندہ ہوں یا مر چکا ہوں؟"

تھوڑی دیر بعد جب اس کے حواس بحال ہوئے تو اس نے سوچا کہ لوگوں نے اس کے حوالے سے کن تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ وفات کی خبر کی سرخی تھی۔

"ڈائنا مائٹ کنگ فوت ہو گیا۔" خبر میں لکھا تھا۔ "وہ موت کا تاجر تھا۔"

وہ شخص ڈائنا مائٹ کا موجد تھا۔ جب اس نے پڑھا کہ اس کے لیے "موت کا تاجر" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں تو اس نے خود سے پوچھا۔

"کیا لوگ مجھے ان الفاظ میں یاد رکھیں گے؟"

اس نے سوچا کہ وہ تو اس طرح یاد رکھا جانا نہیں چاہتا۔ اس دن سے اس نے امن کے لیے کام شروع کر دیا۔

وہ یعنی "ڈائنا مائیٹ کنگ" افریڈ نوبیل تھا اور آج اسے عظیم ترین انعام نوبل پرائز کے حوالے سے یاد کیا جاتا ہے۔ زندگی کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد لوگ ہمیں محبت اور احترام سے یاد کریں۔

بہترین انسان

ایک شخص مشہور فلسفی بلیز پاسکل سے ملا اور اس سے کہنے لگا۔

"اگر میرے پاس آپ جیسی ذہانت ہوتی تو میں ایک بہتر انسان ہوتا۔" پاسکل نے کہا۔

"تم بہتر انسان بنو، میرے جیسی ذہانت پا لو گے۔"

مہمان

☆ جو لوگ اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ اپنے مہمان کو عمدہ سے عمدہ کھانا کھلائیں۔ اور مہمانی تین دن تک ہے۔

(حقیقت ابوالحسن خرقانی)

☆ مہمان کے ساتھ تکلف نہ کرو ورنہ مہمان رکھنے کو ناپسند کرو گے۔

(امام غزالیؒ)

☆ جو مہمان خود آ جائے اس کے لیے تکلف نہ کرو اور جس کو تم بلاؤ اس کے لیے تکلف میں کمی نہ کرو۔

(امام غزالیؒ)

UUNovels.com

دیس دیس کی کہاوتیں

☆ جب آپ پیاس سے مر رہے ہوں تو اس وقت کنواں کھودنے میں بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ (جاپانی کہاوت)

☆ جو ہاتھوں سے کام نہیں لیتا، وہ جانور ہے۔ (چینی کہاوت)

☆ خواہشیں بچے جنتی ہیں، انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا۔ (یونانی کہاوت)

☆ اندھوں کے لیڈر بھی اندھے ہوا کرتے ہیں (جرمن کہاوت)

☆ سستی چیزیں اچھی نہیں ہوتیں اور اچھی چیزیں سستی نہیں ہوتیں (چینی کہاوت)

☆☆

کھلتا کسی پہ کیوں میرے دل کا معاملہ

فاکہہ سہیل ــــــــ کراچی

دیکھتے ہیں تمہیں جاتے ہوئے اور جیتے ہیں
تم بھی قابو میں نہیں، موت بھی قابو میں نہیں
جس کے لیے پہلو میں نہ رکھا دل کو
کیا قیامت ہے کہ (قاتل) وہی پہلو میں نہیں

ثوبیہ قطب ــــــــ

اظہار پر تو پہلے بھی پابندیاں نہ تھیں
لیکن بڑوں کے سامنے ہم بولتے نہ تھے
ان کے بھی اپنے خواب تھے، اپنی ضرورتیں
ہمسائے کا مگر وہ گلا کاٹتے نہ تھے

صدف عمران ــــــــ کے ڈی اے

بے وقت تو آنکھوں سے ٹپک پڑتے ہیں آنسو
ہو رونے کا ہنگام تو اکثر نہیں روتے

ندا ناز ــــــــ لاہور

کہتے ہی کہتے حال کہیں گے، ایسی تمہیں کیا جلدی ہے
دل کو ٹھکانے ہونے دو، داور آپ میں ہم کو آنے دو
یاد دلِ گم گشتہ میں ٹھنڈی آہیں بھرتا تھا
ہنس کے ستم گر کہتا کیا ہے، بات ہی کیا ہے جانے دو

طوبیٰ ــــــــ کراچی

آوارگی میں محسنؔ اس کو بھی ہنر جانا
اقرارِ وفا کرنا پھر اس سے مکر جانا
ایسا نہ ہو دریا میں تم بارِ گراں ٹھہرو
جب لوگ زیادہ ہوں کشتی سے اتر جانا

نادیہ یاسر ــــــــ گوجر خان

خودکشی تک حرام ہے یعنی
یہ بھی ممکن نہیں کہ مر جاؤ

صفیہ ــــــــ حیدر آباد

آنگن میں کچھ خواب پڑے ہیں
ویسے یہ گھر خالی ہے

عائشہ ــــــــ گوجرہ

ہم اپنے دل کا پہلے حوصلہ معلوم کریں گے
پھر اس کے بعد تیرا فیصلہ معلوم کریں گے
وہ کتنے دن دل میں بے کلی آباد رکھے گا
رہے گا اور کتنے دن خفا، معلوم کریں گے

حبیبہ خان ــــــــ کراچی

یاد رکھنا ہی محبت میں نہیں سب کچھ
بھول جانا بھی بڑی بات ہوا کرتی ہے

سدرہ ــــــــ خانیوال

انگلیاں میری وفا پہ نہ اٹھانا لوگو!
جس کو شک ہے، وہ مجھ سے نباہ کر دیکھے

نمرہ غائب ــــــــ گرین سٹی

جو دل میں ہے، آنکھوں کے حوالے نہیں کرنا
خود کو کبھی خوابوں کے حوالے نہیں کرنا
اس عمر میں خوش فہمیاں اچھی نہیں ہوتیں
اس عمر کو وعدوں کے حوالے نہیں کرنا

مریم ــــــــ فیصل آباد

شب ڈھلے جب حرف سارے بے صدا ہو جائیں گے
ہم تیرے وعدے کی خوشبو اوڑھ کر سو جائیں گے

نازیہ ــــــــ لاہور

اس کو بھی ہم سے محبت ہو ضروری تو نہیں
عشق ہی عشق کی قیمت ہو ضروری تو نہیں

ارحا ــــــــ کراچی

مجھ کو تو ہوش نہیں تم کو خبر ہو شاید
لوگ کہتے ہیں کہ تم نے مجھے برباد کیا

ثمینہ تاج ــــــــ پشاور

محسوس لمس جس کا سرِ رہ گزر کیا
سایا تھا وہ اسی کا جسے ہم سفر کیا

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

نگہت صبور

تاریخ کے جھروکوں سے

حلال اور حرام کے درمیان مفاہمت

جائز اور ناجائز کا معاملہ بنی نوع انسان کی پوری تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ ہمارے دین میں جائز اور ناجائز کے لیے دو بڑی واضح اصطلاحیں استعمال کی جاتی ہیں۔ حلال اور حرام۔

اس معاملے میں قرآن حکیم مکمل طور پر غیر مبہم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات بھی سو فیصد واضح ہیں۔ ایک سچے مسلمان کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ اپنی ساری زندگی حلال کے دائرے میں رہ کر گزارنے کی شعوری کوشش کرتا ہے۔ اگر اس کوشش کے باوجود حرام کبھی اس کی زندگی میں داخل ہو جائے تو توبہ کا دروازہ اس پر کھلا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ اس کی نیت کو جانتا ہے، اس لیے اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ مگر جو بات قادر مطلق کو قبول نہیں، وہ حلال اور حرام کا فرق مٹانے کی کوشش ہے۔ خواہ وہ کسی بھی نیت سے کیوں نہ کی جائے۔

برصغیر کے ''عہد اکبری'' کو ہم قومی مفاہمت کا دور کہہ سکتے ہیں۔ مغلیہ سلطنت کے بانی ظہیر الدین بابر کے پوتے جلال الدین اکبر، جسے تاریخ میں اکبر اعظم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اگر برصغیر میں مسلمانوں کا روشن ترین عہد شیر شاہ سوری کا تھا تو تاریک ترین دور اکبری کو کہا جا سکتا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب سیاسی مصلحتوں اور رموز مملکت کے نام پر حلال اور حرام کا فرق مٹا ڈالنے کی ایک شعوری کوشش کی گئی۔ یہ شعوری کوشش پورے دور اکبر میں نظر آتی ہے۔ شہنشاہ اکبر نے ''مفاہمت کی سیاست'' کے نام پر ''دین الٰہی'' رائج کرنے کی جو افسوس ناک (بلکہ ناپاک) کوشش کی، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

اس ناپاک کوشش کا اظہار اس کا ''حرم'' کرتا ہے۔ اگر شہزادہ سلیم کی ماں نے کبھی ہندو مت نہیں چھوڑا تھا یا اللہ کا دین قبول نہیں کیا تھا تو پھر کون سا قانون یا جواز ایسا ہے جو شہنشاہ اکبر اور مہارانی جودھا بائی کے ازدواجی رشتے کو ''حلال'' قرار دلا سکتا ہے؟ اور اگر شہنشاہ ہند اور ملکہ ہند کے درمیان قائم ہونے والا رشتہ حلال نہیں تھا تو پھر شہزادہ سلیم (جو بعد میں شہنشاہ جہانگیر بنا) کو کس خانے میں رکھا جائے؟

حلال اور حرام کے درمیان قائم لکیر کو مٹا ڈالنے کی ناپاک جسارت کے خلاف ہی حضرت مجدد الف ثانی کا ظہور ہوا تھا۔ یہ لکیر جہانگیری عہد میں تو ''مدھم'' رہی ہی، شاہجہانی عہد میں بھی واضح طور پر سامنے نہ آ سکی۔ اس لکیر کو دوبارہ کھینچنے اور قائم کرنے کا کام جس شخص نے انجام دیا، وہ اورنگ زیب عالمگیر ہے۔ اورنگ زیب ہمیشہ بیشتر مورخین کے معتوب رہے ہیں۔ ان کی کردار کشی کے لیے سہارا ہمیشہ اس دلیل کا لیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کو قید خانے میں ڈالا اور اپنے بھائیوں کو یکے بعد دیگرے مروا ڈالا۔

بادی النظر میں یہ الزامات محض الزامات نہیں حقیقت کا درجہ رکھتے ہیں، مگر یہ مورخین اس بات کو ہمیشہ نظر انداز کرتے رہے ہیں اور نگ زیب اپنے مذہبی رجحان اور عقائد کے پیش نظر دربار شاہجہانی میں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھے جاتے تھے۔ جب وہ بیس برس کے تھے تو انہیں کابل کی فتح کے لیے بھیجا گیا۔ اس زمانے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ جس سپہ سالار کے سپرد کابل کی مہم کی جاتی ہے، اسے ایک طرح سے موت کا پروانہ دے دیا جاتا ہے۔

اورنگ زیب نے تمام اندازے غلط ثابت کر دیے اور وہ کابل فتح کر کے واپس لوٹے۔ یہ صورت حال شاہجہاں اور ان کے لاڈلے بیٹے دارا کے لیے خوش آئند نہیں تھی۔ چنانچہ دہلی میں اورنگ زیب کے لیے جو جشن فتح منایا گیا اس میں انہیں ایک مست ہاتھی کے ذریعے ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی۔

اس کوشش میں ناکامی کے بعد اورنگ زیب کے سپرد حیدر آباد دکن کی شورشوں کی سرکوبی کا مشن کیا گیا۔ یہ بھی مشہور تھا کہ حیدر آباد دکن ہمیشہ ایسے سالاروں کو بھیجا جاتا تھا، جن کو ''زندہ نہ دیکھنا'' مقصود ہو۔ اورنگ زیب نے سترہ اٹھارہ برس دکن کی صوبیداری میں گزارے۔ تمام شورشوں پر قابو پایا اور پورے ہند میں ان کا طوطی بولنے لگا۔

یہ صورت حال شہنشاہ شاہجہان کے لیے پریشان کن تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے بڑے بیٹے دارا کے لیے اورنگ زیب کا وجود بہت بڑا خطرہ ہے۔ چنانچہ اورنگ زیب کو انعام واکرام کے لیے دکن سے دہلی طلب کیا گیا۔ مقصد انہیں ایک نادیدہ تلوار کی زد میں لانا تھا اور نگ زیب کی چھوٹی بہن روشن آرا نے انہیں اس سازش سے آگاہ کر دیا۔ وہ پھر بھی دہلی آئے، جس محل میں ضیافت کا اہتمام تھا اس کے مرکزی دروازے کے اوپر سے ایک تلوار عین اس وقت گرنی تھی۔ جب اورنگ زیب اندر داخل ہوتے۔

جب وہ لمحہ آیا تو اورنگ زیب نے رک کر اپنے باپ کی طرف دیکھا اور کہا۔

''ابا حضور! پہلے آپ......''

کہا جاتا ہے کہ شاہ جہاں کا رنگ فق ہو گیا۔ یہ دیکھ کر اورنگ زیب نے کلمہ پڑھا اور دروازے میں داخل ہو گئے۔ تلوار گری ضرور، لیکن اللہ نے اورنگ زیب کو بچا لیا۔

یہ واقعہ اورنگ زیب کی زندگی کا اہم ترین موڑ تھا۔ انہوں نے اپنے باپ سے کہا۔

''ابا حضور! مجھے یقین نہیں تھا کہ ایک باپ ایسا کر سکتا ہے، لیکن میں آپ کو معاف کرتا ہوں، مگر اب ہندوستان کو ان عناصر کے قبضے میں نہیں جانے دوں گا، جن کے ہاتھوں میں آپ کھیل رہے ہیں اور جو اسے اللہ کے دین سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔''

پھر جو کچھ ہوا تاریخ کا حصہ ہے۔

اورنگ زیب نے تقریباً نصف صدی تک حکومت کی۔ لیکن جو فتنے ''دین اکبری'' نے پیدا کیے تھے اور ''حلال وحرام'' میں امتیاز ختم کرنے کا جو کلچر دربار اکبری سے فروغ پا کر دربار جہانگیری اور دربار شاہجہانی تک پہنچا تھا اسے وہ پوری طرح نہ مٹا سکے۔

جب ایک مرتبہ حلال اور حرام کی آمیزش ہو جاتی ہے اور اس آمیزش کو معاشرے میں قبولیت ملنا شروع ہو جاتی ہے تو اصلاح احوال کے لیے ایک اورنگ زیب کافی نہیں ہوتا۔ بدقسمتی سے اورنگ زیب کے بعد کوئی دوسرا اورنگ زیب پیدا نہ ہو سکا۔

(غلام اکبر کے کالم سے اقتباس)

راجہ داہر کی ماں کا مکر وفریب

سندھ کی بدھ مت تاریخ پڑھیں تو آخری بادشاہ کی رانی کا نام سوہاندی ملے گا جو حسن وجمال میں یکتا تھی اور عقل ودانش میں بھی یگانہ......مگر اول تا آخر صرف اپنی خواہشوں کی اسیر......

اس کی دانش کے بطن سے جو منصوبے بھی جنم لیتے، وہ کچھ حاصل کرنے کی سازشوں پر مبنی ہوتے تھے۔ سوہاندی وہ خاتون تھی جسے عوام نے محبتوں کا

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

تاج پہنا کر ملکہ کے عہدے پر فائز کیا۔ وہ لیڈر تھی، مگر اس نے مذہب، ملت اور ملک کو صرف اپنی خواہش اور محبت پر قربان کر دیا۔

سندھ کی تاریخ اس دور میں تاریکی میں بدلنا شروع ہوئی اور مذہب بھی یہیں سے تبدیل ہوا۔ اسی دور میں بدھا کا سندھ ہندو برہمنوں کی گود میں پکے ہوئے اس پھل کی طرح جا گرا جس پر محنت کوئی اور کرتا ہے، مگر وہ حاصل کسی اور کو ہو جاتا ہے۔

ساتویں صدی عیسوی کا ابتدائی دور، سندھ کے حکمراں رائے سہاسی کی مضبوط حکومت سندھ کے علاوہ پنجاب اور بلوچستان کے کئی علاقوں پر مشتمل تھی۔ دارالحکومت آج کے روہڑی کے قریب رور نامی شہر تھا۔ اس وقت بھی یہ اتنا ترقی یافتہ تھا کہ شہر میں پختہ سڑکیں تھیں، سرسبز باغات اور مکانات رعایا کی خوشحالی کی گواہی دیتے تھے۔ پوری مملکت میں بدھ مت کے ماننے والے رہتے تھے اور خود بادشاہ بھی پشتوں سے بدھا کا ماننے والا تھا رائے خاندان کے بدھا راجا کئی پشتوں سے اس علاقے پر حکمران تھے مگر اب ان کی بادشاہت کو سوہاندی کی شکل میں دیمک لگ چکی تھی۔

ایک روز راجا اپنا دربار سجائے ہوئے بیٹھا تھا کہ دربانوں نے چچ کی حاضری کی اطلاع دی۔ راجا نے سوہاندی کی طرف دیکھا جو اس کے پہلو سے لگی بیٹھی تھی، مگر اس نے دربر میں موجود رہنا پسند کیا اور راجا نے وزیر چچ کو اندر طلب کر لیا۔

"چچ ذات کا ہندو برہمن تھا اور سندھ میں کہیں اور سے آیا تھا، دربار میں ملازمت اختیار کرنے کے بعد تیزی سے ترقی کے مراحل طے کرتا ہوا وزارت کے عہدے تک پہنچا اور مقرب خاص بن گیا۔

رانی سوہاندی نے جب اسے دیکھا تو دیکھتی رہ گئی، کیونکہ چچ ایک وجیہہ آدمی تھا۔ اگلے دن ہی رانی کے خاص کارندے چچ کے پاس پہنچ گئے اور اسے رانی کا پیغام پہنچایا، مگر چچ نے انکار کر دیا، اس کا کہنا تھا.....

"تین چیزوں پر کبھی بھی بھروسا نہیں کرنا چاہیے، ایک آگ، دوسرا پانی اور تیسرا راجا۔ میں راجا کا ملازم ہوں اور اپنے انجام سے ڈرتا ہوں، مجھے اپنی امیدوں کو عبرت ناک انجام سے بچانا چاہیے۔"

رانی کا اقرار اور چچ کا انکار محض ابتدا تھی، مگر جب ایک بار رابطے شروع ہو جائیں تو پھر بات آگے بڑھتی رہتی ہے۔ سن گن رکھنے والوں نے راجا رائے کے کانوں تک بات پہنچائی، مگر اس نے یقین کرنے سے انکار کر دیا۔

دربار میں موجود ایسے لوگ جنہوں نے راجا تک یہ باتیں پہنچائی تھیں، رانی نے انہیں کوڑے لگوا کر دربار سے باہر پھکوا دیا۔ سوہاندی بندہ مارتم کی عورت تھی، نہ جانے اس نے رائے سہاسی پر کیا جادو کیا تھا کہ وہ اس کی ہر بات مانتا چلا جاتا۔ یہی جادو اب اس نے چچ پر بھی کر دیا تھا اور اس نے اپنے آپ کو راجا دیکھنے کے سپنے سجا لیے۔

پھر اچانک راجا سہاسی بیمار پڑ گیا، حکیموں، طبیبوں نے اس کے بہتیرے معالجے کیے، مگر رانی نے کسی کی ایک نہ چلنے دی، تاریخ کی بعض کتابوں میں ملتا ہے کہ رانی اپنے شوہر سے چھٹکارا پانے کے لیے اسے آہستہ آہستہ زہر دے رہی تھی اور اسی وجہ سے دوائیں اثر نہیں کرتی تھیں۔

آخر کار ایک روز راجا آنجہانی ہو گیا، مگر سوہاندی نے کسی کو بھی اس کی ہوا نہیں لگنے دی۔ اس نے پچاس ایسے افراد کی فہرست بنا رکھی تھی جو مملکت کے اہم عہدوں پر فائز اور رانی کے مخالف تھے۔ سوہاندی نے سب کو ایک ایک کر کے اپنے محل میں طلب کیا اور ان کی تو قعات کے عین خلاف انہیں زنجیروں میں جکڑ دیا، اس کے بعد راجا کے ان غریب اور ناراض رشتہ داروں کو بلوایا جو نظر انداز کیے جانے پر دل برداشتہ تھے۔ رانی ان میں سے چند کو کسی ایک پابہ زنجیر قیدی کے پاس لے جاتی اور بتاتی۔

"راجا سے تمہاری دوری اور غربت کی وجہ یہ شخص تھا، اسی لیے راجا نے اب اسے قید کر لیا ہے اور تمہیں حکم دیا ہے کہ اپنا بدلہ لے لو۔"

اپنی زندگی بھر کی ذلتوں کا ذمے دار سامنے دیکھ کر غریب آدمی فوراً آپے سے باہر ہو جاتا اور قیدی کو مار ڈالتا، اسی طرح پچاس کے پچاس مخالفین خاموشی سے موت کے گھاٹ اتر گئے اور کوئی بڑا مخالف سامنے نہیں رہا۔

اس کے ساتھ ہی رانی کے حمایتیوں کا ایک طبقہ بھی پیدا ہو گیا، کیونکہ اس نے جن لوگوں سے قتل کرائے تھے انہیں بھاری انعام بھی دیا تھا۔

راتوں رات امیر بن جانے والے رانی کے حمایتی تھے، ہر طرف سے اطمینان کرنے کے بعد اس نے ایک روز دربار منعقد کیا اور درباریوں کو بتایا کہ راجا رائے اتنا بیمار ہے کہ دربار میں نہیں آ سکتا، مگر اس نے چچ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا ہے اور اب وہی حکومت کے معاملات دیکھے گا، اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو بتائے؟

اعتراض کرنے والوں کا حشر سب کے سامنے تھا، اب حریف کس کا دم تھا۔ یوں ایک ہندو، برہمن، جو پجاری اور ویدوں کا عالم تھا اور سندھ سے اس کا تعلق بھی نہیں تھا، وہ رائے خاندان کی بدھ مت کا بادشاہ بن گیا اور اس کے بھانجے، بھتیجے جو مندروں اور کھنڈروں میں ایک وقت کے کھانے کی تگ و دو میں جی رہے تھے، شہزادے کہلانے لگے۔

چچ کی حکومت تیس سال قائم رہی، اس عرصے میں ہندو برہمن نے سارے بدھوں کو بھی ہندو بنا دیا اور سندھ ہندو مملکت کے طور پر مانا جانے لگا۔

چچ اور رانی سوہاندی کے دو بیٹے ہوئے جن میں سے ایک راجا داہر کے طور پر تاریخ میں محفوظ ہے۔ یہ وہی ڈاکو حکمران ہے جو مسلمان تاجروں کو لوٹا کرتا تھا، اسی سے اپنی عزت بچانے کے لیے کسی مسلمان عرب عورت نے سندھ کے ساحل پر حجاج کو پکارا تھا اور اس کے جواب میں محمد بن قاسم سندھ میں آئے اور راجہ داہر مارا گیا، راجا داہر اسی دھوکے باز رانی سوہاندی کا ڈاکو بیٹا تھا۔ (بہ شکریہ جسارت)

☆☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

دل ایک گلشن

رضیہ جمیل
300

چلمن

نادرہ خاتون
قیمت -/300 روپے

بندھی

نسیم سحر قریشی
قیمت -/400 روپے

دستِ کوزہ گر

فوزیہ یاسمین
قیمت -/750 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

موسم کے پکوان

واصفہ سہیل

برمیز نوڈلز رائس

ضروری اشیاء:

چاول	دو کپ
نوڈلز	دو کپ
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک	ایک کھانے کا چمچہ
لال مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
دھنیا	آدھا چائے کا چمچہ
تیل	چوتھائی کپ

ترکیب:۔

ساس پین میں تیل گرم کرکے زیرہ ڈالیں۔ بھن جائے تو ہلدی، نمک، لال مرچ، دھنیا، لہسن ادرک، کٹی ہوئی کالی مرچ اور چکن ڈال کر پکائیں۔

گوشت گل جائے تو مسالہ بھون کر چاول ڈالیں اور مکس کرکے دم پر رکھیں۔

بڑی سرونگ ڈش میں ابلے چاول، چکن اور ابلے نوڈلز ڈالیں ہرا دھنیا، ٹماٹر، پودینے، شملہ مرچ، پنیر، ابلے ہوئے آلو اور لیموں سے گارنش کرکے سرو کریں۔

مکھنی تندوری قیمہ

ضروری اشیا

چکن قیمہ	ایک پاؤ
پیاز	ایک عدد
ہرا دھنیا	ایک کھانے کا چمچہ
کلونجی	چوتھائی چائے کا چمچہ
ثابت دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
ثابت لال مرچ	چار عدد
گرم مسالا	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
مکھن	دو کھانے کے چمچے
سوکھی میتھی	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب:

پیالے میں قیمہ، پیاز، ہرا دھنیا، کلونجی، ثابت لال مرچ کُٹی، ثابت دھنیا، گرم مسالا، نمک اور سوکھی میتھی ڈال کر مکس کرلیں۔ اس میں مکھن شامل کرکے اچھی طرح مکس کریں اور بیکنگ ڈش میں رکھ کر اوون میں 180 ڈگری پر دس منٹ بیک کرلیں۔ اوون نہ ہو تو دھیمی آنچ پر دم دے دیں۔

تیار ہوجائے تو کوئلے کی دھونی دے دیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر گرم گرم روٹی کے ساتھ سرو کریں۔

ویجی ٹیبل سینڈوچز

ضروری اشیاء:

سلائسز	دس عدد
مٹر	آدھا کپ
گاجر	دو کھانے کے چمچے
مایونیز	آدھا کپ
آلو	آدھا کپ
بند گوبھی	ایک کپ
فریش کریم	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
سفید مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
مسٹرڈ پیسٹ	حسب ضرورت

ترکیب:۔

سلائسز کے کنارے کاٹ لیں۔ ایک پیالے

میں ابلی مسلی ہوئی مٹر، گاجر، مایونیز، ابلے مسلے ہوئے آلو، بند گوبھی، فریش کریم، نمک اور پسی سفید مرچ اچھی طرح مکس کرلیں۔ سلائس کا ایک پیس لیں اس پر مسٹرڈ پیسٹ لگائیں۔ اس کے بعد سبزیوں کا تیار کردہ مکسچر سلائس پر اچھی طرح پھیلادیں۔ اوپر سے دوسرے سلائس کا ٹکڑا رکھ دیں۔ اسی طرح تمام سینڈوچز تیار کرلیں اور شام کی چائے کے ساتھ سرو کریں۔

چکن کارن سوپ

ضروری اشیاء:

ہڈیاں	ایک پاؤ
مرغی	ایک پاؤ
نمک	حسب ذائقہ
بھٹے کے دانے	آدھا کپ
چینی	دو چائے کے چمچے
سفید مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ
انڈے	دو عدد
لیموں کا رس	ایک کھانے کا چمچہ
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
زرد رنگ	تھوڑا سا

ترکیب:

یخنی تیار کرنے کے لیے ایک بڑی دیگچی میں چار لیٹر پانی ڈال دیں۔ اس میں مرغی کی ہڈیاں ڈال کر دو گھنٹے کے لیے پکائیں۔ اس کے بعد یخنی چھان لیں۔ یخنی کو ایک دیگچی میں ڈال کر اس میں بھٹے کے دانے، چینی، نمک اور سفید مرچ ڈال کر پکائیں۔ پندرہ منٹ کے بعد لیموں کا رس، سرکہ اور زرد رنگ ڈال کر پانچ منٹ تک پکائیں۔ اس میں کارن فلور گھول کر اچھی طرح مکس کرلیں۔

ایک ابال آجائے تو انڈے پھینٹ کر ڈال دیں۔ پانچ منٹ کے بعد ابلی مرغی کے ریشے شامل کردیں۔ پانچ منٹ تک پکنے دیں اور اس کے بعد چولہا بند کردیں۔ چلی ساس ڈال کر گرم گرم سرو کریں۔

گاجر کا حلوہ

ضروری اشیا

گاجر	دو کلو
دودھ	ڈیڑھ کلو
گھی	ایک کپ
ہری الائچی	دس عدد
چینی	دو کپ
کھویا	ایک کپ
بادام	دو کھانے کے چمچے
پستے	دو کھانے کے چمچے

ترکیب:

گاجر کدوکش کرکے دودھ میں پکائیں۔ جب آدھا دودھ خشک ہوجائے تو چینی ڈال کر پکائیں۔ یہاں تک کہ پانی خشک ہوجائے۔

ایک پتیلی میں گھی گرم کرکے الائچی ڈال کر کڑکڑا ئیں گاجر کا حلوہ ڈال کر تقریباً 15 منٹ تک دھیمی آنچ پر بھون لیں۔ چولہا بند کرکے بادام پستے اور کھوئے سے گارنش کریں۔

کافی

ضروری اجزا:

کافی	تین کھانے کے چمچے
چینی	ڈیڑھ کھانے کے چمچے
کریم	حسب پسند
دودھ	آدھا کلو
پانی	دو کھانے کے چمچے

ترکیب:

گہرے پیالے میں کافی، پانی اور چینی کو کانٹے سے خوب پھینٹ لیں جب پھول جائے تو حسب پسند کریم شامل کرلیں دو کپ دودھ میں حسب پسند کافی شامل کرکے سرو کریں۔

☆☆

UUNovels.com

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group

UUNovels

پھلوں کے قدرتی اجزاء نا صرف چہرے پر موجود داغ دھبوں، جھائیوں اور دانوں کو دور کرنے میں مدد دیتے ہیں، بلکہ ان سے چہرے کی تازگی اور شادابی برقرار رہتی ہے۔

پپیتے کا ماسک

جلد کے مردہ خلیات کو نرمی سے صاف کرتا ہے۔ پپیتے کے گودے کو تھوڑا سا اوپر سے کاٹ لیں۔ چھلکے کے ساتھ کچھ گودا رہنے دیں۔ اب ان چھلکوں کو چہرے اور گردن پر ملیں۔ دس منٹ تک چھلکوں سے مساج کریں چہرا خشک ہوجائے تو ٹھنڈے پانی سے چہرا دھولیں۔

سیب کا ماسک

ایک سیب کو چھیل کر تمام رس ایک کپ میں نکال لیں روئی کی مدد سے چہرے اور گردن پر لگائیں۔ خصوصاً آنکھوں کے گرد ہونٹوں کے اطراف اور پیشانی پر انگلیوں کی پوروں سے مساج کریں۔ کھلے مسام بند کرنے اور جلد کے روکھے پن کو دور کرنے کے لیے یہ نسخہ بہت کا آمد ہے۔ بہترین نتائج کے لیے سیب کے رس میں ٹھنڈے دودھ کے چند قطرے بھی شامل کیے جاسکتے ہیں۔

گاجر کا ماسک

موسم سرما میں گاجر کا زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ گاجر کا ماسک ہر قسم کی جلد کے لیے مفید ہے۔ چوتھائی کپ گاجر کے رس میں روئی بھگو کر اسے ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دیں۔ دس منٹ بعد نکالیں چند قطرے شہد کے ہتھیلی پر لیں اور انگلی کی مدد سے پورے چہرے اور گردن پر لگائیں پھر روئی کی مدد سے گاجر کا رس چہرے پر لگائیں۔ جب ماسک خشک ہوتا محسوس ہو تو نیم گرم پانی سے چہرے کو دھولیں۔ شہد جلد کی صفائی کرتا ہے اور گاجر کا رس جلد کے نکھار کا باعث ہے۔ ماسک کے علاوہ گاجریں کچی بھی کھائی جائیں تو جلد اور بصارت کے لیے مفید ہیں۔

کیلے کا ماسک

کیلا ایک سدا بہار پھل ہے۔ فولاد سے بھرپور یہ پھل صحت پر مثبت اثرات مرتب کرتا ہے۔ آدھا کیلا، تھوڑا دہی اور چند قطرے زیتون کا تیل باہم ملا کر آمیزہ تیار کرلیں۔ یہ آمیزہ چہرے اور گردن پر نیچے سے اوپر کی طرف لگائیں۔ اس ماسک کو آنکھوں کے قریب بھی استعمال کیا جاسکتا ہے جب سوکھ جائے تو سادہ پانی سے دھولیں۔ صابن استعمال نہ کریں۔ بے رونق اور خشک جلد کے لیے بے حد مفید ہے۔ موسم سرما میں یہ ماسک چہرے کو خشکی سے محفوظ رکھتا ہے کیلے کا یہ ماسک آپ ہفتے میں ایک دفعہ لگا سکتی ہیں۔

سنگترے کا ماسک

وٹامن سی سے بھرپور یہ پھل خون مدافعت بڑھاتا ہے۔ چہرے کی جلد کو ڈھیلنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ آدھا کپ سنگترے میں اور چہرے گردن اور ہاتھوں پر لگالیں۔ خشک ہوجائے تو سادہ پانی سے دھولیں۔ یہ ماسک جلد سے زائد چکنائی ختم کرکے اسے تر و تازہ بناتا ہے کھلے مساموں کے باعث بے رونق نظر آنے والی جلد کے لیے بھی مفید ہے۔

خوبانی کا ماسک

دو تین خوبانیاں رات کو پانی میں بھگو دیں اور اچھی طرح نرم ہوجانے کے بعد ان کو ہلکی آنچ پر پکائیں اور ٹھنڈا ہونے پر چہرے پر لگائیں دس منٹ بعد چہرہ صاف کرلیں۔ خوبانی میں جلد کو ٹائٹ کرنے والے اجزاء موجود ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے ماسک کو چہرے کے بالوں کی صفائی کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اس کے باقاعدہ استعمال سے چہرے پر نکلنے والے بالوں میں خاصی کمی واقع ہوتی ہے۔

بالوں سے نجات کے لیے ماسک کو چہرے پر لگائیں اور جب خشک ہوجائے تو پیل آف کے انداز میں اتار لیں۔

☆☆

We send Latest Monthly Digests in Our Whatsapp Channel. Click Here to Join Whatsapp Group